رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ جولائی سنہ ۱۹۴۹ء

معارف

مجلسِ دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

و

شاہ معین الدین احمد ندوی

قیمت چھ روپئے سالانہ

دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

دارالمصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی ادارون نے خصوصیت سے اس کی قدردانی کی، بعض یونیورسٹیون نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب مین داخل کر لیا، اس لئے چند برسون کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافون کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہین اور بعض زیر طباعت ہین، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ، ضخامت ۵۹۰ صفحے، قیمت: ستے

تاریخ اسلام حصہ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل [illegible] ضخامت ۴۶۳ [illegible]

قیمت سے

تاریخ اسلام حصۂ سوم

(بنی عباس اوّل)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ ۷۵۰ء سے ابو اسحاق متقی اللہ ۳۳۳ھ ۹۴۴ء تک دو صدیون کی سیاسی تاریخ، (زیر طبع)۔

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ، ضخامت:- ۴۳۲ صفحے

قیمت:- صہ

"منیجر"

جلد ۶۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۹ء عدد ۱

مضامین

مقالات

ادبیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

ہندوستان کے مسلمان جس نازک دور سے گذر رہے ہیں وہ ان کے لیے تاریخ کا کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، اس سے پہلے بھی ان کو بڑے بڑے مخالف حالات کا سامنا ہو چکا ہے لیکن ان میں اور موجودہ حالات میں یہ فرق ہے کہ وہ عارضی تھے اور مسلمانوں کو بھی برابر کی قوت آزمائی کا موقع تھا، لیکن موجودہ صورت میں کوئی جنگ و تصادم بھی نہیں ہے بلکہ زبانوں پر اتحاد و اتفاق کا نعرہ ہے کہنے کو غیر مذہبی حکومت ہے لیکن واقعہ کے لحاظ سے دونوں میں طاقت اور حقوق کی مساوات کا کوئی سوال نہیں، قانون سازی اور طاقت اکثریت کے ہاتھ میں ہے، جس پر کوئی پابندی نہیں، اور اصل چیز قانون نہیں بلکہ اس پر عمل ہے، اور اس کا جو حال ہے وہ سب پر عیاں ہے، ہندوستان سے اسلامی عہد کے تمدن کو مٹانے اور پرانی ہندو تہذیب کو زندہ کرنے کی کوشش جاری ہے، مسلمانوں سے ایک زبان اور ایک کلچر کے قبول کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، اردو کو قانونی حیثیت سے ختم کر دیا گیا ہے، یہ لو بات ہے کہ اپنی سخت جانی سے زندہ رہ جائے، ہر شعبہ میں ایسی شکلیں اختیار کی جا رہی ہیں کہ مسلمان خود بخود جگہ خالی کرنے پر مجبور اور ان پر آیندہ ترقی کی راہیں بند ہو جائیں یہ حقیقت خواہ کتنی ہی تلخ ہو مگر واقعہ ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہے،

ان حالات میں ایک کانگریس سے انصاف کی توقع ہو سکتی تھی لیکن اب وہ بھی عملاً فرقہ وارانہ ادارہ بن کر رہ گئی ہے، کچھ اشخاص ضرور ایسے ہیں جو کانگریس کے اصولوں پر قائم ہیں اور مسلمانوں

کے ساتھ انصاف چاہتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم اور انکی آواز بالکل بے اثر ہے، بلکہ اب تو مسلمانوں کی حمایت بھی جرم ہوگئی ہے، مسلمانوں کے "بہادر" لیڈروں نے پاکستان کی راہ لی، تو یہاں مسلمانوں کی کوئی شنوائی اور حیثیت باقی نہیں ہے، ان میں سے جو لوگ وزارت کی کرسیوں، حکومت کے عہدوں اور اسمبلیوں کے ایوانوں میں ہیں، ان کو اب صرف اپنے عہدوں کے تحفظ کی فکر ہے اور اسکی لذت وحلاوت کے لیے وہ ہر تلخ سے تلخ گھونٹ پی جاتے ہیں اور ان کی پیشانی پر شکن تک نہیں آتی، کچھ لوگ آیندہ کی امید میں لو لگائے بیٹھے ہیں، اور جن کو ان کی وفاداری کا صلہ ملتا جاتا ہے، وہ میدان چھوڑتے جاتے ہیں جو مرد قلندر ان پھندوں سے آزاد ہیں انہی سے آیندہ توقعات وابستہ ہیں لیکن وہ دن دور نہیں جب انکا شمار معتوبین کے زمرہ میں ہو جائے گا۔

انسانوں کو انسانی حقوق سے محروم کرنے میں ہندوستان کو ہمیشہ سے کمال حاصل رہا ہے۔ جس کی مثال اچھوت ہیں، مسلمانوں کی موجودہ حالت بھی ان سے کم نہیں ہے، بلکہ اچھوتوں کی اصلاح وترقی کی کوشش ہو رہی ہے، ان کو حقوق مل رہے ہیں، اور مسلمانوں سے ان کے پرانے حقوق بھی چھینے جا رہے ہیں، جس کا ثبوت کونسلوں اور اسمبلیوں میں ان کی نشستوں کے تحفظ کا خاتمہ ہے، اس لیے اس کا خطرہ ہے کہ اچھوتوں کی اصلاح وترقی سے ہندوستان کے پرانے نظام میں جو خلا پیدا ہوگا وہ مسلمانوں سے نہ پر کیا جائے، تاہم ان حالات سے ان کو مایوس اور خوفزدہ نہ ہونا چاہیے، ناامیدی اور غیر اللہ کا خوف مومن کی شان کے خلاف ہے، البتہ اس نکبت وادبار کے اسباب کی تلاش اور ان کے ازالہ کی تدبیر ضروری ہے، ورنہ اگر یہ احساس بھی جاتا رہا تو پھر ان کی تباہی میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہ جائے گا،

اگر مسلمانوں میں زندہ رہنے کی قوت باقی ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کو ختم نہیں کر سکتی

قوموں کی موت وزیست اور ترقی وتنزل کا مدار ان کی کمیت یعنی عددی قلت وکثرت پر نہیں بلکہ ان کی اندرونی کیفیت پر ہے، جوہر فولاد کو پتھر کی چٹانیں بھی نہیں توڑ سکتیں، اور خاک کے ڈھیر کو ہوا کا جھونکا بھی اڑا سکتا ہے، ہر قوم کی حیات کا کوئی نہ کوئی سرچشمہ ہوتا ہے جس سے اس کو زندگی ملتی ہے، اور ہر قوم کسی نہ کسی نصب العین کے لیے زندہ رہتی اور اسی کے لیے آگے بڑھتی ہے، خواہ وہ وطنیت ہو، قومیت ہو، مذہب ہو یا اور کوئی نصب العین ہو، مسلمانوں کے لیے زندگی کا یہ سرچشمہ اور نصب العین مذہب ہے، انھوں نے دنیاوی عروج بھی اسی کے سہارے حاصل کیا ہے، اور آئندہ بھی اسی کے سہارے زندہ رہ سکتے ہیں، مذہب ہی ان میں ایمان وعمل کی اصلی روح، خدا کی ذات پر اعتماد و توکل کے ساتھ اپنے نصب العین کے حصول کے لیے جد وجہد، سعی وعمل، اس کی راہ میں ایثار وقربانی، اخلاص وصداقت، سادگی وجفاکشی وغیرہ اوصاف واخلاق فاضلہ پیدا کر سکتا ہے جو دین کے ساتھ دنیاوی ترقی کے بھی سب سے بڑے وسائل ہیں، اور جو قوم بھی ان اوصاف سے متصف ہوگی، اس کو کوئی طاقت نہیں دبا سکتی، اسی کے ساتھ دین ہی ملک ووطن کی حق شناسی بھی سکھاتا ہے، اور ان کی صحیح خدمت بھی دین ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

اسلام میں دنیا بھی دین ہی کا ایک شعبہ ہے اور اسلام کا مقصد مسلمانوں کی دنیاوی ترقی اور سربلندی بھی ہے اور اس کو ایمان اور عمل صالح کا لازمی نتیجہ قرار دیا گیا ہے، اس لیے اگر مسلمان دنیاوی عروج وترقی سے محروم ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے مذہبی اعمال ناقص ہیں، اسی لیے جس طرح مسلمانوں پر دوسرے مذہبی اعمال فرض ہیں اسی طرح کسب دنیا کے دنیاوی وسائل پر عمل اور ہر صالح ترقی کے میدان میں مسابقت کی جدوجہد بھی ان کے لیے ضروری ہے لیکن قومی ترقی کا اصل معیار حکومت کے عہدے اور سرکاری ملازمتیں نہیں بلکہ تعلیم، اقتصادیات، صنعت وحرفت اور تجارت وزراعت وغیرہ میں ترقی ہے، حکومت کے چند عہدوں سے پوری قوم کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو حکومت کی دریوزہ گری چھوڑ کر ترقی کے اصلی میدانوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے، اگر اس میں وہ کامیاب ہو گئے تو پھر حکومت بھی ان کی قوت اور ان کی سیاسی حیثیت ماننے پر مجبور ہوگی، ورنہ محض ماتم گساری سے کچھ حاصل نہیں،

مقالات

کلچر کی وحدت کا مقصد!

از

شاہ معین الدین احمد

آزاد ہندوستان کی تعمیر کے سلسلہ میں جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں ان میں ایک مسئلہ قومیت اور کلچر کی وحدت کا بھی ہے یعنی ہندوستان ایک ملک ہے، یہاں کے سارے باشندے ایک قوم ہیں، اس لئے بلا اختلاف مذہب و ملت یہاں کا کلچر بھی ایک ہونا چاہئے، بظاہر یہ دعویٰ کوئی غیر معقول نہیں ہے، لیکن اس کی تفصیل بحث طلب ہے، اور محض اجمالی دعویٰ پر وحدت قومیت اور وحدت کلچر کے مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، بلکہ علمی حیثیت سے اس پر بحث کی ضرورت ہے کہ ہندوستان کے تمام باشندے خصوصاً ہندو مسلمان ایک قوم ہیں یا دو قومیں؟ اور ایک ملک و قوم کیلئے وحدت کلچر کس حد تک ضروری ہے، پھر کلچر کے کن اجزاء کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جن پر کسی فرقہ کی جماعتی حیثیت کا مدار ہوتا ہے، اور جن کے بغیر اس کی انفرادیت قائم نہیں رہ سکتی، اور کس حد تک دوسری قوم کے کلچر کے اثرات قبول کئے جاسکتے ہیں، اس اعتبار سے ہندوستان کے مسلمانوں کا کلچر کہاں تک عربی یا اسلامی ہے، اور اس میں ہندو کلچر کے کیا اثرات ہیں، پورے ہندوستان کا کلچر کسی زمانہ میں بھی ایک رہا ہے یا مختلف، موجودہ ہندو کلچر کہاں تک

خالص ہندو ہے، اس میں بیرونی اثرات کیا ہیں، کسی قوم و ملک کیلئے پرانے کلچر پر قائم رہنا مفید ہے یا اس میں ترقی پسندی، اس قبیل کے اور بہت سے سوالات کی روشنی میں اس مسئلہ کا صحیح فیصلہ ہو سکتا ہے، ان مسائل پر معارف میں بارہا اظہار خیال کیا جا چکا ہے، لیکن شذرات میں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہوتی اس لئے اس مسئلہ پر مستقل مضمون لکھنا مناسب معلوم ہوا۔

ہندو مسلمان ایک قوم ہیں یا دو قومیں

قومیت کے حسب ذیل عناصر ہیں، وطن، نسل، مذہب، زبان، روایات، تمدن، سیاست، اور مقاصد کا اتحاد و اشتراک لیکن وحدت قومیت کے لئے ان تمام عناصر کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان میں سے چند چیزوں میں اشتراک بھی وحدت قومیت کے لئے کافی ہے، البتہ جس قدر اشتراک زیادہ ہوگا اسی قدر قومیت کامل اور مضبوط ہوگی، اس تعریف کے اعتبار سے قومیت کی کامل وحدت تو دنیا کے بہت کم حصوں میں پائی جاتی ہے، حتیٰ کہ یورپ کے چھوٹے چھوٹے مختلف ملکوں میں بھی قومیت کے تمام عناصر میں پوری وحدت نہیں ہے، اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، کسی باخبر شخص کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن مطلق اور کسی نوع کی قومیت سے کوئی ملک و قوم بھی خالی نہیں ہے، اور ان سب میں قومیت کے چند یا بیشتر اجزاء میں اشتراک موجود ہے، جو وحدت قومیت کے لئے کافی ہے، اس لحاظ سے ہندو مسلمان ایک قوم ہیں، وطنیت اور ملکی سیاست اور بیشتر مقاصد میں دونوں کا اتحاد ہے، نسل میں بھی بڑی حد تک وحدت پائی جاتی ہے، اگر مشترک زبان اور تمدن کو نہ مٹایا جائے تو بڑی حد تک ان دونوں میں بھی اشتراک ہے، صرف مذہب اور روایات دونوں کی مختلف ہیں، گویا عناصر قومیت میں سے صرف دو میں اختلاف اور باقی میں وحدت یا اشتراک ہے اس لئے بیشتر عناصر قومیت کے لحاظ سے دونوں ایک قوم ہیں، بشرطیکہ ان کو مٹایا نہ جائے

جن قوموں کے تمام عناصر قومیت میں وحدت ہے ان کا کلچر بھی لازمی ایک ہوگا،

لیکن جن میں کامل وحدت نہیں ہے تو ان کے اختلافی عناصر کا بقا اور ان کا تحفظ خواہ وہ زبان ہو یا کلچر ہو یا مذہب، ان کا بین الاقوامی آئینی حق ہے، اس لئے مسلمانوں کا کلچر جس حد تک ہندوؤں سے مختلف ہے اس کا تحفظ حکومت کا قانونی فرض ہے۔

کلچر کی تعریف | کلچر ان افکار و تصورات اور نظام زندگی کو کہتے ہیں جس سے کسی قوم کے درجۂ تہذیب کا اندازہ ہو سکے، اور اس میں مابعد الطبیعی عقائد و خیالات سے لیکر حکومت و سیاست تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون سب شامل ہیں، آسانی کے خیال سے ان کی چار موٹی تقسیمیں کی جا سکتی ہیں، ایک مذہبی عقائد و عبادات جیسے توحید، رسالت، حشر و نشر، روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ دوسری نیم مذہبی معاشرتی مراسم جیسے نکاح، طلاق، خلع، وراثت وغیرہ، تیسری ملی روایات اور زندگی کے مختلف شعبوں میں مذہب کے اثرات، چوتھی عام تہذیب و معاشرت، ان میں سے پہلی چیز یعنی عقائد و عبادات تو ہر فرقہ کیلئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، ان کے بغیر مذہب ہی کا وجود نہیں ہو سکتا اور نہ مسلمان مسلمان کہلا سکتا ہے اور نہ ہندو ہندو، دوسری چیز یعنی نیم مذہبی معاشرتی مراسم گو ارکان دین میں نہیں ہیں لیکن مذہبی قوانین کے مطابق ان کا انجام پانا ضروری ہے، ورنہ ان کا انعقاد ہی نہ ہوگا، تیسری چیز یعنی ملی روایات اور معاشرت میں مذہب کے اثرات، گو یہ بھی دین کا رکن نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود مذہب کی اصلی روح یہی ہیں اور عقیدہ کی پختگی یا ایمان کا فطری نتیجہ ہیں، جن کو مذہب سے کسی حال میں بھی الگ نہیں کیا جا سکتا، مثلاً اسلامی زندگی میں توحید، خدا پرستی اور اس پر توکل و اعتماد کے اثرات وغیرہ اور یہ اثرات اتنے متوارث ہیں کہ بے عمل مسلمانوں کی زندگی بھی ان سے یکسر خالی نہیں ہوتی، یا سچے اور باعمل مسلمانوں کی عام معاشرت میں اسوۂ رسول اور اسوۂ صحابہ کی تقلید اور اسلامی روایات کا احترام وغیرہ یہی حال دوسرے فرقوں کا بھی ہے چوتھی چیز عام تہذیب

معاشرت ہے، اس بارہ میں اسلام کے نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے،

اسلام دین کامل اور دین وحدت ہے

اسلام اور دوسرے مذاہب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ دنیا کے بیشتر مذاہب کو صرف خدا اور بندے کے تعلق سے بحث ہے، اس لئے ان کی تعلیم عقائد عبادات اور بعض اخلاقی باتوں تک محدود ہے، ان کو انسان کی دنیاوی زندگی سے بہت کم علاقہ ہے، اس لئے ان میں یا سرے سے دنیاوی زندگی کے قوانین ہی نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو بہت ناقص لیکن اسلام دین کامل ہے، اس لئے اس کا قانون زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، اور اس میں عقائد عبادات دنیاوی معاملات حیات بعد الموت زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق خواہ وہ دنیاوی یا مادی ہو یا اخلاقی و روحانی مکمل تعلیمات اور ضابطہ حیات موجود ہے، جس پر عمل کے بغیر اسلامی زندگی کامل نہیں ہوتی،

اسی کے ساتھ اسلام دین وحدت بھی ہے، اور اس کا مقصد مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں وحدت و یکرنگی ہے، یعنی جس طرح سارے مسلمانوں کے عقائد عبادات میں وحدت ضروری ہے اسی طرح ان کی تہذیب و معاشرت میں بھی یکسانی ہونی چاہئے تاکہ وہ ایک ہی اصل کی شاخ اور ایک ہی درخت کا پھل نظر آئیں، گو ظاہر بین اس کو تنگدلی اور تنگ نظری پر محمول کریں گے، لیکن اگر ضبط و نظام (ڈسپلن) کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ اسلام کے کمال اور اس کی جامعیت کی دلیل ہے، اور ہر کامل مذہب کو ایسا ہی ہونا چاہئے، دنیا کا جو اجتماعی نظام جتنا منظم اور ترقی یافتہ ہوگا، اس میں تنوع کے باوجود ایک طرح کی یکرنگی پائی جائے گی، جس کا نمونہ فوج ہوتی ہے

اصول کی وحدت کیساتھ فروع میں وسعت و تنوع کی اجازت

لیکن اسی کے ساتھ اسلام چونکہ دین فطرت اور عالمگیر مذہب ہے اور وہ ساری دنیا کی رہنمائی اور ابد تک کے لئے آیا تھا، اور قانون ارتقا بھی خدا ہی کا بنایا ہوا ہے، جس پر یہ روشن ہے کہ کوئی قانون خواہ کتنا ہی جامع اور

مکمل کیوں نہ ہو اپنی تمام جزئیات کے ساتھ ہر زمانہ کے لئے کارآمد نہیں ہو سکتا اور زمانہ کی رفتار اور حالات کے تغیر کے ساتھ زندگی کے تقاضے اور اس کی ضرورتیں بدلتی رہتی ہیں اس لئے اسلام میں وحدت و یکسانی کے تصور کے باوجود اس کے بنیادی عقائد اور ارکان کو چھوڑ کر جو ایسے ناقابل تغیر ہیں کہ وہ زمان و مکان اور حال و مستقبل کی قید سے ماوارا رہیں اور ان سے زمانہ کی ترقی کا کوئی تصادم نہیں ہوتا باقی بہت سے دنیاوی امور کے فقہی قوانین میں زمانہ کے حالات و ضروریات کے مطابق اسلامی اساس پر ترمیم و تبدیلی کی اجازت ہے، یہ بھی مسلم ہے کہ مختلف ملکوں کے جغرافی حالات اور ملکی و قومی خصوصیات جدا جدا ہیں جن میں ایک ہی تہذیب و معاشرت نہیں چل سکتی اور ہر قوم میں کچھ نہ کچھ اچھے اور قابل تقلید اوصاف ہوتے ہیں، اس لئے اسلام نے منہیات شرعیہ کے علاوہ مسلمانوں کے لئے کسی خاص معاشرت کی پابندی ضروری نہیں قرار دی ہے، اور دوسری قوموں کی اچھی اور مفید باتوں کے اختیار کرنے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ "الحکمة ضالة المومن اخذها اینما وجدها" یعنی حکمت اور دانائی کی باتیں مسلمانوں کا گمشدہ مال ہیں، اس کو جہاں پائیں لے لیں یہی مقصد ہے، دنیا کے کسی مذہب میں انسانیت کی صالح ترقی کیلئے اس سے بہتر تعلیم نہیں مل سکتی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے جانشینوں اور بڑے بڑے اصحاب نے دنیاوی غیر مذہبی امور میں دوسری قوموں کی مفید باتوں کو اختیار کیا ہے،

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان یعنی عقائد و عبادات اور حلال و حرام کے قوانین تو ناقابل تغیر ہیں جن کی پابندی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، اس لئے کلچر کے اس حصہ میں نہ صرف مسلمان ملک و دنیا کا کوئی فرقہ تبدیلی نہیں کر سکتا اور وحدت کلچر کے

داعیوں نے بھی اس کو مستثنیٰ کر دیا ہے، البتہ مذہبی و معاشرتی مراسم کا بھی مذہبی طریقہ پر انجام پانا ضروری ہے، اس میں بھی تغیر نہیں ہو سکتا، معاشرت میں بھی ایک حد تک مذہبی اثرات فطری ہیں جو اس سے جدا نہیں ہو سکتے، یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ جس عقیدہ پر خواہ وہ دینا وی ہی ہو پورا اذعان اور پختہ یقین ہوگا تو اس کے اثرات زندگی میں لازمی طور سے ظاہر ہونگے، یہ اصول نہ صرف مذہب بلکہ دنیا کے ہر عقیدہ میں کار فرما ہے،

رہ گئی تہذیب و معاشرت یعنی لباس، وضع قطع، رہنے سہنے، کھانے پینے اور ملنے جلنے کے طریقے اور آداب وغیرہ تو اس میں اسلام نے محرمات شرعیہ کے علاوہ اور کوئی پابندی نہیں رکھی ہے اور ہر وہ معاشرت اختیار کی جاسکتی ہے جو اسلامی قانون کے رو سے حرام نہ ہو مثلاً مردوں کے لئے سونے اور ریشم کا استعمال حرام ہے، لباس ساتر ہونا چاہئے، اس کے علاوہ اور کوئی پابندی نہیں ہے، کھانے میں حرام چیزیں نہ ہونی چاہئیں، اور ہر حلال اور پاک چیز کھائی جاسکتی ہے، اسی طریقہ سے معاشرت کے ہر شعبہ میں ممنوعات شرعیہ کے علاوہ ہر چیز کو اختیار کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے، چنانچہ معاشرتی تنوع کا مشاہدہ آج بھی مختلف اسلامی ملکوں میں کیا جاسکتا ہے جن میں مذہبی وحدت کے علاوہ سب کی معاشرت جدا جدا ہے،

کسی تہذیب کی اشاعت و مقبولیت اس کے رد و قبول کے فطری اصول

لیکن کوئی تہذیب و معاشرت زبردستی نہیں منوائی جاسکتی، بلکہ اس کی اشاعت و مقبولیت اور رد و قبول کا تعلق اس کے حسن و خوبی، فوائد و ضرورت، ملکی حالات اور دوسری قوموں کے ساتھ اس کے میل و جول سے ہے، جس تہذیب میں ظاہری نفاست و دلآویزی اور معنوی افادیت ہوگی وہ خود بخود پھیل جائیگی اور جن قوموں کو اس سے سابقہ ہوگا وہ خود بخود اس کو اختیار کر لیں گی، اور جو تہذیب ان اوصاف سے خالی ہوگی اس کو جبر سے بھی نہیں منوایا جاسکتا

بلکہ وہ اپنی قوم سے بھی رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی ہندوستان میں مسلمانوں اور انکے بعد انگریزوں کے تمدن کی اشاعت کا ایک بڑا سبب اس کی ظاہری نفاست و دلآویزی تھی،

جب دو قوموں اور دو تہذیبوں کا آپس میں میل جول ہو گا تو فطری طور پر دونوں نہ صرف ایک دوسرے کی خوبیوں بلکہ برائیوں سے بھی متاثر ہوں گی، اس کی زندہ مثال ہندستان کے مسلمان ہیں، ان میں ہندوؤں کے اثر سے شریف و رذیل کے طبقے ہو گئے جو اسلامی مساوات کے سراسر خلاف ہے، بیوہ کی دوسری شادی معیوب قرار پائی، حالانکہ اسلام میں اس کی تاکید ہے، اسلامی قانون میں خاص حالات میں طلاق کی اجازت ہے لیکن ہندوستانی مسلمانوں خصوصاً شرفا میں سخت معیوب سمجھی جاتی ہے، اس لئے کہ ہندوستان میں نکاح ایک ناقابل تنسیخ رشتہ ہے، اودھ اور پنجاب میں لڑکیوں کو ان کا شرعی ترکہ نہیں ملتا، اس قسم کی اور بہت سی برائیاں جن کی اصلاح اب خود ہندو کر رہے ہیں، مسلمانوں میں ہندوؤں کے اثر سے پیدا ہو گئیں،

مسلمانوں میں ہندو کلچر کے اثرات | ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ہندو کلچر کے اثر سے خالی نہیں ہے، پیدائش سے لے کر موت تک کے رسوم میں ہندو اثرات نمایاں ہیں، پیدائش کے سارے مراسم چھٹی، چھلا، سوہلا، ستور کے ٹوٹکے اور زچہ بچہ کے متعلق ساری رسمیں ہندوانہ ہیں، شادی میں مانجھا، منڈوا، بارات، سہرا، بری، بدھاوا، ڈولہ، بابل، چوتھی، چالا نیگ وغیرہ ساری رسمیں ہندوانہ ہیں، ورنہ اسلامی نکاح کا تو سیدھا سادہ طریقہ ہے، اظہار مسرت میں زیادہ سے زیادہ بچیوں کو گانے کی اجازت ہے، اور ایک دعوت ولیمہ ہے، اسی طریقے سے موت میں تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، تیماہی، چھماہی، برسی، مردہ کی ہر چیز سے چھوت، قبض روح کی جگہ چراغ جلانا وغیرہ سب ہندوستانی اثرات ہیں، مسلمانوں میں خوشی کی تقریبوں کے سارے گانے ہندی ہی ہیں، لڑکیوں کی رخصتی کے وقت ہر شریف گھرانے میں حضرت امیر خسرو

کا بدل گا یا جاتا ہے، ان اثرات کی ہمہ گیری دیکھنا ہو تو مراثی پڑھئے جس میں اہل بیت کرام کی
مخدرات عصمت مآب تک خالص ہندوستانی تہذیب و معاشرت میں
نظر آتی ہیں، اور حضرت قاسم کی شادی اور انکی شہادت کے سلسلہ کی ساری رسمیں ہندوانہ ہیں،
ہولی اور بسنت کے تہوار تو غریبوں کے جھونپڑوں سے لیکر سلاطین کے ایوانوں اور صوفیہ و
مشائخ کی خانقاہوں تک منائے جاتے تھے اور اب بھی منائے جاتے ہیں، ان دونوں تہواروں
پر بہت سے قدیم شعراء کی نظمیں موجود ہیں، اب ہولی کا رواج تو عام طور سے ترک ہو گیا ہے،
لیکن اب بھی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جن میں مذاق کا رشتہ ہوتا ہے ہولی کے موسم میں ایک دوسرے
پر عبیر و گلال اڑاتے ہیں، مذاق کا رشتہ خود ہندوستانی اثر ہے، مسلمانوں میں اس کا کوئی وجود
نہیں، بسنت آج بھی بزرگوں کے مزارات اور خانقاہوں میں منایا جاتا ہے، اور حضرت امیر خسرو
کے بسنتی گیت قوالی کی محفلوں کو گرم کرتے ہیں، مسلمانوں کا مذہب تک ہندوانہ اثر سے محفوظ
نہیں رہا، تصوف میں جو روح شریعت ہے یوگ اور ویدانت کے بہت سے طریقے رائج ہو گئے
ہیں، بزرگان دین کے عرسوں کے سارے مراسم غسل، گاگر، صندل، چراغاں، چادر، قوالی سب کے
سب ہندوانہ اثرات ہیں بعض مبلغ صوفیائے کرام کے ذریعہ جوش تبلیغ میں عام ہندوؤں کو مانوس
کرنے کے لئے ان کی بہت سی ریت رسمیں خانقاہوں میں داخل ہو گئیں، مسلمانوں میں ہندی
زبان کی اشاعت میں ان کو بڑا دخل ہے، آج بھی ہندی کے گیت قوالی کی محفلوں کو گرم کرتے ہیں، ہندوؤں
کے تقریباً سارے ٹونے ٹوٹکے اور شگون اور بدشگونی مسلمانوں میں رائج ہیں، ان کے جواز و
عدم جواز سے بحث نہیں ہے، بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا کوئی شعبہ
بھی ہندوانہ اثرات سے خالی نہیں ہے، یہ صرف چند سرسری مثالیں لکھدی گئیں، اس کی تفصیل
کے لئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اور اس سے ہر شخص واقف ہے، اسلئے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں

یہ اثر بالکل فطری ہے | اور یہ اثر بالکل فطری تھا، ایک ہزار برس سے ہندو مسلمانوں کا ساتھ ہے
اور مسلمان اپنی حکومت کے زمانہ میں بھی انگریزوں کی طرح اجنبی حکمراں کی حیثیت سے ہندوستان میں
نہیں رہے، بلکہ انھوں نے اس کو اپنا وطن بنا لیا، اور یہیں شادی بیاہ کرکے بالکل مل جل
گئے، اس کے علاوہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بڑی تعداد ہندی الاصل ہے، جن کے اسلاف نے
کسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا، اس لئے ان کا دین تو اسلام ہو گیا، لیکن معاشرت وہی پرانی
باقی رہی، چنانچہ دیہات کے ہندو مسلمانوں میں آج بھی مذہب کے علاوہ تہذیب و معاشرت
کا کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ ان مسلمانوں کا بڑا طبقہ ایسا ہے جس میں ختنہ اور گوشت خوری کے علاوہ
اسلام کی اور کوئی نشانی نہیں ہے، بلکہ بہتوں میں یہ بھی نہیں ہے، تمدن زیادہ تر عورتوں کے ذریعہ
پھیلتا ہے، جس گھر میں جس قوم کی عورت ہوگی اس میں اسی کے تمدن کا غلبہ ہوگا، ہندوستان میں
جو مسلمان گھرانے باہر سے بھی آئے ان میں سے اکثروں نے ہندوستانی عورتوں سے شادیاں کیں،
ان کے ذریعہ ہندو تمدن مسلمان گھروں میں پہنچ گیا، خصوصاً تیموری بادشاہوں نے تو راجپوت
خاندانوں میں بکثرت رشتے قائم کئے، چنانچہ بہت سے تیموری سلاطین ہندو عورتوں کے بطن سے
تھے، یہ عورتیں اپنا تمدن بھی ساتھ لائیں، اور خود ان بادشاہوں نے ان کی دلجوئی اور ان کو
مانوس کرنے کیلئے ان کی بہت سی رسمیں اختیار کر لیں، اور ان کے پوجا پاٹ تک کا انتظام کر دیا،
اس طرح ہندو تمدن شاہی محلات میں پہنچ گیا، اور پھر "الناس علی دین ملوکھم" کے اصول پر
حکومت کے امراء و اعیان اور سارے اونچے طبقہ میں پھیل گیا، جس سے علماء و مشائخ کے گھرانے
بھی محفوظ نہ رہ سکے، اس طرح دیہات سے لیکر شہروں تک اور عوام و جہلا سے لیکر امراء و عمائد تک
ہندو تمدن عام ہو گیا، اکبری دور کی ہندویت تو مشہور عام ہے، اورنگ زیب جیسے بادشاہ
کا زمانہ بھی ان اثرات سے خالی نہیں، بلکہ بعد میں اور زیادہ اثرات بڑھتے گئے، تاریخی بحث یہاں

پڑنے کا یہ موقع نہیں ہے، اس حقیقت سے ہر صاحب علم واقف ہے،

ہندوؤں میں اسلامی کلچر کے اثرات

اسی کے ساتھ ہندو بھی اسلامی اثرات سے محفوظ نہ رہے، اولاً حاکم قوم کے تمدن کو محکوم قوم خود فخریہ اختیار کرتی ہے، خصوصاً جب اس میں ظاہری نفاست اور دلآویزی اور معنوی افادیت بھی ہو، تو اس کی مقبولیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس لئے ہندو بھی اسلامی اثر سے متاثر ہوئے، اور اس سے ان کی مذہبی و معاشرتی اصلاح میں ان کو بڑا فائدہ پہنچا، چنانچہ ہندوستان میں توحید خالص کا تصور مسلمانوں کے ذریعہ آیا، سکھ پنتھ، آریہ سماج، برہمو سماج سب اسی کے نتائج ہیں، معاشرت میں ستی کی رسم کا انسداد، عقد بیوگان، لڑکیوں کی وراثت، طلاق، اچھوت ادھار اور دوسری اصلاحات سب اسلامی اثرات ہیں، ورنہ ہندو شاستر کی رو سے یہ تمام اصلاحات ہندو مذہب کے سراسر خلاف ہیں، اسی طریقہ سے معاشرت کے ہر شعبہ میں ہندو اسلامی اثر سے متاثر ہوئے،

ہندو مسلمانوں کا مشترکہ تمدن

ان دونوں تمدنوں کے اختلاط اور ایک دوسرے کی اثر پذیری سے ایک نیا مشترک اور دلآویز تمدن پیدا ہوا، جو نہ خالص اسلامی یعنی عربی اور ایرانی ہے اور نہ شدھ ہندو، بلکہ ان سب کا عطر اور دلفریب گنگا جمنی مرقع ہے، انگریزی عہد میں اس میں یورپین تمدن کے اثرات بھی شامل ہو گئے، اور اب یہی سہ آتشہ تمدن ہندو مسلمانوں کا مشترکہ تمدن ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ میں جاری و ساری ہے،

ہمارے لباس میں کرتہ پائجامہ قمیص، شیروانی، انگرکھا، ہندوستانی کوٹ، دوپلڑی یا کشتی نما ٹوپی، سلیم شاہی یا انگریزی جوتا جو شہری تعلیم یافتہ طبقہ کا عام لباس ہے، نہ قدیم ہندو کا لباس ہے اور نہ عربی و ایرانی ہے، اور کسی اسلامی ملک میں نہیں پایا جاتا، بلکہ خالص ہندوستانی ہے، اب انگریزی لباس بھی ہندوستانی ہو گیا ہے، اسی طریقہ سے روزانہ کی عام غذا میں

گوشت کے علاوہ ترکاری دال چپاتی چاول، چار چٹنی چپاتی یا پوری سہالی مٹھائیوں کی بیشتر قسمیں سب ہندوستانی ہیں، بلکہ ہندوؤں کے بعض طبقے ہمیشہ سے گوشت کھاتے ہیں، اس لئے وہ بھی مسلمانوں کی مخصوص غذا نہیں ہے، البتہ مسلمانوں کے پرتکلف کھانے ایرانی ہیں، لیکن اب وہ بھی خالص ایرانی نہیں رہ گئے ہیں، اور موجودہ شکل میں وہ ہندوستان کے علاوہ اور کسی اسلامی ملک میں نہیں پائے جاتے، مسلمانوں نے ان کے اجزا، اور پکانے کے طریقہ میں ترقی دیکر ان کو ہندوستانی بنالیا ہے، اور یہ اتنے لذیذ ہیں کہ ہندو بھی ان کو مزے لے لے کر کھاتے ہیں، اور جن کے منہ لگ جاتے ہیں پھر نہیں چھوٹتے حتی کہ وہ گوشت کی کوئی قسم بھی نہیں چھوڑتے اور اب یہ کھانے عام طور سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خوشحال ہندو گھرانوں میں رائج ہیں حتیٰ کہ وہ بھگت بھی جو پلیٹ فارم پر ہندو مذہب اور ہندو تمدن کا پرچار کرتے ہیں، چھپ چھپ کر ان کو کھاتے ہیں، ع چوں بخلوت میروند آں کار دیگر می کنند

دونوں کے رہنے سہنے کے طریقے اور ملنے جلنے کے آداب بھی یکساں ہیں، مکانات، ان کے سازوسامان اور طرز و آرائش میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کی ظاہری وضع قطع اب اتنی یکساں ہوگئی ہے کہ آج کے بہت سے ہندو مسلمانوں کو ظاہری لباس اور وضع قطع سے پہچاننا مشکل ہے، غرض دیہات سے لیکر شہر تک ہندو مسلمانوں کی عام معاشرت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، لیکن معاشرت میں اس عمومی اشتراک کے باوجود اس کلچر میں ہندو مسلمانوں کی مذہبی خصوصیات اور ان کی قومی و ملی روایات بھی موجود ہیں، جس سے دونوں کی امتیازی حیثیت بھی قائم ہے، اس حیثیت سے ہندو مسلم کلچر کا ایک پہلو علحدہ بھی ہے لیکن تہذیب و معاشرت کے عمومی اشتراک پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا،

کیا ہندوستان کے مسلمانوں کا کلچر خالص اسلامی ہے اس موقع پر ایک عام غلط فہمی کا ازالہ

ضروری ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کو ہندوستان سے اجنبیت کا طعنہ دیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اسلامی کلچر بیرونی ہے، اور مسلمانوں کی نگاہ ہمیشہ عرب اور ایران و توران پر لگی رہتی ہے، درحقیقت ہندوستان میں جس کلچر کو اسلامی کہا جاتا ہے وہ خالص اسلامی نہیں بلکہ عربی آمیز عجمی ہے جس میں اب ہند کلچر کے اثرات بھی شامل ہو گئے ہیں، اسلامی کلچر تو نہایت سادہ ہے اس میں یہ تکلفات کہاں، بلکہ تکلفات تو اسلامی روح کے منافی ہیں، اس کے اسلامی کہلانے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ایرانی اور عربی تمدن کا میل بہت ابتدا میں ہو گیا تھا، لیکن اموی حکومت کے زمانہ تک بڑی حد تک عربی تمدن قائم رہا، ان کے بعد عباسی خلفار نے مختلف اسباب و حالات کی بنا پر ایرانی تمدن اختیار کر لیا، لیکن وہ حاکم تھے اور ان کا مذہب اسلام تھا اس لئے عجمی تمدن پر بھی گہرے اسلامی اثرات پڑے، اور جس طرح ہندوستان میں ایرانی عربی اور ہندو تمدن سے مل کر ایک مشترک تمدن پیدا ہوا، اسی طرح عباسی دور میں ایرانی اور عربی تمدن کی آمیزش سے مشترک تمدن پیدا ہوا تھا، اور عباسی خلافت کو ساری دنیائے اسلام میں مذہبی مرکزیت حاصل تھی، اس لئے اس کا تمدن اسلامی کہلایا،

دوسرا سبب یہ ہوا کہ ہندوستان میں اس تمدن کے لانے والے سلاطین مسلمان تھے، اس لئے ان کا تمدن بھی اسلامی کہلایا، حالانکہ وہ نسلاً اور وطناً ایرانی تورانی، مغل پٹھان اور ترک تھے، اور گو ان کا مذہب اسلام تھا لیکن ان کا تمدن اپنا قومی اور ملکی تھا، اسی لئے اس تمدن میں اسلامی کے مقابلہ میں عجمی اثرات زیادہ ہیں، اور یہ تمدن مسلمانوں کے لئے مذہبی نقطۂ نظر سے وہی حیثیت رکھتا ہے جو مشترک ہندوستانی تمدن کی ہے، اس لئے ہندوستان کا اسلامی تمدن درحقیقت اسلامی نہیں بلکہ عربی آمیز عجمی ہے، اور رجحون سیحون، شیریں فرہاد اور رستم و سہراب کو نہ عرب سے کوئی تعلق ہے، ور نہ اسلام سے مسلمانوں کیلئے ان کی وہی حیثیت ہے،

جو گنگا جمنا، نل دمن اور بھیم و ارجن کی ہے، ہندوستان کے مسلمانوں میں ایرانی و تورانی روایات اس لئے پھیلیں کہ یہاں کے مسلمان بادشاہ ایرانی و تورانی تھے، جو اپنی قومی و ملکی روایات اپنے ساتھ لائے تھے، اور یہ چیزیں ہندوستان میں اسلام کے وسیلہ سے نہیں آئیں، چنانچہ آج بھی عربی ممالک میں ان کا کہیں وجود نہیں ہے، مسلمانوں کا مذہبی تعلق صرف عرب سے ہے، وہ ان کا مذہبی مرکز ہے، کاش ان کا تمدن خالص عربی اور اسلامی ہوتا تو ان کو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا، رونا تو یہی ہے کہ ان کو اسلام کے ساتھ نسبت کے علاوہ بہت کم علاقہ رہ گیا ہے،

ہندوستان میں تو اسلام بھی اپنی اصل شکل میں نہیں آیا، ورنہ آج اس کی تاریخ کچھ اور ہوتی، اس میں تو اتنی کشش ہے کہ جن ملکوں میں وہ اپنی شکل میں پہنچا، ان کی کایا پلٹ گئی، اور ان کا نہ صرف مذہب بلکہ پورا کلچر بدل گیا، آج بھی وہ سارے ملک جن میں اسلام عربوں کے ذریعہ پہنچا الحمد للہ اسلامی ہیں،

کیا ہندوستان کا کلچر کبھی ایک رہا ہے

آخر میں یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ کیا کبھی پورے ہندوستان کا کلچر ایک رہا ہے، اور کیا آج بھی ایک ہے، اس میں تو ہندوستان کا حال دنیا کے تمام دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، دنیا کی ہر قوم کے مختلف فرقوں اور طبقوں میں کچھ نہ کچھ بنیادی باتیں ضرور مشترک ہوتی ہیں، لیکن ہندوؤں میں تو یہ وحدت بھی نہیں ہے، اور ان کے مختلف فرقوں میں بنیادی اختلاف بلکہ تضاد ہے، سناتن دھرم برہمنی مذہب ہے، وہ مورتی پوجا کا قائل ہے، اور اس کا نظام معاشرت طبقات کی تقسیم پر قائم ہے، اصلی بدھ مذہب بت پرستی اور طبقاتی تقسیم دونوں کے خلاف ہے، لیکن اس میں خدا کا کوئی تصور نہیں ہے، بلکہ وہ خود انسان میں نروان کی صلاحیت مانتا ہے، لیکن اب اس میں بھی بت پرستی رائج ہو گئی ہے، جینی مذہب میں بھی خدا کا کوئی تصور نہیں ہے، اور یہ بت شکن

ہیں، سکھوں کا مذہب گو ہندو نہیں ہے لیکن ہندوستان ہی کا پیدا شدہ ہے، اور اس کی اصل بنیاد توحید اور روحانیت پر ہے، گو اب اس میں بھی بیرونی اثرات شامل ہو گئے ہیں جو زیادہ تر عیسائیت اور کچھ اسلام اور ہندو مذہب سے ماخوذ ہے،

ان کے مختلف طبقوں اور فرقوں کے دیوتا اور مندر الگ الگ ہیں، اچھوتوں کو مندروں میں داخلہ اور ہندوؤں کی مقدس کتابوں کی تلاوت اور ان کے چھونے کی بھی اجازت نہیں ہے، برہمن ان کے سایہ سے بھاگتے ہیں، ان میں شادی بیاہ قانوناً ناجائز ہے، ایک گائے کی تقدیس البتہ سب فرقوں میں مشترک ہے لیکن چمار مردہ گائے کا گوشت تک کھا جاتے ہیں، سب کی شادی بیاہ کی رسمیں جدا ہیں، بلکہ خود شودروں کی مختلف برادریوں کی یہ رسمیں بھی جدا جدا ہیں، یہ تو مذہب کے اختلاف کا حال ہے، تہذیب و معاشرت میں اس سے بھی ..... زیادہ اختلافات ہیں، شمالی ہند کا کلچر جنوبی ہند سے، کشمیر کا آسام سے، بنگال کا پنجاب سے، مدراس کا یوپی اور بہار سے، اسی طریقہ سے ہندوستان کے مختلف صوبوں کا کلچر باہم اتنا مختلف ہے کہ ان کے باشندے ایک دوسرے کی زبان تک نہیں سمجھ سکتے، بلکہ خود ایک صوبہ کے ہندوؤں کے مختلف طبقوں کا کلچر یکساں نہیں ہے، اس لئے پورے ہندوستان کا کلچر کبھی ایک تھا اور نہ اب ہے، مسلمانوں کو ان مختلف کلچروں میں سے کس کلچر کے اختیار کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، اور وہ ہندوؤں کے کس فرقہ، کس طبقہ اور کس صوبہ کا کلچر اختیار کریں، درحقیقت اگر کوئی مشترک کلچر کہا جا سکتا ہے تو وہی ہے جو اسلامی اور ہندو کلچر سے مل کر بنا ہے، اور اب اس میں یورپین تمدن کے اجزاء بھی شامل ہو گئے ہیں، یہ کلچر پنجاب سے لیکر بہار تک رائج اور ہر صوبہ میں کم و بیش پایا جاتا ہے،

کیا قدیم ہندو تمدن کا احیاء مفید ہے اور وہ اس زمانہ میں چل سکتا ہے البتہ اگر وحدت کلچر سے یہ

مقصد ہے کہ ہندوستان کے ہزاروں سال پرانے تمدن کو پھر سے زندہ کیا جائے تو گو وہ بھی ایک نہیں ہے تاہم اگر اس میں کسی نوع کی وحدت مان بھی لی جائے تو وہ اس ترقی یافتہ دور میں قطعاً نہیں چل سکتا اور نہ ہندوستان اس کے بل پر زندہ رہ سکتا ہے، اور عالم خیال کے علاوہ عملاً اس کا زندہ کرنا ناممکن ہے حتیٰ کہ اس تمدن کے نقیب بھی اس پر عمل نہیں کر سکتے اور اس کا تصور ہی بے معنی ہے،

کوئی پڑھا لکھا شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ تمدن ایک ارتقا پذیر چیز ہے اور ابتدائے آفرینش سے اب تک اس میں ارتقاء کا عمل برابر جاری ہے، جس سے دنیا کا کوئی تمدن بھی مستثنیٰ نہیں، پرانے تمدنوں کو لغو اور بے کار نہیں کہا جا سکتا وہ سلسلۂ ارتقا کی ایک کڑی اور اپنے زمانہ کے لئے موزوں تھے، لیکن آج وہ بجنسہٖ نہیں چل سکتے اسلئے جو قوم بھی اپنے پرانے تمدن پر جمی رہے گی اور تمدنی ارتقا کا ساتھ نہ دے گی وہ یا تو ختم ہو جائیگی یا اس کا شمار پس ماندہ قوموں میں ہوگا، اور وہ ترقی یافتہ قوموں کی ہمسری نہ کر سکے گی، اس سے انکار نہیں کہ ہر مذہب و ملت کے کلچر میں بعض ایسے بنیادی ارکان ہوتے ہیں، جو کبھی نہیں بدل سکتے، اور جن پر اس قوم کے وجود اور اس کی امتیازی حیثیت کا مدار ہوتا ہے، لیکن ان کے علاوہ زندگی کے اور شعبوں میں اگر صالح بیرونی اثرات نہ قبول کئے جائیں، تو کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، اس لئے ہندوؤں کا پرانا تمدن خواہ اس زمانہ کے ہندوستان کے لئے کتنا ہی موزوں رہا ہو لیکن اس زمانہ میں وہ نہیں چل سکتا، اور آج خود ہندو قوم زمانہ کے حالات کے مطابق ہر شعبہ میں اصلاح و تغیر کرنے پر مجبور ہے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس کی تازہ مثال ہندو کوڈ بل ہے، اور جس قدر زمانہ ترقی کرتا جائے گا ہندوؤں کا پرانا نظام بدلتا جائے گا،

ہندوستان میں شخصی زندگی سے لیکر نظام حکومت تک سب بیرونی تمدن پر قائم ہے	ہندوستان کی جاہل دیہاتی آبادی کو چھوڑ کر تعلیم یافتہ شہری طبقہ کی تہذیب و معاشرت میں جو کلچر کا اصلی

نمایندہ ہوتا ہے، چند مذہبی اثرات کے علاوہ پرانی ہندو تہذیب کا کونسا اثر باقی ہے؟

اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، آج بڑے سے بڑے فرقہ پرست اور ہندو کلچر کے مبلغ اور نقیبوں کی زندگی میں بھی پرانے ہندو کلچر کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا، بڑے بڑے کانگریسی نیتا وزرا، اور عمال کوٹھیوں میں رہتے موٹروں پر نکلتے، ہوائی جہازوں میں اڑتے اور ٹیلی فون سے بات کرتے ہیں، سب کی کوٹھیوں میں دیئے کے بجائے بلب جلتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ننگے بدن چوکے میں بیٹھ کر پترے میں نہیں کھاتا، ان کی میزوں پر انواع و اقسام کے کھانے ہوتے ہیں،

غرض مخصوص مذہبی مراسم اور بعض پرانی قومی و ملکی روایات کے علاوہ ان کی تہذیب و معاشرت میں خالص پرانے ہندو تمدن کا کوئی اثر باقی نہیں ہے، یہ تو معاشرت کا حال ہے، حکومت اور سیاست پر نگاہ ڈالی جائے تو اس کا پورا ڈھانچہ ہی بدلا ہوا ہے، اس کے آئین سیاست و قوانین اور حکومت کے سارے شعبے اور عہدے سب انگریزی نظام کی نقل ہیں، آزاد ہند کے دستور میں کوئی دفعہ بھی تو ہندو شاستر کی نہیں ہے، پارلیمنٹ اور کونسلوں و اسمبلیوں کے ایوان، سکریٹریٹ کے دفاتر، گورنر جنرل اور وزیر اعظم سے لیکر پولیس کی چوکیوں اور دیہات کے چوکیداروں تک حکومت کا سارا نظام، اس کے کل شعبے اور عہدے سب کے سب انگریزی ہیں، صنعت و حرفت، تجارت کے بڑے بڑے کارخانے، ان کی مشینیں، ان کا نظام ریل، جہاز، ہوائی جہاز، ٹیلی گراف، ٹیلی فون، ریڈیو، وائرلس، سارے آلات و اسلحہ غرض حکومت کے سارے اجزا، اور ملک کی ترقی کے سارے وسائل، اور جملہ سروسامان میں

کوئی چیز بھی تو پراچین بھارت کی نہیں، سب ماڈرن یورپ کی نقل و تقلید ہے، پھر آخر وہ کونسا شعبہ ہے جس میں پرانے ہندو تمدن کی تجدید ہوگی، اور وہ کون سے اجزا ہیں جن کے قبول کرنے کی دعوت دیجاتی ہے،

مشترک تہذیب اور اس کے آثار ہندوستان کی عظمت کا نشان اور اس کی آبرو ہیں

لیکن اگر اجنبی اور بیرونی تمدن سے مراد صرف اسلامی عہد کے اثرات ہیں تو اس کا مٹانا بھی ناممکن ہے، زندگی کا کوئی شعبہ بھی تو ان سے خالی نہیں ہے، یہ اثرات تو ہندوستانی تہذیب کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہیں، ان کو مٹانا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا ہے، ہندوستان کی ساری عظمت و شان اور حسن و دلآویزی اسی گنگا جمنی سنگم سے قائم ہے، اس کا جو نقش بھی مٹے گا اس سے تنہا اسلامی عہد کا نشان نہیں بلکہ ہندوستانی تمدن کا ایک دلفریب رخ مٹ جائے گا، اگر تاج محل، دلی اور آگرہ کے قلعے، فتح پور سیکری کی عمارتیں ...... کشمیر کا شالامار باغ اور اسلامی عہد کے دوسرے آثار مٹا دیے جائیں، تو ہندوستان کا حسن غارت ہو جائے گا، یہ عمارتیں محض اینٹ اور پتھر کا تودہ نہیں بلکہ ہندو مسلم آرٹ کا شاہکار ہیں جس میں دونوں کلچروں کی روح جھلکتی ہے، اور اس روح سے دلی کی جامع مسجد، آگرہ کی موتی مسجد، امرتسر کا گولڈن ٹمپل اور اسلامی عہد کے تعمیر شدہ مندر بھی خالی نہیں ہیں، یہی روح اور یہی آرٹ ہندوستانی تہذیب و معاشرت کے ہر شعبہ میں موجود ہے، اس کے مٹانے کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستانی تہذیب کا آرٹ اور حسن مٹ جائے گا،

کشمیر کی شال، نمدے، چاندی اور لکڑی کا کام، بنارس کی زردوزی، قالین بافی، پیتل کی نقاشی، ٹانڈہ کی جامدانی، مراد آباد کے برتن، حیدر آباد کا ہمرو اور بدری، اور لکھنؤ کا چکن اور کارچوبی، سادہ کے کام اور اس قسم کی سیکڑوں صنعتیں بیشتر اسلامی عہد کی یادگار ہیں، اور آج بھی ان کے

کاریگر مسلمان ہیں، کیا ان کو مٹانے سے ہندوستان کا نقصان نہ ہوگا، اس لئے جو لوگ اسلامی عہد کے آثار کو مٹانا چاہتے ہیں وہ ہندوستان کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں،

نتیجۂ بحث اس بحث کا مقصد اور خلاصہ یہ ہے کہ سارے ہندوستان کا کلچر کسی زمانہ میں بھی ایک نہیں رہا، اگر کوئی مشترک کلچر کہا جا سکتا ہے تو وہ وہی ہے جو ہندو مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول سے پیدا ہوا، اور جس میں ان دونوں کے مساوی تمدنی اثرات ہیں، اور اس اشتراک کے باوجود دونوں کی امتیازی حیثیتیں بھی قائم ہیں، ہندوستانی تمدن کا سارا حسن وجمال اور اس کی عظمت و شان اسی تمدن سے وابستہ ہے، اور وہ ہندوستان کی رگوں میں خون کی طرح جاری ہے اس کو مٹانے کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان کی روح نکال لی جائے،

اس زمانہ میں ہزاروں سال پرانے ہندو تمدن کو زندہ کرنے کا تخیل نہ صرف بے معنی بلکہ عملاً بھی ناممکن ہے، ہندوستان اپنے پورے وجود میں بیرونی اثرات کی نقل و تقلید پر مجبور ہے اور ہندو تمدن کے نعرہ کے باوجود آج بھی اشخاص کی زندگی سے لیکر حکومت کے نظام تک کوئی چیز بھی بیرونی اثر سے خالی نہیں ہے، اس لئے یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا،

یہ تصور قومی وحدت اور ملکی ترقی دونوں کے خلاف ہے، اور اس سے قومی تفریق اور ملکی تخریب کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے، اس لئے ہندو مسلمان دونوں کو اپنی مذہبی و ملی خصوصیات قائم رکھتے ہوئے مشترک تمدن کو نہ صرف قائم رکھنا بلکہ اس کو فروغ دینا چاہیئے، اسی میں ہندوستان کی فلاح ہے، یہ تمدن درحقیقت "بھارتیہ مندر" ہے جس کا احترام دونوں کیلئے ضروری ہے،

عہد اسلامی کا ہندوستان
ملوک سلاطین دہلی

از

مولانا سید ریاست علی ندوی

(۳)

علماء | امام رضی الدین حسن بن محمد صغانی اس دور کے ان مشاہیر اہل علم میں سے ہیں جن پر عالم اسلام کو ناز تھا، وہ ۵۷۷ھ (۱۱۸۱ء) میں لاہور میں پیدا ہوئے یہیں نشوونما پائی، اپنے والد شیخ محمد بن حسن صغانی سے علوم کی تحصیل کی، اور ارباب فضل میں شمار کئے گئے، سلطان قطب الدین ایبک نے لاہور کی قضاءت پیش کی، مگر علوم کی تکمیل پیش نظر تھی، عہدہ قبول نہیں کیا، لاہور سے غزنی گئے، کچھ دنوں وہاں درس و تدریس کی خدمت انجام دی، پھر اس دور میں عالم اسلام میں علم و فن کے جو اہم مرکز تھے، اور جہاں ممتاز شیوخ علم نے اپنی مسند درس بچھائی تھی وہاں پہنچے اور علم و عرفان کی دولت سے مالامال ہوئے، ۶۱۵ھ (۱۲۱۸ء) میں خلیفہ الناصر لدین اللہ عباسی نے خلعت سے نوازا، اور ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں فرمان دے کر سلطان شمس الدین التمش کی خدمت میں بھیجا، اور یہیں دارالسلطنت دہلی میں بود و باش اختیار کر لی، ۷ برس کے قیام کے بعد ۶۲۴ھ (۱۲۲۷ء) میں وہ حج کے لئے روانہ ہوئے، اور عالم اسلام میں علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد خلیفہ المستنصر عباسی نے سلطانہ رضیہ کے پاس ہندوستان سفیر بناکر بھیجا، اور یہاں دوبارہ

قیام فرما رہے، اس کے بعد ۶۳۴ھ؁ میں پھر بغداد تشریف لے گئے، اور وہیں وفات پائی، اور ابتداءً وہیں مدفون ہوئے، پھر وصیت کے مطابق لاش مکہ معظمہ لے جائی گئی، اور وہی ان کا ابدی خواب گاہ بنا،

علامہ صغانی علوم حدیث، فقہ اور لغت کے امام تھے، عالم اسلام کے جلیل القدر علماء و مصنفین نے ان علوم میں ان کے علوئے مرتبت کا عقیدت کے ساتھ اعتراف کیا ہے، شیخ شرف الدین دمیاطی محمود بن عمر ہروی، ابن صباغ، برہان الدین محمود بن اسعد بلخی وغیرہ ان کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں، انہی علوم میں ان کی بہت سی گراں قدر تصنیفات ہیں، علم حدیث میں ان کی شہرہ آفاق تصنیف مشارق الانوار کی ضیاپاشیوں سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں علم حدیث کی روشنی پہنچی، عالم اسلام کے ممتاز اہل علم نے اس کی بہ کثرت شرحیں لکھیں، جن کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے، حدیث میں ان کی دوسری تصنیف مصباح الدجی فی حدیث المصطفیٰ اور الشمس المنیرہ وغیرہ ہیں، اسی طرح فن لغت میں العباب الزاخر، مجمع البحرین، النوادر فی اللغۃ و التراکیب وغیرہ کو عام شہرت حاصل ہے، اسی طرح حدیث، فقہ اور لغت میں ان کی دیگر تصنیفات ہیں،[۱]

مولانا شہاب الدین بدایونی اس عہد کے ممتاز افاضل میں تھے، امیر خسرو نے ان کی شان میں قصائد لکھے ہیں، شیخ ضیاء الدین نخشبی ان کے تلامذہ میں سے تھے، شیخ اسحٰق بن علی بخاری اس عہد کے ممتاز اہل صوفیہ میں سے تھے، وہ شیخ منہاج الدین علی بن اسحاق بخاری کے صاحبزادے تھے، دہلی میں پیدا ہوئے، وہیں نشو ونما پائی، مدرسہ معزیہ میں ایک مدت تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی، شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے بیعت کی، انھوں نے خرقۂ خلافت

---

[۱] نزہۃ الخواطر ص ۲۷،

بھی عطا کیا، مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے، "اسرار الاولیا" کے نام سے اپنے شیخ کے ملفوظات جمع کئے تھے، علم صرف میں ایک منظوم رسالہ بھی لکھا، ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء میں وفات پائی۔[1]

علامہ برہان الدین محمود بن ابو الخیر اسعد بلخی اپنے دور کے افاضل روزگار میں سے تھے، کہا جاتا ہے کہ نحو، لغت، فقہ، حدیث اور علوم عقلی میں ان کے زمانہ میں ہندوستان میں اتنے بڑا عالم کوئی دوسرا نہ تھا، فقہ کی تحصیل ہدایہ کے مصنف شیخ برہان الدین مرغینانی سے کی، حدیث امام صغانی صاحب مشارق الانوار سے پڑھی، اسی کے بعد ہندوستان وارد ہوئے اور غیر معمولی عزت و اکرام سے ان کی پذیرائی ہوئی، سلطان غیاث الدین ان کا احترام کرتا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض اٹھاتا تھا، ۶۸۷ھ / ۱۲۸۸ء میں وفات پائی، دہلی میں حوض شمسی کے قریب دفن کئے گئے۔[2]

علامہ نجم الدین عبد العزیز بن محمد دمشقی دہلوی علوم عقلیہ کے ماہرین میں سے تھے، امام فخر الدین رازی سے علوم کی تحصیل کی، اس کے بعد ہندوستان وارد ہوئے، اور یہاں کے ملوک و امراء نے ان کے ورود کو مغتنم سمجھا، سلطان غیاث الدین ہر ہفتہ ان کی خدمت میں آتا، اور ان کی صحبت سے حظ اٹھاتا تھا۔[3]

مولانا شمس الدین خوارزمی سلطان غیاث الدین کے عہد کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے سلطان نے شمس الملک کا لقب عطا کیا، حضرت نظام الدین اولیاء، قطب الدین ناقلہ اور شیخ برہان الدین عبد الباقی وغیرہ جیسے اکابر ان کے تلامذہ میں سے تھے۔[4]

مولانا برہان الدین بزاز حنفی دہلوی دہلی کے ممتاز فقہا میں سے تھے، درس و تدریس کا مشغلہ جاری تھا، غیاث الدین بلبن عزت و اکرام سے پیش آتا تھا۔[5]

---

[1] نزہۃ الخواطر ص ۱۴۳۔ [2] ایضاً ص ۲۰۳ [3] ایضاً ۲ / ۱۶۹ [4] ایضاً ۲ / ۱۶۹ [5] ایضاً ص ۱۲۰۔

مولانا برہان الدین بسفی بھی دہلی کے فقہا میں تھے، مسند درس بچھی ہوئی تھی، جب کوئی طالب علم آتا تو اس سے تین باتوں کا اقرار لیتے تھے، اول یہ کہ شب و روز میں صرف ایک مرتبہ کھائے گا، درس میں کسی دن بھی تاخیر سے نہ پہنچے گا، اگر اس کے خلاف ہوا تو پھر اس کو کبھی درس میں بیٹھنے کا حق نہ ہوگا، تیسرے یہ کہ اثنائے راہ میں بجز سلام مسنون کے تعظیم کا کوئی اور طریقہ ان کے ساتھ اختیار نہیں کرے گا، بڑے بڑے علماء و مشائخ ان کے حلقہ درس سے فیضیاب ہوئے،[۱]

حکیم حسام الدین ماریکلی عہد بلبن میں دار السلطنت کے ممتاز اطباء میں سے تھے، درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا،[۲]

شیخ ابوبکر بن یوسف سجزی دہلی کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے، غیاث الدین بلبن بڑی عزت کرتا، اور ہر جمعہ کو نماز کے بعد ان کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا،[۳]

سید صدر الدین محمد بن محمد سندھی اپنے عہد کے ممتاز علماء میں تھے، ۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء میں وفات پائی، بھکر میں مدفون ہوئے،[۴]

اسی طرح اس دور کے ممتاز علماء، فقہا، محدثین میں شیخ کمال الدین احمد دمیمنی محدث متوفی ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء قاضی رفیع الدین گازرونی فقیہ (نزہۃ الخواطر ۱۵۰) قاضی رکن الدین سامانی فقیہ (ص ۱۵۵) مولانا زین الدین بدایونی (ص ۱۶۰) مولانا سراج الدین ترمذی (ص ۱۶۱) مولانا سعد الدین دہلوی فقیہ (ص ۱۷۱) قاضی کمال الدین جعفری صاحب کتاب المغنی (ص ۱۷۱) مولانا شرف الدین والوالجی فقیہ (ص ۱۷۳) قاضی ظہیر الدین دہلوی فقیہ (ص ۱۸۱) شیخ مجد الدین بن خطیر الدین لاہوری صاحب تصانیف مشہورہ (ص ۲۰۲) شیخ ابو

۱؎ نزہۃ الخواطر ص ۱۲۰ ۲؎ ایضاً ص ۱۴۲ ۳؎ ایضاً ص ۱۲ ۴؎ ایضاً ص ۲۲

ابن احمد مہروانی متوفی ۶۵۵ھ ۱۲۵۷ء (۲۲۹۰) وغیرہ تھے جنھوں نے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی مسند درس بچھائی تھی، اور ان کے وجود سے علم کا عام فیض جاری تھا،

مشائخ: اس دور کو اکابر مشائخ میں سے حضرت خواجہ فریدالدین مسعود بن سلیمان اجودھنی معروف بہ گنج شکرؒ کے وجود گرامی سے شرف حاصل تھا، وہ حضرت خواجہ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کے اجل خلفاء میں سے تھے، ضلع ملتان کے قصبہ کھتوال میں پیدا ہوئے، یہیں نشو و نما پائی، اور ملتان میں تعلیم کی تکمیل فرمائی حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی سے فیض یاب ہوئے، یہیں حضرت بختیار کاکیؒ سے شرف نیاز حاصل ہوا، مزید تعلیم کی ہدایت پاکر قندھار، سیستان، بدخشاں اور بغدادؒ تشریف لے گئے، حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ سعدالدین حموی سے فیض حاصل کیا، واپسی کے بعد دہلی میں حضرت کاکیؒ کی خدمت میں اقامت اختیار فرمائی، اور مجاہدہ و ریاضت میں مصروف ہوئے، حضرت خواجہ اجمیریؒ نے فیض بخشا، اور حضرت کاکی نے دستار خلافت سر پر باندھی، پھر شیخ کے حکم کے مطابق ہانسی تشریف لے گئے، اور وہیں بارہ سال قیام فرمایا، جب خلائق کا ہجوم بڑھا، تو اجودھن چلے گئے اور اسی کو اپنا مستقر بنایا، خوارق عادات و کرامات کثرت سے منقول ہیں، دنیا اور اس کی دولت و ثروت سے بے نیاز رہے، سلطان علاءالدین محمود آپ کی خدمت میں بار یاب ہوا، بلبن کے توسط سے چند گاؤں کی معافی کا پروانہ دیا، حضرت نے قبول کرنے سے انکار فرمایا، بلبن جو آگے چل کر سلطان غیاث الدین ہوا اسکی بیٹی حضرت کے عقد نکاح میں تھی، اور سریر سلطنت پر بیٹھنے کے بعد بھی خانقاہ میں حاضری دیتا رہا، مگر حضرت کی شان استغنا میں کبھی فرق نہ آیا، ایک مرتبہ کسی شخص نے سفارش کے لئے مجبور کیا تو حضرت نے سلطان غیاث الدین کو حسب ذیل تحریر لکھ بھیجی،

"میں نے اس کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا، پھر تمھارے سامنے لایا ہوں اگر تم نے اس کو عطا کیا، تو عطا فرمانے والا وہی اللہ تعالیٰ ہوگا، اور تمھارا شکریہ ادا ہوگا، اور اگر تم نے اس کو کچھ نہیں دیا، تو روکنے والا وہی اللہ ہوگا، اور تم معذور سمجھے جاؤگے"

حضرت کے خلفاء میں حضرت نظام الدین محمد بدایونی ملقب بہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت علاء الدین علی صابر کلیری، حضرت جمال الدین خطیب ہانسوی، اور حضرت بدر الدین اسحٰق دہلوی تھے، حضرت نظام الدین اولیاء نے حضرت سے قرآن مجید کے ۶ پارے اور کتاب العوارف اور کتاب التمہید کی قرأت کی تھی، ان خلفاء میں سے حضرت نظام الدین نے حضرت گنج شکر کے ملفوظات راحۃ القلوب کے نام سے اور حضرت بدر الدین اسحٰق دہلوی نے سیر الاولیاء کے نام سے جمع کئے تھے، حضرت گنج شکر نے ۹۵ سال کی عمر میں ۶۶۴ھ / ۱۲۶۶ء میں وصال فرمایا،

شیخ ابو المؤید نظام الدین بن جمال الدین غزنوی بھی حضرت بختیار کاکیؒ کے مرید تھے، حضرت نظام الدین اولیاء ان کی مجلس وعظ میں شرکت کرتے، اور ان کے پر اثر مواعظ کے مداح تھے، ۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء میں وفات پائی،

شیخ جمال الدین احمد بن محمد ہانسوی متوفی ۶۵۹ھ / ۱۲۶۱ء حضرت گنج شکر کے ممتاز خلفاء میں تھے، حضرت شیخ فرماتے "الجمال جمالی" فارسی میں ایک دیوان یادگار چھوڑا،[۱]

حضرت خواجہ علاء الدین علی بن احمد صابر قدس سرہٗ حضرت گنج شکر کے محبوب خلیفہ تھے، ۵۹۲ھ / ۱۱۹۶ء میں بمقام گنجہ پیدا ہوئے، اور شیخ کی خدمت میں تعلیم و تربیت پائی، اور حضرت گنج شکر کے اجل خلفاء میں شمار کئے گئے، اور حضرت کے توسط سے چشتی سلسلہ کو پورے ملک

۱؎ نزہۃ الخواطر ص ۱۲۲

میں عام مقبولیت حاصل ہوئی، کہا جاتا ہے کہ ان پر کبھی شان جلالی کا غلبہ طاری ہوتا تھا، ابتداءً انھیں شیخ نے دہلی میں اقامت اختیار کرنے کا اجازت نامہ عطا کیا، لیکن ہدایت کی کہ پہلے جمال الدین کو اسے دکھا لینا، وہ ہانسی تشریف لائے، اجازت نامہ ان کے ہاتھ میں دیا اور تھوڑی دیر انتظار کرکے رخصت چاہی، شیخ جمال الدین نے کہا دہلی کیلئے بردبار صاحب ولایت چاہئے، تم ایک لمحہ کیلئے ٹھہر نہیں سکتے، انھوں نے کچھ شان استغنا سے جواب دیا، تو شیخ جمال الدین نے برہم ہو کر اجازت نامہ کو چاک کرکے پارہ پارہ کر دیا، انھوں نے جلال میں آکر کہا کہ اسی طرح آپ کا سلسلہ بھی پارہ پارہ ہو جائے گا، چنانچہ شیخ جمال الدین کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا، حضرت خواجہ علاء الدین ہانسی سے لوٹ کر حضرت گنج شکر کی خدمت میں واپس آئے، اور واقعہ سنایا، تو حضرت گنج شکر نے فرمایا جمال الدین نے جس کو ٹکڑے کر دیا ہو، میں اس کو جوڑ نہیں سکتا، اور دہلی کے بجائے کلیر جانے کی ہدایت کی، چنانچہ ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء میں کلیر تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار فرمائی، اور ان کے توسط سے سلسلہ چشتیہ کا عام فیض جاری ہوا، اور جب عام شہرہ ہوا تو خلائق اطراف ہند سے جوق در جوق آکر فیض اٹھانے لگی، ۶۹۰ھ/۱۲۹۲ء میں واصل بحق ہوئے، حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی حضرت کے ممتاز خلیفہ تھے[۱]

شیخ بدر الدین اسحاق بن علی بخاری دہلوی حضرت گنج شکر کے ارشد خلفا میں سے تھے، ان سے حضرت غایت الفت رکھتے تھے، اور اپنے قرب سے علیحدہ کرنا گوارا نہیں فرمایا، ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء میں اجودھن میں واصل بحق ہوئے[۲]

حضرت نظام الدین محمد بن احمد بدایونی معروف بہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین

---

[۱] نزہۃ الخواطر حصہ اول ص ۱۰۰، [۲] ایضاً

اولیاء قدس سرہٗ حضرت گنج شکر کے وہ دوسرے ممتاز خلیفہ ہیں جن کے توسط سے چشتی نظامی سلسلہ کی پورے ملک میں اشاعت ہوئی، حضرت محبوب الٰہی ۶۳۴ھ/۱۲۳۶ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے، پانچ سال کی عمر میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدۂ محترمہ کی آغوش میں تربیت پائی، شیخ علاء الدین اصولی سے فقہ، اصول، اور دوسرے دینی علوم کی تحصیل کی، ۱۵ سال کی عمر میں دہلی تشریف لائے، اور یہاں کے اساتذہ شمس الدین خوارزمی، کمال الدین مارکلی وغیرہ سے تحصیل علم کی تکمیل فرمائی، پھر ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء میں دہلی تشریف لائے، اور یہیں اقامت کی اجازت عطا کی گئی، اور رشد و ہدایت کا فیض جاری ہو گیا، یہ ملوک سلاطین کا آخری دور تھا، حضرت کا قیام غیاث پور میں تھا، معز الدین کیقباد نے اس کے قریب کیلوکھری میں شاہی محل تعمیر کرایا، دربار کے قریب ہونے کی وجہ سے امراء و اکابر کی آمد و رفت یہاں شروع ہوئی، اس اثناء میں خلجی سلطنت کا آغاز ہوا، اور حضرت کے فیوض و برکات کا یہ سلسلہ اس دور میں جاری رہا، سلاطین و امراء نے سر نیاز خم کیا اور اپنی طرف حضرت کی نگاہ کرم منعطف کرانے کو ابدی سعادت تصور کیا، حضرت کی تصنیفات میں فوائد الفواد، افضل الفوائد، اور راحۃ المحبین ہیں، ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں واصل بحق ہوئے،[۱]

حضرت شیخ صدر الدین عارف حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے اور جانشین تھے، سلطان غیاث الدین کے بیٹے شاہزادہ محمد کو ان سے عقیدت تھی، ان کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا، ۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء میں وفات پائی،

شیخ ابو علی شرف الدین قلندر اس عہد کے ممتاز علماء و مشائخ میں سے تھے، ۶۰۵ھ/۱۲۰۸ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے، اکابر علماء سے علوم کی تحصیل کی، عالم اسلامی کی سیاحت فرما کر صلحائے امت کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوئے، حضرت شمس الدین تبریزی اور

---

[۱] نزہۃ الخواطر حصہ دوم ص ۱۲۲، طبع ۱۳۵۰ھ،

جلال الدین رومی سے خرقہ حاصل کیا، تیس سال تک درس و افادہ کی خدمت انجام دی، پھر سکر و مستی کا عالم طاری ہوا، اور آخر عمر تک باقی رہا، ان کی تصنیفات میں حکمت نامہ اور چند دیگر رسائل تصوف میں ہیں، ۶۷۲ھ/۱۲۷۴ء میں واصل بحق ہوئے[1]،

شیخ ایوب ترکی ناصر الدین بہرام شاہ کے زمانہ میں با اقتدار مشائخ میں تھے، مارہرہ ان کا مرکز تھا، سلطان کو ان سے عقیدت تھی، دہلی آیا جایا کرتے تھے، اور مختلف امور میں بہرام شاہ سے اپنی مرضی کے احکام صادر کراتے تھے[2]،

شیخ ابوبکر طوسی بلبن کے عہد کے ممتاز مشائخ میں سے تھے، بلبن نے ان کے لئے ایک بڑی خانقاہ تعمیر کرائی تھی جس میں لنگر جاری تھا، شیخ جمال الدین ہانسوی ان کے فضل کے معترف تھے، اور ان کی مجلس میں تشریف لایا کرتے تھے[3]،

شیخ حسام الدین ملتانی حضرت صدر الدین محمد بن زکریا ملتانی کے مریدین میں سے تھے، ۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء میں وفات پائی[4]،

حضرت خواجہ محمد بن حسن اجمیری حضرت خواجہ اجمیری کے خلف صدق تھے، اجمیر میں پیدا ہوئے، اور وہیں حضرت خواجہ کے دامن تربیت میں فیض اٹھایا، اور ان کے بعد مشیخت و ارشاد کے منصب پر سرفراز ہوئے، ۶۵۳ھ/۱۲۵۵ء میں وفات پائی[5]،

شیخ نجیب الدین بن عماد الدین فردوسی دہلوی، شیخ رکن الدین فردوسی کے مرید تھے، حضرت مخدوم شیخ احمد بن یحییٰ منیری ان کے مرید و خلیفہ تھے، ۶۹۱ھ/۱۲۹۲ء میں دہلی میں واصل بحق ہوئے[6]،

۱؎ نزہۃ الخواطر ص ۵ ۲؎ ایضاً ص ۱۲۰ ۳؎ ایضاً ص ۱۲۳ ۴؎ ایضاً ص ۱۴۲ ۵؎ ایضاً ص ۱۴۰
۶؎ ایضاً ص ۱۳۳،

شیخ بابا رجب گجراتی حضرت سید احمد کبیر رفاعی کے مرید تھے، ۶۱۷ھ میں گجرات میں آئے، نہروالہ میں قیام تھا، ایک خلق کثیر ان کے ہاتھ پر اسلام لائی، ۶۷۰ھ / ۱۲۷۱ء میں وفات پائی،[۱]

شیخ عثمان بن حسن مروندی معروف بہ لعل شہباز ۶۶۲ھ / ۱۲۶۴ء میں ملتان پہنچے، سلطان غیاث الدین کے بیٹے شاہزادہ محمد نے ان کے لئے ایک عظیم خانقاہ تعمیر کرائی، اور یہ رشد وہدایت میں مصروف ہوئے، ۶۷۳ھ / ۱۲۷۴ء میں سیوستان میں مدفون ہوئے،[۲]

شیخ فخر الدین میرٹھی حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مرید وخلیفہ تھے، رتبۂ مشیخت تک سرفراز ہوئے، کہا جاتا ہے کہ وہ سکندر یونانی کی نسل سے تھے،[۳]

شیخ نجیب الدین بن سلمان متوکل حضرت گنج شکر کے خلفا میں سے تھے، ۶۶۹ھ / ۱۲۷۰ء میں دہلی میں وفات پائی،[۴]

شیخ حسین بن علی بخاری حضرت زکریا ملتانی کے مرید تھے، اور بھکر میں مستقل سکونت رکھتے تھے، ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء میں وفات پائی،[۵]

مولانا شیخ شرف الدین عراقی جو حضرت شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے، ۶۸۶ھ / ۱۲۸۸ء میں وفات پائی،[۶]

اسی طرح اس دور کے ممتاز صوفیہ و مشائخ میں شیخ عبد الرشید کیتھلی متوفی ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء (نزہۃ الخواطر ۱۷۱) شیخ خواجہ عزیز کرکی بدایونی فقیہ وصوفی متوفی ۶۶۶ھ / ۱۲۶۷ء (۱۷۸) سید محمد ابن شجاع مکی متوفی ۶۴۶ھ / ۱۲۴۸ء (۲۱۰) شیخ بدر الدین محمد بن محمد سندھی متوفی ۶۸۰ھ / ۱۲۸۱ء بہ بھکر (۲۲۴) سید صدر الدین محمد بن محمد بھکری متوفی ۶۶۹ھ / ۱۲۷۰ء (۲۲۶) شیخ نور الدین لاری متوفی ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء (۲۳۸) وغیرہ کے وجود گرامی سے رشد وہدایت کا عام فیض جاری تھا،

۱؎ نزہۃ الخواطر ص ۱۵۴ ۲؎ ۱۸۰، ۳؎ ص ۱۹۵ ۴؎ ص ۲۳۳ ۵؎ ص ۱۴۴ ۶؎ ۱۴۰،

مملوک سلاطین کا دورِ حکومت

مملوک سلاطین کے خاتمہ پر دہلی سلطنت کے ان سلاطین کے سلسلہ کا خاتمہ ہوا، جن کا آغاز سلطان شہاب الدین غوری سے ہوا تھا کہ اسی کے غلام در غلام تاجدار بن کر تخت نشین ہوتے گئے، اس کے ساتھ سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے ہاتھوں سے ہندوستان کو زیرِ نگیں کرنے کی جو مہم شروع ہوئی تھی، وہ بھی اسی دور میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی،

ہندوستان پر مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کے محرکات

غزنوی اور غوری کشور کشاؤں کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے محرکات کیا تھے، ہمیں اس پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہئے، عام طریقہ سے محمود کی بت شکنی کے جذبہ کو شہرت دی گئی ہے، مگر یہ تمام تر یورپ کے مورخین کے ذہن کی پیداوار ہے، ان نو مسلم ترکوں میں اس قسم کے کسی جذبہ کے بجائے دراصل اس زمانہ کی سماجی زندگی کے وہ مطالبے تھے، جو بلندی اور نام آوری حاصل کرنے کے لئے فوجی طاقتیں مہیا کر کے سپہ سالار ایک ملک سے دوسرے ملک میں جایا کرتے تھے، ہندوستان کی دولت کی شہرت عام تھی، اس میں بھی ایک خاص قسم کی کشش موجود تھی، ان قبائل میں اپنی نوآبادیاں قائم کرنے کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا، وہ اپنے بڑے بڑے جرگوں کے ساتھ نکل جاتے، اور جہاں سرسبزی نظر آتی وہاں ڈیرے ڈال دیتے تھے، محمود نے ہندوستان کو خاص طور پر رہنے کیلئے پسند کیا تھا، لیکن وہ یہاں اقامت اختیار نہ کر سکا،

مسلمانوں کو ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں عمومی آزادی

سلاطین دہلی کے زمانہ میں جن حکمرانوں کے ہاتھوں میں تلوار تھی، انھیں اس پر اتنا بھروسہ تھا کہ انھوں نے ہندوستان کے پرانے رہنے والوں کو مسلمان کرنے کا کبھی قصد نہیں کیا، یہاں انھوں نے قانون اسلام جاری کرنے کی ضرورت کبھی

محسوس نہیں کی، نامسلمانوں کو عام اجازت تھی کہ وہ ہتھیار بند رہیں، اور اپنی مرضی کے مطابق جنگ کے تیار کریں، ان کی سماجی، معاشرتی و اہلی زندگی سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جاتا تھا، انھیں ہر قسم کی پوری آزادی حاصل تھی، انھیں اپنی اقتصادی و معاشی ترقی حاصل کرنے کے پورے مواقع دیئے گئے تھے، اور اسی زمانہ میں وہ حکومت کے شعبوں سے بھی کہیں کہیں وابستہ ہونے لگے تھے،

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی حیثیت

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اگر ہندوستان پر حملہ آوری میں کوئی دینی جذبہ کارفرما ہوتا تو وہ یہاں کی سلطنت کی بنیاد اسلامی اصول و شرائع پر قائم کرتے، اگرچہ بعض مورخین نے اس سلطنت کو خالص "اسلامی سلطنت" لکھا ہے جس کی بنیاد مذہبی احکام پر قائم تھی، لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ عملی طور پر در اصل یہ اسلامی سلطنت نہ تھی، اور برنی جیسے مورخ کو بھی اپنی تصنیف "فتاویٰ جہانداری" میں یہ اقرار کرنا پڑا ہے کہ یہاں بادشاہی کا نظام خالص "دنیاداری" پر قائم تھا، جو "دینداری" کے قطعی خلاف تھا، جس کا قیام غیر اسلامی طور و طریق اور طرز حکومت کو اختیار کئے بغیر ممکن نہ تھا سلطان اگرچہ خود اسلامی عقیدہ کا قائل اور شرائع کا پابند تھا، لیکن اس کی سلطنت کا نظام شرائع کے بموجب قائم ہونے کے بجائے خالص تسلط اور فوجی طاقت پر قائم تھا، اس نظام میں شرائع کو بھی وہی حیثیت حاصل تھی، جو دوسرے قوانین کو تھی، اس لئے در اصل یہاں مسلمانوں نے جس سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی، وہ مذہبی حکومت کے بجائے غیر مذہبی اور غیر جانبدار سلطنت (سیکولر اسٹیٹ) تھی، پروفیسر حبیب اللہ نے یہ صحیح لکھا ہے کہ

> مورخین کے بیانات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سلطنت خالص اسلامی ریاست تھی جو اپنی پالیسی کو شریعت کے مطابق بنانے کی کوشش کرتی رہی لیکن جیسا کہ گزشتہ ابواب سے معلوم ہوا ہوگا

عملاً ایسی نہ تھی، بادشاہت کے غیر اسلامی طرز کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں، برنی نے اس کا اعتراف کیا ہے، کہ دنیا داری جس کا منتہائے کمال بادشاہت ہے، وہ دینداری کے خلاف ہے، برنی نے یہ بتایا ہے کہ بادشاہت کے مشرکانہ طریقے اسلام میں جاری رہے اور اسی کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ بغیر غیر اسلامی طریقہ کے بادشاہت ممکن نہیں، بعض خوش عقیدہ مذہبی گروہ اپنے کو یہ تسلی دے سکتا ہے کہ سلطان صرف مذہب کی اشاعت اور شریعت کی بقا ہی کیلئے ہوتا ہے، لیکن بغیر کسی شک وشبہہ کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اعمال میں جو چیزیں فیصلہ کن ہوتی تھیں وہ قوت اور ضرورت کا قانون تھیں، برنی نے بادشاہت کی اصلیت اور نوعیت کی تفصیل بتائی ہے، وہ کہتا ہے، کہ بادشاہت کے معنی استیلا کے ہیں، چاہے وہ قانونی طریقہ سے ہو یا قوت سے ہو، اور شریعت کی عملی طور پر اس سے زیادہ توقیر نہ تھی جیسے دوسرے قوانین کی، برنی کو یہ اعتراف ہے کہ مسلمانوں کو جو سزائیں دی جاتی تھیں وہ قرآن پاک کے خلاف تھیں، لیکن ان کو روا رکھا جاتا تھا، اسی طرح قانون وراثت اور حلال وحرام کا امتیاز اور دوسری معروف امتناعی پابندیوں کو توڑ دیا جاتا تھا، مذہبی طبقہ اس کے خلاف احتجاج ضرور کرتا تھا، سود کے متعلق جو شرعی پابندیاں تھیں ان کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا تھا، امیر خسرو نے واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک تنکہ پر ایک جیتل سود ماہوار لیا جاتا تھا، اور فریقین میں جب تحریری معاہدہ ہو جاتا تھا تو اس کو قانونی درجہ حاصل ہو جاتا تھا، اور قاضی کو اس کو عمل میں لانا پڑتا تھا، وہ جو چار شرائط برنی نے بادشاہوں کو عمل کرنے کیلئے لکھے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی ضابطہ کو جاری کرے، تو ان میں سے اگر کوئی شریعت کے خلاف ہو تو وہ

واپس نہ لئے جائیں، بلکہ جب تک ضرورت ہو اس کو قائم رکھا جا سکتا ہے[۵]"

ہندوستان میں مسلمانوں کی اسی غیر مذہبی سلطنت کی تاسیس عمل میں آئی، اور بیشتر مسلمان سلاطین نے اپنے بیشتر زمانوں میں اپنے کو غیر مذہبی حکمراں تصور کیا، انھوں نے اپنی ذات اور مسلمانوں کیلئے دین کی عام پابندی کو لازم کر رکھا تھا، مگر مسلمانوں کے ساتھ اپنے سیاسی برتاؤ میں اس کا لحاظ نہیں رکھا تھا، اس طرح وہ دینداری اور دنیاداری دونوں کو دونوں پلڑوں پر رکھ کر نظم حکومت سنبھالے ہوئے تھے اور ان میں سے جو سلاطین دینداری کی طرف مائل ہوتے ان کا پلڑہ کسی قدر جھک جاتا، اور جو خالص دنیاداری کے رخ کو سامنے رکھتے تو وہ اس سمت کو جھک جاتے تھے، یہی طرز مملوک سلاطین ہند سے لے کر تیموری سلطنت کے چراغ کے بجھنے تک قائم رہا، تیموری دور میں دینداری و دنیاداری کے دونوں سروں کو دو حکمرانوں عالمگیرؒ اور اکبر نے اپنے اپنے دوروں میں اپنے کردار سے زیادہ نمایاں کر دیا تھا، اور اسی لئے ان دونوں کی بادشاہی کا طرز ایک دوسرے کے بالکل برعکس تھا، بایں ہمہ پورے اسلامی دور میں کسی ایک حکمراں کا بھی زمانہ ایسا مشکل سے مل سکتا ہے جس کو ہم خالص اسلامی حکومت سے تعبیر کر سکتے ہوں اور جس میں ہم عہد صدیقی و فاروقی کی مثالیں دیکھ سکتے ہوں، بلکہ یہاں اسلامی حکومت کے بجائے مسلمان بادشاہوں کی حکومت قائم تھی، جس میں جب حکمرانوں اور محکوموں میں ارتباط بڑھا تو دونوں کو یکساں حیثیت کے شہری حقوق حاصل ہو گئے اور حکومت کا کوئی عہدہ یا منصب محض نامسلمان ہونے کے سبب سے کسی کے لئے بند نہیں رہ گیا،

ہندوستان کی حفاظت مملوک سلاطین اپنے دور حکمرانی میں مغربی سرحد کی حفاظت کی

---

۵ فونڈیشن آف مسلم رول ان انڈیا ص ۲۱۵،

اہم خدمت انجام دیتے رہے، اس دور میں وسط ایشیا میں پے در پے انقلابات آئے، اور انکی لہریں دریائے سندھ تک بھی پہنچیں مگر ان سلاطین نے ان کی موجوں کو بکھیر دیا، اور پنجاب تک کے علاقہ کو مضبوطی سے زیر نگیں رکھا، ان کا یہ کارنامہ مغل سلاطین کے کارناموں سے بڑھا ہوا تھا، اس لئے کہ مغلوں کے تسلط میں افغانستان اور قندھار کا علاقہ بھی تھا، اور انھیں آگے بڑھ کر ہندوستان کی سرحد کی حفاظت کا موقع حاصل تھا،

حکومت کا ڈھانچہ | اس لئے ان سلاطین دہلی کی مرکزی حکومت پر ملکی حفاظت و مدافعت کا عظیم بار تھا، اور اسی لحاظ سے ان کے غیر معمولی مصارف بھی تھے، اور مرکزی حکومت سب سے زیادہ فوجی اخراجات ہی پر صرف کرتی تھی،

اس دور وسطیٰ میں مسلمان سلاطین کی سلطانی کا استناد خلفاء کی منظوری سے حاصل ہوتا تھا ہندوستان کے یہ سلاطین بھی خلفاء سے اپنا رسمی رشتہ قائم رکھتے تھے، اور رسماً خلیفۃ المسلمین کو سب پر تفوق حاصل تھا، اور یہ سلاطین گویا اس کی طرف سے نیابۃً حکومت کرتے تھے اسلئے خطبہ میں خلفائے اسلام کے ساتھ ان کے نام بھی لئے جاتے تھے،

حکومت کے شعبے | سلطان کے بعد قدرۃً وزراء کو اہمیت حاصل تھی جنھیں نظام الملک، مؤید الملک، صدر الملک، عین الملک وغیرہ کے خطابات دیئے جاتے تھے لیکن یہ وزراء صرف کشوری امور کے مالک تھے، شعبۂ عسکری، شعبۂ مال، دیوان انشاء، معاملات خارجہ، اطلاعات، وزارت انصاف کے شعبے علٰحدہ قائم تھے، ان کے علاوہ امیر حاجب، وکیل دار، سار جاندار اور کبھی نائب مملکت کے عہدہ دار مقرر ہوئے، پھر آخر میں نیابت کے عہدے مستقل کر دیئے گئے، جس میں نائب وزیر، نائب وکیل وغیرہ عہدہ دار تھے،

فوج | فوج کی کئی قسمیں تھیں، ایک تو شاہی فوج تھی، جو ملک اور خصوصاً سرحد کی حفاظت

پر مامور رہتی تھی، دوسرے صوبائی فوجیں صوبہ داروں کے ماتحت تھیں، کبھی ضرورت کے وقت نئی بھرتی ہوتی تھی، فوج کے افسروں کو تنخواہیں نہیں دی جاتی تھیں، جاگیریں سپرد تھیں، البتہ قائم فوج کے سپاہیوں کی تنخواہیں، جو مواجب کہلاتی تھیں مقرر تھیں،

آئین وعدالت | قانون شریعت بنیادی آئین سمجھا جاتا تھا، مگر ضرورت کے مطابق اسکے خلاف عمل ہوا کرتا تھا، ہندوؤں کے لئے ہندو کوڈ کے مطابق قانون نافذ تھے خصوصاً پرسنل میں انھیں کامل آزادی حاصل تھی، صدر جہاں کا عہدہ ہندوستان کی مرکزی عدالت کے چیف جسٹس کے لئے تھا، امراء و وزراء سے رتبہ و احترام میں اس منصب کا درجہ اونچا تھا، چنانچہ مورخین نے فہرست میں شاہزادوں کے بعد ان کے نام لکھے ہیں، وہ صدر جہاں کے علاوہ قاضی قضاۃ، قاضی ممالک یا شیخ الاسلام بھی کہے جاتے تھے، عدالتی نظام و انصرام و تقرر کے سارے اختیارات اسی کو حاصل تھے[1]،

پھر اس کے ماتحت عہدہ دار تھے، دیوانی کے مقدمات قاضی اور فوجداری کے مقدمات امیر داد سماعت کرتے تھے، کوتوال اور محتسب پولیس کا کام کرتے تھے،

زکوٰۃ کا نظم بھی قائم تھا، اور دوسرے محاصل بھی لئے جاتے تھے، مسی، نقرئی اور طلائی سکے کئی قسم کے جاری تھے، "ہندوستان کے عہد اسلامی میں زکوٰۃ کا نظام" کے عنوان سے اس مجموعہ میں ایک مستقل تحریر علحدہ مندرج ہے،

ڈاک کا نظم | ڈاک کے نظم کا بڑا عہدہ دار "بریدِ ممالک" کہا جاتا تھا، اس کا صدر دفتر پایہ تخت میں تھا، اس کے ماتحت راستوں کا معقول نظم قائم رہتا تھا،

صوبوں کا نظم | صوبوں کا نظم اس طرح قائم تھا کہ صوبہ دار اپنے حدود کے کامل ذمہ دار ہوتے

---

[1] طبقات ص ۱۲۵، ۱۰۰، برنی ص ۲۴، ۱۲۶

تھے، کبھی نائب والی بھی مقرر ہوتے تھے، صوبوں میں بھی چھوٹے پیمانہ پر حکومت کے وہ سب شعبے موجود تھے، جو مرکز میں قائم تھے، اس زمانہ میں صوبوں کے لئے اقطاع کی اصطلاح قائم تھی، صاحب اقطاع کو عدالتی نظام میں دخل دینے کا اختیار حاصل تھا، صوبہ دار شحنہ و کوتوال کی مدد سے نظم و امن قائم رکھتا تھا، اور مرکزی حکومت کی طرف سے خطبۂ و سکۂ جاری رہتا تھا، کبھی باجگذار صوبے اپنا سکہ علحدہ بھی جاری کرتے تھے،

سلاطین کا طرز بود و ماند | مورخین نے ملوک سلاطین کے شاہانہ طرز بود و ماند کی نہایت دلکش تصویر کھینچی ہے، سلطان کے گرد صدہا نقیب و چاؤش، پیادہ و سرہنگ، امرار و فوجی سردار جمع رہتے تھے، اور ایسا دبدبہ چھایا رہتا تھا کہ کبھی بڑی بڑی سلطنتوں کے امرار و سفرار "خاکبوسی" یعنی سلام کے وقت شدت تاثر سے لڑکھڑا کر گر جاتے اور بے ہوش ہو جاتے تھے، اس طریقہ سے رعب و دبدبہ قائم کرکے فتنہ انگیزی کو روکنا مقصود تھا، حالانکہ خود پرستی و عظمت نمائی کے یہ طریقے اسلام اور اس کی تعلیمات کے منافی تھے، لیکن بلبن خود کہتا ہے کہ ان کو جائز اس لئے رکھا گیا کہ قیام امن و عدل میں ان سے مدد ملتی ہے[1]، مظلوموں کی دادرسی ان سلاطین کا خاص شیوہ رہا، نیز وہ امور دین میں دینداری کو راہ دینے کا جذبہ بھی رکھتے تھے، لیکن انھوں نے اپنی حکومت کو اسلام کی اشاعت کا ذریعہ نہیں بنایا،

اسلام کی اشاعت | اس دور میں اسلام کی اشاعت ضرور ہوئی، مگر وہ حکومت کے بل پر ہونے کے بجائے مسلمانوں کے ہندوستان کی منتشر آبادیوں میں گھل مل کر رہ بس جانے سے ہوئی، ہندوؤں میں "مورتی پوجا" پر عقیدہ کمزور ہوتا گیا، توحید اور مساوات انسانی کے جذبات کی ان میں پرورش ہوئی، ہندوؤں کے مختلف فرقوں نے بعض اس زمانہ میں اور بعض آگے چل کر توحید کی تعلیمات کو اصول کے طور پر مانا، اور ویش، شودر، کھتری اور برہمن کی

---

[1] برنی ص ۳۱، ۳۳، ۳۲

تفرقوں کو مٹایا، صوفیۂ کرام شمالی ہند کے گوشہ گوشہ میں پہنچ چکے تھے، اور اسلامی تصوف کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کو فروغ ہوتا جاتا تھا، خصوصاً خانوادۂ چشتیہ نے وہ خدمات انجام دیئے جو سلاطین دہلی سے انجام نہ پا سکے، کلاہ تتری رکھنے والے درویش صفت امیر اور خواجہ حسن نے سلطان نظام الدین اولیاء کی چوکھٹ چومی،

اس دور میں علماے دین بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے اور خدمتیں انجام دیتے تھے، مسجدیں اور مدرسے ان کی سیادت میں معمور تھے،

علوم کی ترقی جیسا کہ اوپر گذرا، ملوک سلاطین نے علوم کی ترقی میں غیر معمولی دلچسپی لی، ضیاء الدین برنی نے ہر ایک سلطان کے عہد حکومت کے بیان میں شعراء، علماء، فضلاء، فقہا، محدثین وغیرہ کی طویل فہرست درج کی ہے، تذکرہ کی کتابوں میں مختلف مدارس کا حال ملتا ہے، اس دور میں جو علمی و تعلیمی ترقیاں ہوئیں ان کا ذکر اجمالاً اوپر گذرا، اور تعلیمی ترقیوں کا تفصیلی بیان اس مجموعہ کے دو مستقل مقالوں میں علحدہ آیا ہے،

ایک نئے کلچر کی تخلیق اور انسانی آبادی کے طبقات ہندوستان کے شمالی حصہ میں اس دور میں ایرانیوں، افغانیوں اور ترکوں نے عربوں کے تمدن سے آمیزش کے بعد مسلمانوں کی سوسائٹی میں یہاں ایک طبقۂ اعلیٰ قائم کر لیا تھا، اور پھر ہندوؤں میں سے ایک بڑا طبقہ اسلام میں داخل ہو، اور جیسا کہ گذرا وہ ترقی کر کے نیابت مملکت کے منصب تک پہنچا، اس طرح شمالی ہند میں ایک ایسے کلچر کی بنا پڑی جس میں عرب تمدن آمیز ایرانی، افغانی، ترکی کلچر میں ہندی کلچر کی آمیزش ہوئی، اور ایک نئے کلچر کی تشکیل عمل میں آئی، دوسری طرف سندھ میں عربوں کے غالب اثرات سے ہندی کلچر کی آمیزش سے ایک جداگانہ کلچر کی تشکیل ہو رہی تھی، اس طرح شمالی ہند کے نئے کلچر میں ایرانی اور سندھ کے نئے کلچر میں عربی اثرات نمایاں تھے، ملوک سلاطین کے دور میں

شمالی ہند اور سندھ و ملتان کے ان دونوں کلچروں کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملا، اور ایک نیا ہندوستانی کلچر عالم وجود میں آیا، اور سوسائٹی میں طبقۂ اعلیٰ کے وہ مسلمان جو مختلف نسلوں کے تھے، اس کلچر کے روح رواں رہے، اس سوسائٹی میں اہل سیف اور اہل قلم کی دو قسمیں تھیں، اہل سیف میں ارباب حکومت اور اہل قلم میں ارباب علم داخل تھے، عدالت و قضا کا نظم مؤخر الذکر طبقہ ہی کے قبضہ میں تھا، تیسرا گروہ "عوام" اور "خلق" کا تھا، تجار کا طبقہ ان ہی میں سے تھا، جن میں ملک التجار بھی ہوتے تھے، اور امتیازی شان حاصل کرتے تھے، عوام کا بڑا طبقہ کاشتکاری اور کارخانوں میں کام کرتا تھا، مذہبی حیثیت سے ملک میں سنی، شیعہ، صوفیہ اور نامسلمانوں کا طبقہ تھا، شیعوں میں کا غالی طبقہ موسوم بہ ملاحدہ یا قرامطہ تھا، اسی طرح سنیوں میں حنفی و شافعی دونوں تھے،

تجارتی ترقی | اس عہد میں ہندوستان کے تجارتی تعلقات ایران وغیرہ سے قائم تھے، حالانکہ مملوک سلاطین کے قبضہ میں کوئی بندرگاہ نہ تھی، ملکی تجارت بھی فروغ پر تھی، مختلف قسم کے کارخانے قائم تھے، جن میں سامان تیار ہوتا تھا، زرعی ترقی اس ملک کی جان تھی، حکومت امن و امان قائم رکھ کر اور کسانوں کو آسانیاں بہم پہنچا کر زراعت کو ترقی دیتی، اندرون ملک میں راستوں کا معقول نظم قائم تھا، تجارتی راستے زیادہ تر دریائی تھے، بحری اور بری راستوں اور ان کے وسیلوں کا نظم قائم رکھا جاتا تھا، جس سے ملک میں غیر معمولی تجارتی و صنعتی ترقیاں عمل میں آئیں،

ہندوستان کی مرکزیت عالم اسلامی میں | ہندوستان کی تجارتی و صنعتی ترقیوں اور فارغ البالیوں کا شہرہ، سبب ہوا کہ وسط ایشیا و دوسرے اسلامی ملکوں سے لوگ نقل وطن کر کے آنے لگے اور مختلف صناع، دستکار اور اہل حرفہ اس ملک میں آباد ہو گئے، اس تمدن کا سب سے اہم مرکز خود پایۂ تخت دہلی تھا، چنانچہ اس دور کے خاتمہ کے چند سال بعد جب ۱۳۳۳ء میں مشہور سیاح ابن بطوطہ ہندوستان آیا، تو اس کو اعتراف کرنا پڑا کہ

"دہلی کو نہ صرف بلاد ہند بلکہ تمام مشرقی دنیائے اسلام کے شہروں پر تفوق حاصل ہے"

السّامری

از

مولانا ابوالجلال صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

جس شخص کے بہکانے سے بنی اسرائیل نے گوسالہ کی پرستش کی تھی، اس کا ذکر قرآن میں خدا نے السامری کے لقب سے کیا ہے، اس قصہ میں بائبل کا بیان قرآن سے مختلف ہے، مسلمان ایسی صورتوں میں بائبل کو اور اہل کتاب قرآن کو مسترد کردیا کرتے ہیں، اہل انصاف کا فرض ہے کہ قرآن کے بیان کا بائبل کے بیان سے مقابلہ کرتے وقت قرآن کے اس دعویٰ کا بھی لحاظ رکھا کریں کہ

ان هذا القران يقص على بني اسرائيل	یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں
اكثر الذي هو فيه يختلفون	سناتا ہے جن کے متعلق وہ باہم
(نمل)	مختلف ہوتے ہیں،

قرآن کریم بائبل کے بیانوں کی اصلاح کے ساتھ تصدیق کیا کرتا ہے، اصلاح و تصدیق کی خوبیاں سمجھنے کیلئے ہم کو اس موقع پر قرآن سے پہلے بائبل پر نظر ڈالنی چاہئے،

سفر ثنیہ | یہ قصہ بائبل کے جن صحیفوں میں مذکور ہے، ان میں سب سے قدیم سفر ثنیہ ہے، ۶۲۵ ق م میں جب یوشیاہ بنی یہوداہ پر حکومت کرتا تھا بیت المقدس کے سردار کاہن خلقیاہ نے "خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب پائی،" (۲ ملوک ۲۲: ۸) جو کہ خود حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی (۲ ایام ۳۴: ۱۴) یہ وہی کتاب تھی جو حضرت موسیٰؑ نے اپنے

ہاتھ سے لکھ کر عہد کے صندوق میں رکھوائی تھی، (تثنیہ ۳۱: ۲۶) ۶۲۵ ق م اس کے توراۃ ہونے پر اجماع ہوا، آخری فصلوں کے اضافہ کے ساتھ یہی کتاب وہ ہے جسے موسیٰ کی پانچویں کتاب کہا جاتا ہے، یہ کتاب حضرت موسیٰؑ کا وصیت نامہ ہے اس کے اندر حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں:۔

یاد رکھنا بھول نہ جانا کہ تم نے خداوند اپنے خدا کو بیابان میں کیونکر غصہ دلایا تھا (۹: ۷) تم نے خداوند اپنے خدا کا گناہ کیا تھا، اپنے لئے ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا تھا، اور بہت جلد اس راہ سے پلٹ گئے تھے جو خدا نے تمھیں بتائی تھی (۹: ۱۶) وہ تم پر بہت خفا تھا، تم کو نابود کر دینا چاہتا تھا لیکن خداوند نے اس وقت میری سنی (۹: ۱۹) اور خداوند کا غصہ ہارون پر بھی بھڑکا اور اسے ہلاک کرنے پر تھا، لیکن میں نے اس وقت ہارون کے لئے بھی دعا مانگی (۹: ۲۰) اور میں نے تمھارے گناہ کو یعنی اس بچھڑے کو جو تم نے بنایا تھا لیا اور آگ میں جلایا اور اسے کوٹا اور پیس پیس کر ایسا کہ وہ غبار ہو گیا، اور میں نے اس راکھ کو اس چشمے میں جو پہاڑ سے نکلا تھا ڈال دیا، (۹: ۲۱)

سفر اعمال | سفر تثنیہ کے اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ عام بنو اسرائیل نے بچھڑا پوجا تھا، اور دوسری یہ کہ حضرت ہارونؑ سے بھی ان ہی دنوں کسی بات پر خدا ناراض ہوا تھا، اس کتاب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت ہارونؑ کا قصور کیا تھا، سفر اعمال میں ہے حضرت استفنس شہید پر ایک بار یہود نے حضرت موسیٰؑ اور خدا کے خلاف کفر بکنے کا الزام لگایا، عدالت میں اپنے عقائد کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے قدیم تاریخ کے کچھ واقعات بھی سنائے جن کے درمیان فرمایا،

"ابھی موسیٰ کو جس سے انھوں نے یہ کہکر انکار کیا تھا کہ تجھے کس نے ہمارا حاکم اور قاضی بنایا ہے، خدا نے اس فرشتہ کی معرفت جو اسے جھاڑی میں نظر آیا تھا مبعوث فرمایا تاکہ وہ حاکم اور چھٹکارا دینے والا ہو، یہ انھیں نکال لایا، اور ملک مصر میں، لال سمندر میں اور ۴۰ برسوں تک بیابان میں معجزے اور نشانیاں دکھاتا رہا (۷: ۳۵ و ۳۶) مگر ہمارے باپ دادوں نے اس کا تابعدار ہونا نہیں چاہا اور ان کے دل مصر کی طرف مائل ہوئے، اور انھوں نے ہارون سے کہا کہ ہمارے لئے ایسے معبود بنا جو ہمارے آگے آگے چلیں، کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس موسیٰ کو کیا ہوگیا ہے جو ہم کو مصر سے نکال لایا ہے، اور انھوں نے انہی دنوں ایک بچھڑا بنایا اور اس بت کو قربانی چڑھائی، اور اپنے ہاتھ کے کاموں پر خوشی منائی، (۷: ۳۹ تا ۴۱)

سفر خروج | سفر تثنیہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ہارونؑ سے خدا ناراض تھا، سفر اعمال سے یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل نے بچھڑا بنا دینے کی حضرت ہارونؑ سے فرمایش کی تھی، ان دونوں باتوں کو ملا کر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ حضرت ہارونؑ نے ان کی فرمایش پوری کر دی تھی، لیکن حضرت ستفنس شہید کا یہ قول کہ انھوں نے انہی دنوں ایک بچھڑا بنا، حضرت ہارونؑ کو بچھڑا بنا دینے کا مجرم قرار نہیں دیتا، حضرت ستفنس کے بیان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت ہارونؑ نے ان کی درخواست کا کیا جواب دیا تھا، سفر خروج کی موجودہ صورت بیان کے متعلق حضرت ہارونؑ نے ان کی درخواست پوری کر دی تھی، لیکن غور اور تحقیق کے ساتھ سفر خروج کو پڑھنے کے بعد ہم قطعی طور پر اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ بچھڑا بنا دینے کا جرم حضرت ہارونؑ پر لگانے کی ذمہ داری سفر خروج

کے مولف نے یہ الزام حضرت ہارونؑ پر نہیں بلکہ ایک اور شخص پر لگایا تھا جس کا نام حور ہے،

سفر خروج ان پانچ کتابوں میں سے ایک ہے جن کو موسیٰ کی کتابیں کہا جاتا ہے، لیکن محققین نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب تین مختلف تحریروں کا مخلوط مجموعہ ہے، غالباً یہ کتاب ۴۰۰ ق م میں یا اس کے بعد تالیف کی گئی مگر اس میں قدیم تحریریں بھی ہیں،

سفر خروج کے سترھویں باب میں جو ایک قدیم کتاب سفر زکرون سے منقول ہے، فیدیم نام ایک مقام میں عمالقہ و بنی اسرائیل کی جنگ کا ذکر ملتا ہے، اس موقعہ پر ہم کو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ان کے چپ و راست حضرت ہارونؑ اور ایک شخص حور ملتے ہیں، پھر آگے چل کر چوبیسویں باب میں ہم کو حضرت موسیٰؑ کے طور پر جانے کا قصہ ملتا ہے، طور پر جاتے وقت حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ ہماری واپسی تک یہیں ہمارا انتظار کرو،

وھنہ ابرون وحور عاکم می	اور دیکھو ہارون و حور تمھارے ساتھ ہیں
بعل دیریم یجش الیھم	اور تم میں سے کسی کو کچھ کہنا ہو تو ان کے پاس
(خروج ۲۴: ۴)	آئے،

قرآن مجید قصہ کے اس حصہ کی تصدیق نہیں کرتا، قرآن کے بیان کے مطابق

قال موسیٰ لاخیہ ہارون اخلفنی	موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری
فی قومی واصلح ولا تتبع سبیل المفسدین	قوم میں میری نیابت کرنا اور حالت
(۷: اعراف)	سدھارتے رہنا اور مفسدوں کی راہ نہ چلنا

لیکن سفر خروج کا جامع اس بات پر یقین کامل رکھتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کے علاوہ ایک اور شخص کو بھی اپنا جانشین بنایا تھا اور یہ واقعہ ہے کہ اسکے بیان کے مطابق بعد کے قصہ سے اس حور کا بھی ضرور تعلق تھا، لیکن کسی خاص وجہ سے اس کے نام کو بعد میں بالکل حذف کر دیا گیا۔

قصہ کے ربط کے لحاظ سے چوبیسویں باب کے عین بعد بتیسویں باب کو ہونا چاہئے۔ ان دونوں بابوں کے درمیان ایک ایسے ماجرا کو رکھ دیا گیا ہے جس کا تعلق نہ تو بظاہر ماجرائے طور سے ہے اور نہ گوسالہ پرستی سے۔ اور نہ اس بابت احکام کا زمانہ وہ باور کیا جا سکتا جو حضرت موسیٰ کے طور پر جانے کے بعد عین گذرا۔ اگر اس بے تعلق باب کو ہم باب ۳۱ کے بعد کر دیں تو ایک طرف یہ قصہ مربوط ہو جائے گا۔ دوسری طرف باب ۲۵ تا ۳۱ اپنے سلسلۂ بیان سے ملحق ہو جائے گا۔ اور سفر خروج کے جامع کا بیان یوں ہو جائے گا،

اور خداوند نے موسیٰ کو کہا کہ میرے پاس پہاڑ پر آ۔ ۔ ۔ ۔ اور موسیٰ خدا کے پہاڑ پر گیا اور وہ بزرگوں سے کہہ گیا کہ جب تک ہم آ نہ جائیں یہیں ٹھہرو اور دیکھو ہارون و حور تمہارے ساتھ ہیں، اگر کسی کو کچھ کہنا ہو تو ان کے پاس جائے۔ (خروج ۲۴: ۱۲ تا ۱۴)

اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ پر سے اترنے میں دیر کی تو وے سب (۔۔) کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ اٹھ، اور ہمارے لئے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلیں۔

(خروج ۳۲: ۱)

فرض کرو کہ جس جگہ ہم نے دو چلیپائیں رکھی ہیں، وہاں کے الفاظ واقعی دیمک چاٹ گئی ہے، اور اب ہم کو عقل سے اس کی خانہ پری کرنی ہے، تو اس جگہ ہم حور یا ہارون دو میں سے ایک کا نام فرض کرنے پر مجبور ہیں، دونوں کا اس لئے نہیں کہ انھوں نے کہا تھا "اٹھ" یعنی اور یہ بات شخص واحد ہی کہی جا سکتی ہے، یہاں جس کا بھی نام رکھو اس نے لوگوں سے کچھ زیور لئے، اور

"ایک بچھڑا ڈھال کر اس کی صورت حکاکی کے اوزار سے درست کی" (۳۲: ۴) پھر ۔۔۔۔ نے یہ کہہ کر منادی کی کل خداوند کی عید ہے۔ (۳۲: ۵)

تب خدا نے موسیٰ سے کہا کہ اتر جا کیونکہ تیرے لوگ جنہیں تو مصر کے ملک سے چھڑا لایا ہے،
خراب ہو گئے ہیں (۳۲: ۷) انہوں نے اپنے لئے ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا اور پوجا (۳۲: ۸)
اور موسیٰ پہاڑ پر سے اترا (۳۲: ۷) اور اس نے بچھڑے کو جسے انہوں نے بنایا تھا لیا اور
اس کو آگ سے جلایا (۳۲: ۲) اور موسیٰ نے دیکھا لوگ بے قید ہو گئے ہیں، اور ہارون نے
ان کو ان کے مخالفوں کے آگے رسوا ہونے کیلئے بے قید چھوڑ دیا ہے، تو لشکرگاہ کے دروازہ
پر کھڑے ہو کر آواز دی کہ جو خداوند کی طرف ہو سو میرے پاس آوے، تب سب بنی لاوی
اس پاس جمع ہوئے، اور اس نے انہیں کہا کہ خداوند خدائے اسرائیل نے فرمایا ہے کہ
تم میں سے ہر ایک اپنی کمر میں تلوار باندھے اور ایک دروازے سے دوسرے دروازہ
تک تمام لشکرگاہ میں گذرے اور ہر مرد اپنے بھائی اور اپنے آدمی اور اپنے دوست
اور اپنے قریب کو قتل کرے اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے مطابق کیا، اور اس
دن لوگوں میں سے تین ہزار کے قریب مرد مارے گئے (۳۲: ۲۵ تا ۲۸)۔

اس عبارت کو نقل کرتے وقت ہم نے اس سوال وجواب کو حذف کر دیا ہے جو گوسالہ بنا دینے والے مجرم اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان ہوا تھا، کیونکہ قرآن کریم نے اسی سوال و جواب میں بھی ترمیم کی ہے جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں، تورات کے اس بیان کو غور سے پڑھو، جامع خروج کے بیان کے مطابق

(۱) حضرت موسیٰؑ نے دو جانشین مقرر کئے تھے ہارونؑ اور حور،

(۲) ان میں سے ایک نے قوم کی درخواست پر بچھڑا بنا لیا اور اس کی پرستش کی عید کا اعلان کر دیا،

(۳) ایک کے اوپر یہ الزام ہے کہ اس نے قوم کو بے قید چھوڑ دیا،

ظاہر ہے کہ یہ دونوں الزام ایک شخص پر نہیں ہو سکتے، جس نے بے قید چھوڑا وہ حضرت ہارونؑ تھے، یہی ان کی وہ خطا تھی جس کی بنا پر سفر تثنیہ کے مطابق خدا ان پر بھی ناراض ہوا تھا، دوسرے کو یقیناً حور ہونا چاہئے، اگر حضرت ہارونؑ وہ مجرم ہوتے جس نے بچھوا پوجوایا تھا تو وہ ان تین ہزار مقتولوں میں سے ہوتے جن کو بنی لاوی نے قتل کیا، برخلاف اس کے وہ نہ صرف زندہ رہے بلکہ ان کو زندگی بھر موسیٰ علیہ السلام کے برابر تقدس حاصل رہا، خدا نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا تھا کہ

"جس نے میری خطا کی اس کا نام کتاب سے میٹ دونگا" (۳۲:۳۳)

حضرت ہارونؑ کا نام کتاب ابرار سے مٹا نہیں گیا بلکہ بعد کے تمام انبیاء نے ان کی عزت کی، اس لئے یقینی امر ہے کہ جامع خروج نے بچھوا بنا دیکر اسے پوجوانے کا الزام حضرت ہارونؑ پر نہیں بلکہ حور پر لگایا تھا،

سفر خروج کے جامع نے اس حور کا نسب نامہ نہیں بتایا ہے، لیکن باب ۲۴ اور باب ۳۲ کے درمیان بے ربط طور پر جس نے باب ۲۵ لغایۃ باب ۳۱ کو رکھ دیا ہے اس کا منشا یہی بتانا تھا کہ یہ حور وہی ہے جس کے پوتے بضلی ایل بن اوری بن حور کا ذکر ایک نہایت ماہر عجیب حکمت کے کام کرنے والے سنار کی حیثیت سے آیا ہے، حضرت یوشع بن نون بن الیشمع کے دادا الیشمع جب حضرت موسیٰؑ کے مصر سے خروج کے وقت زندہ تھے، تو بضلی ایل کے دادا کا زندہ رہنا تعجبات سے نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حور جیسے بضلی ایل کا دادا کہا جاتا تھا وہ حضرت موسیٰؑ سے تقریباً دوسو برس پہلے گذرا، حضرت موسیٰؑ اسے اپنا جانشین نہیں قرار دے سکتے تھے، غالباً اسی بنا پر خروج باب ۲۴ میں حور کے نام کو کاٹ کر حضرت ہارونؑ کا نام رکھ دیا گیا، محرف نے اس جگہ دست درازی تو کر دی مگر

سترہویں اور چوبیسویں باب پر اس کی نظر نہیں پڑی،

سرسری نظر رکھنے والے قرآن اور بائبل میں اس جگہ بھی فرق پاتے ہیں کہ خروج کے مولف نے بچھوا پوجانے کا الزام حضرت ہارونؑ پر لگایا، قرآن اس کی تردید کرتا ہے، لیکن جس تحریف نے حضرت ہارونؑ کو مجرم بنایا ہے وہ غالباً اتنی قدیم نہیں ہے کہ اسے قرآن کی کسی آیت کا سبب نزول قرار دیا جاسکے، سفر خروج کے مولف نے ہارون علیہ السلام پر نہیں بلکہ حور پر یہ الزام لگایا تھا جو اس کے بیان کے مطابق حضرت ہارونؑ کی طرح حضرت موسیٰؑ کے ایک نائب تھے، قرآن کریم میں خدا نے سفر خروج کی اس روایت کو یہ بتا کر جھٹلایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے صرف اپنے بھائی ہارونؑ کو خلیفہ بنایا تھا،

سفر ہوشیع | حضرت سلیمانؑ کے مرنے کے بعد بنی اسرائیل کے دس قبائل نے مرتد ہوکر گوسالہ پرستی اختیار کرلی اور یربعام کو اپنا بادشاہ مقرر کیا، یربعام کی قائم کی ہوئی حکومت کے ایک فرماں روا عمری نے اپنا پایہ تخت ایک پہاڑ پر بنا کر اس کا نام شمرون رکھا، اس وقت سے یہوداہ اور شمرون یا بالفاظ دیگر یہودی اور سامری دو مذہبی نام ہوگئے لفظ سامری کی تحقیق آگے آتی ہے، سامریوں کے درمیان جن بزرگوں نے توحید کی بار بار تبلیغ کی ان میں سے ایک بزرگ جناب ہوشیع تھے وہ اپنے صحیفہ میں فرماتے ہیں،

زانح عجلک شمرون حرا اپی	اے شمرون تیرے بچھوے نفرت خیز ہیں،
بام (۸:۵) شہیبیم یہیہ عجل شمرون	ان پر میرا غضب بھڑکا ہے، شمرون کے
(۸:۶) کی نعر یشرائیل والجیہو	بچھڑے ٹکڑے کئے جائیں گے اسرائیل جب
عصدیہ قراتی للبنی (۱۱:۱)	لڑکا تھا میں نے اسے چاہا اور اپنے بیٹے
والبنی معلیہم اب یشرئیل عجل	کی طرح اسے مصر سے بلایا پھر کے زبیغو

ومنبی نشمر (۱۴:۱۳) ھکیعم افرایم	اسے مصر سے نکال لایا، اور ایک نبی
تمرو ریعو ودمایو علاو یطش	کی بدولت وہ محفوظ رہا افرایم نے جو
وحرفتو لو ادونایو (۱۵:۱۳)	کام کیے اس کا خون اسی پر ہوگا، جس کی
کدبر افرایم رتت نشا ہوا	کرنی ہیں کا خدا اس پر لوٹائے گا جو نبی
بیشرائیل ویا ببعل ویمت	افرایم بولا (زمین) لرزی کیونکہ وہ اسرائیل
یوسفو لحطاو یعشو لھم مسکہ	کا سردار تھا مگر بعل کی بدولت گنہگار رہا
کسفم کتبونام عصبیم	وہ خطاکاری میں بڑھتے ہیں اور اپنے
معشہ حراشم کلہ لھم	لئے اپنی چاندی سے ڈھلی ہوئی مورت
ھم امریم زبحی آدم	بناتے ہیں، اپنی فہم کے مطابق بت
یشقون	بناتے ہیں، جو سب کے سب ان کی دستکاری
(۲:۱۳)	ہیں، کہتے ہیں کہ قربانی کرنے والے
	لوگ بچھڑے کو چومیں،

اس بیان کے مطابق وہ شخص جس کے اوپر عہد موسیٰ میں بنی اسرائیل سے گو سالہ پوجوانے کا الزام عائد ہوتا ہے، افرایم بن یوسف کی نسل سے تھا، یہ بیان نہ حور پر صادق آتا ہے جو بنی یہوداہ میں سے تھا اور نہ حضرت ہارونؑ پر، واقعہ یہ ہے کہ جس طرح سفر خروج میں اس کے مولف کی مرضی کے خلاف حضرت ہارونؑ کا نام بعد میں رکھا گیا، اسی طرح اس موقع پر افرایم کا نام بھی غلط ہے، بنی افرایم یربعام کے زمانہ میں تو گمراہ ہوئے لیکن حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں قطعی طور پر راہ راست پر رہے، حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کی خلافت بنی افرایم ہی کے رئیس حضرت یوشع بن نون کو ملی تھی، جس کے معنی یہ ہیں

کہ قیادت اقوام کے حق دار اپنے فضائل کی بنا پر ان دونوں بنو افرائیم تھے، اسی لئے حضرت موسیٰؑ نے مرتے وقت بنی یوسف کے حق میں فرمایا،

بکور شورو ھدر لو وقرنی	اس کی شانداری اس کے نوپلے سانڈ کی
رام قرنا یو، بھم عیمم	سی ہے اس کے سینگ گینڈے کے سے
ینیچ یحدو افسی ارص وھم	ہیں وہ ان کی قوموں کو ریلے گا، یہ
ربیوت افرایم وھم الفی	ساتھ انتہائی زمین تک اور دسوں ہزار
منشی (تثنیہ ۳۳: ۱۷)	افرایم اور ہزاروں منسی ہیں

قرآن مجید میں خدا نے گوسالہ پوجوانے والے کو السامری کا لقب دے کر حور، ہارون، اور افرائیم تینوں پر سے الزام دفع کر دیا ہے،

زبور | عہد موسیٰ کی گوسالہ پرستی کا ذکر ایک زبور میں بھی ہے، یہ حضرت داؤد کا نہیں بلکہ کسی نامعلوم بزرگ کا ہے، جو اسیران بابل میں سے ایک تھا، (۱۰۶: ۷ ۲۶) اس زبور کا مولف لکھتا ہے

ہمارے باپ دادا نے مصر میں تیری عجیب قدرتوں کو نہیں سمجھا انھوں نے تیری رحمتوں کی بہتات کو یاد نہیں کیا،

ویمرو عل یم بیم سوف	بلکہ سمندر پر لال سمندر پر بغاوت کی،

لیکن اس نے اپنے نام کی خاطر انھیں بچایا تاکہ اس کی قدرت ظاہر ہو اور اس نے لال سمندر کو ڈانٹا اور وہ خشک ہو گیا،

ویولیکم بتہوموت	اور انکو گہرائیوں کے اندر چٹیل میدان میں چلایا

اس نے ان کو کینہ خواہوں کے ہاتھ سے اور دشمنوں کے ہاتھ سے رہائی دی،

اور پانیوں نے ان کے بڑوں کو غرقاب کر دیا جن میں سے ایک نہیں بچا، تب وہ اس پر
ایمان لائے اور اس کی حمد و ثنا گانے لگے مگر جلد اس کے کاموں کو بھول گئے، اور اس کی
نصیحت کا انتظار نہیں کیا، انھوں نے حرص کا مظاہرہ کیا اور بیابان میں خدا کو آزمایا،
اس نے ان کا مطلب پورا کر دیا، مگر ان کی جانوں پر لاغری بھیجی،
انھوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ پر اور خداوند کے قدوس ہارون پر حسد کیا، پھر زمین پھٹی اور اس نے
داتن کو نگل لیا اور ابیرام کے گروہ کو ڈھانپ لیا، ان کی جماعت میں آگ بھڑکی
جس کے شعلوں نے شریروں کو بھسم کر دیا،

یعشو عجل بحورب ویشتحوو لمسکہ	انھوں نے حورب میں بچھڑا بنایا اور ڈھلی
ویمیروا ات کبودام بتبنیت شور	ہوئی مورت کو سجدہ کیا اور اپنی شوکت
اوکل عشب (۱۰۶: ۱۹، ۲۰)	کو بیل کی مورت دی جو گھاس کھاتا ہے،

اس زبور کے مولف کا خیال یہ تھا کہ داتن اور ابیرام کے ہم مسلک اور ان کی جماعت کے لوگ باغی تھے جنھوں نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے خلاف حسد اور ان کی روز افزوں عظمت سے چڑھ کر بغاوت کی تھی اور ان ہی باغیوں نے گوسالہ بنایا تھا، اس زبور سے صاف ظاہر ہے کہ گوسالہ بنا دینے کا الزام سنہ ۵۰۰ ق م تک حضرت ہارونؑ پر نہیں تھا،

سفر عدد | اس زبور میں جس بغاوت کا ذکر ہے اس کا تذکرہ سفر عدد میں بھی ہے، سفر عدد کو حضرت موسیٰؑ کی کتاب کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں عہد موسیٰ کے احوال ہیں، لیکن اس کا مولف بہت بعد کا آدمی ہے، محققین کے نزدیک یہ متعدد کتابوں سے التقاط کر کے لکھا گیا ہے، خود اس کتاب کے اندر ایک قدیم کتاب "جنگ نامہ خداوند" کا حوالہ آیا ہے (عدد ۲۱
یہ کتاب زبور ۱۰۶ کے برابر قدیم نہیں ہے اور نہ اس کے برابر قابل اعتماد ہے، صاحب زبور

نے اس بغاوت کا زمانہ بنی اسرائیل کے سمندر پار کرنے کے وقت بتایا ہے، سفر عدد کے مولف نے اس کا زمانہ ۳۔ سنہ خروج کو قرار دیا ہے، اس کا بیان ہے کہ جن دنوں حضرت موسیٰ نے عمالقہ کے ساتھ جنگ کا حکم دیا

> سارے گروہ نے اپنی آواز بلند کی اور سب لوگ چلانے اور رونے لگے، سارے فرزندان اسرائیل نے موسیٰ اور ہارون کے خلاف بڑبڑانا شروع کیا، اور ایک دوسرے سے کہا کہ خدا کرتا ہم مصر ہی میں مر گئے ہوتے مصر میں نہیں تو بیابان ہی میں فنا ہو گئے ہوتے اور انھوں نے آپس میں رائے کی اور ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ ہم ایک کو "راس" (سردار) مقرر کریں اور مصر کو لوٹ چلیں، (عدد ۱۴: ۱-۴)

سفر نحمیاہ سفر عدد کے مولف کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس مشورہ پر بنی اسرائیل کے کسی حصہ نے عمل کیا یا نہیں اس کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ حضرت ہارون اور حضرت یوشع بن نون نے خوشامد کر کے لوگوں کا غصہ دھیما کر دیا لیکن سفر نحمیاہ میں ہے کہ

> ان لوگوں نے اپنی گردنیں سخت کیں اور اپنی سرکشی سے انھوں نے ایک کو اپنا سردار مقرر کیا تاکہ اپنی بندگی میں لوٹ جائیں" (نحمیاہ ۹: ۱۷)

حاصل کلام سفر عدد، سفر نحمیاہ، زبور اور اعمال کے مشترک بیانوں کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو اسرائیل نے ایک وقت حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے خلاف سرکشی کر کے ایک تیسرے شخص کو اپنا رئیس بنایا، یہ واقعہ سفر عدد کے بیان کے مطابق خروج سے ۲ صد بعد کا ہے، مگر زبور کے بیان کے مطابق یہ بغاوت بحر قلزم کے کنارے گوسالہ پرستی کے واقعہ سے پہلے کا ماجرا ہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو حیثیتیں تھیں، ایک حیثیت یہ تھی کہ وہ خدا کے رسول

تھے، دوسری حیثیت یہ تھی کہ وہ یسورون میں بادشاہ تھے" (تثنیہ ۳۳:۵) پہلی حیثیت کے لحاظ سے ان پر ان کی قوم کے صرف چند لڑکے ایمان لائے تھے۔ (یونس ۹:۱) دوسری حیثیت پر اس بغاوت کے وقت تک سب کا اتفاق تھا، فرعون سے نجات پانے کے بعد عوام نے ان کی اس حیثیت سے بھی انکار کر دیا، اور انھوں نے ایک اور شخص کو اپنا سردار مقرر کر لیا یہی سردار قرآن کا السامری ہے،

"السامری" نام نہیں بلکہ نسبت ہے، بعض لوگ اپنے نام سے نہیں بلکہ اپنے نسبی لقب سے مشہور ہوتے ہیں، قرآن پر اعتراض کرنے والے بعض مدعیان علم کا دعویٰ ہے کہ عہد موسیٰ میں کوئی سامری تھا ہی نہیں، بنو اسرائیل کا ایک طبقہ حضرت سلیمانؑ کے بعد سے سامری کہلانے لگا، لیکن اس ادعا میں صرف بے جا تعصب نظر آتا ہے،

السامری یائے نسبت اور لام تعریف کے اضافہ کے ساتھ عبرانی (شومر، پاسبان) کی تعریب ہے، حضرت موسیٰؑ سے پہلے بنی یعقوب میں شومر (پاسبان قوم) کہلانے والے کئی افراد گذرے ہیں، جن میں سے ہر ایک کی نسل کا ہر فرد السامری کہلا سکتا تھا، خود عہد موسیٰ میں بھی ایک شخص ایسا تھا جو شمری کہلاتا تھا اگرچہ اس کا اس نام سے قصۂ موسیٰ میں ذکر نہیں ملتا ہے لیکن نسب نامہ کی پشتیں اس کا وہی زمانہ مقرر کرتی ہیں، جو حضرت موسیٰؑ کا زمانہ ہے، ذیل میں سفر ایام سے چند اہم فرزندان اسرائیل کا شجرۂ نسب نقل کیا جاتا ہے، یہ شجرہ نسب قرآن کے السامری کو نہایت آسانی سے پہچنوا دے گا

شمرون	جبیر بن ہور	ملیح بن جلیبا	عزاری بن ولکا	شاہول بن	معرورنا			افرتیم
	شومر	اہود	موشی	شلوم	کالب	رام	برحم ایل	بہ
		سحریم	محلی	بشام	حور		اوتام	تخ

افصل رشومر مشمع سمعی تحن سنہ ۱۵۰

رشومر حمایل ندب اعودان سنہ ۲۰۰

زکور افائیم عیہود سنہ ۲۵۰

سمعی ادری عمی ندب لسعی الیشمع سنہ ۳۰۰

شمری بضلی ایل نحشون سیلسان نون سنہ ۳۵۰

سلمون نخلی یوشع

پہلی سطر میں ایسے افراد کے نام ہیں جو سنہ ۱ دخول یعنی سنہ ۴۳۰ قبل خروج سے پہلے پیدا ہو چکے تھے، نویں سطر میں حضرت موسیٰ کے معاصرین کا نام ہے، اس سطر کے سامنے حضرت موسیٰؑ کا سال ولادت لکھا ہوا ہے، افرائیم و تلح کے درمیان ایک پشت کی جگہ ہم نے اس لئے خالی رکھی ہے کہ جناب تلح جناب افرائیم کے بیٹے ہونے کے باوجود ان کے پوتوں بلکہ پرپوتوں کے ہم عمر تھے، ادری اور حور کے درمیان دو نام اور عمی ندب اور رام کے درمیان تین نام کی جگہ دوسرے نسب ناموں کا مقابلہ خالی رکھنے پر مجبور کرتا ہے،

اس نسب نامہ میں آپ کو ایک شمردن، تین شومرا اور ایک شومری یا قرآنی لفظوں میں السامری ملتا ہے، یہ شخص حضرت موسیٰؑ اور نون بن الیشمع کا ہم پشت ہے، قرآن مجید نے اسی شخص کو اس جرم کا مرتکب بتایا ہے، جسے سفرِ خروج کے مولف نے حور نام ایک شخص کا جرم بتایا تھا، پھر ایک تحریف نے اس حور کو حورین کا لب بنا دیا، پھر دوبارہ تحریف نے اس کے نام کو حضرت ہارونؑ کے نام سے بدل دیا، ممکن ہے کہ اس السامری کا بھی حور ہی نام رہا ہو! قرآن مجید کے اندر جس شخص کا ذکر السامری کے نام سے اس کے خاندان کو پہچاننے کی

یک صورت عہد موسیٰ کی دو مردم شماریوں پر غور کرنا ہے،

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بنو لادی کو چھوڑ کر باقی اسباط کی دو بار مردم شماری ہوئی، ایک بار خروج سے کچھ دنوں بعد ہی ہوئی تھی، اس وقت کی مجموعی تعداد ۶ لاکھ تین ہزار پانچسو تھی اور دوسری مردم شماری اس وبا کے بعد ہوئی جو بعل پرستی کی بنا پر خدا نے بنی اسرائیل میں بھیجی تھی، اس بار کی مجموعی تعداد چھ لاکھ ایک ہزار سات سو ثابت ہوئی، اس وبا میں کئی قبیلوں کی تعداد . . . . . بہت گھٹ گئی، اور کئی قبیلوں کی تعداد میں اس وبا کے باوجود اضافہ ہو گیا، تفصیل اس کمی اور بیشی کی قابل غور ہے،

نام قبیلہ	پہلی تعداد	دوسری تعداد	گھٹے	بڑھے
شمعون	٥٩٣٠٠	٢٢٢٠٠	٣٧١٠٠	٠
نفتالی	٥٣٤٠٠	٤٥٤٠٠	٨٠٠٠	٠
افرائیم	٤٠٥٠٠	٣٢٢٠٠	٨٠٠٠	٠
جسد	٤٥٦٠٠	٤٠٥٠٠	٥١٠٠	٠
روبن	٤٦٥٠٠	٤٣٧٠٠	٢٨٠٠	٠
دان	٦٢٧٠٠	٦٤٤٠٠	٠	١٧٠٠
یہوداہ	٧٤٦٠٠	٧٦٥٠٠	٠	١٩٠٠
زبولون	٥٧٤٠٠	٦٠٥٠٠	٠	٣١٠٠
اشکار	٥٤٤٠٠	٦٤٣٠٠	٠	٩٩٠٠
بنیامین	٣٥٤٠٠	٤٥٥٠٠	٠	١٠٢٠٠
منسی	٣٢٢٠٠	٥٢٧٠٠	٠	٢٠٥٠٠

آپ نے دیکھا کہ جس خاندان میں ہم کو السامری ملتا ہے سب سے زیادہ سخت سزا شرک و بت پرستی کی بعد مردم شماری کے مطابق اسی خاندان کو ملی۔

زمری بن سلو جس نے کزبی بنت صور سے نکاح کرکے بعل پرستی کو رواج دیا تھا اور جس کے مارے جانے کے بعد وبا کو خدا نے دفع کیا اسی خاندان بنی شمعون کا فرد تھا جس کے اندر ہم کو حضرت موسیٰ اور حضرت نون کی پیڑھی میں شومری ملتا ہے،

حاصل کلام یہ ہے کہ جس شخص نے بنی اسرائیل سے بچھوے کی مورت بنوائی تھی سفر ہو شیع کے اشارہ کے مطابق وہ تبو افرائیم میں سے تھا سفر خروج قبل تحریف کے مطابق وہ حور نامی ایک شخص تھا جسے تحریف اول نے فرزند کالب سے تطبیق دلائی پھر اس کا نام کٹوا کر ہارون علیہ السلام کا نام رکھ دیا ہے،

حور کا گناہ ہارون کے نامۂ اعمال میں جس وجہ سے لکھا گیا وہ یہ ہے کہ حور بن کالب کو اور سلمان بن حور کو بیت اللحم کا باپ بھی کہا جاتا تھا (دیکھو ۲: ۱۵ و ۵۴: ۴) حور کا نام اگرچہ آبائی نسب نامہ مسیح و داود میں داخل نہیں لیکن باشندگان بیت اللحم کا نسب نامہ کسی نہ کسی طرح حور بن کالب پر ضرور منتہی ہوتا تھا، نسب نامہ مسیح کی تطہیر کے لئے نصرانیوں نے حور کو مورت ساز سمجھ کر اس کے نام کی جگہ حضرت ہارون کا نام رکھ دیا ہے، ورنہ دراصل خروج ۳۲: ۲۱ میں حور سامری کا نام تھا جو بنی شمعون میں سے تھا،

تاریخ صقلیہ اول

اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی اور جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دور دول کا عروج اور مسلمانوں کے مصائب اور جلاوطنی کا مرقع دکھایا گیا ہے۔ قیمت ضر "مینجر"

ضمیمہ مضمون گجرات کے کتب خانے

از

جناب قاضی سید نور الدین حسین بھروچ

گذشتہ فروری و مارچ کے معارف میں جناب مولنا سید ابو ظفر ندوی صاحب کا مضمون "ہندوستان کے کتب خانے" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس میں گجرات کے کتب خانوں کے حالات میں چند نامی کتب خانوں اور کتابوں کے حالات کے اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، یہ مضمون اسی کا تکملہ ہے،

سیٹھ بھولاناتھ کا کتبخانہ سیٹھ بھولاناتھ احمد آباد کے باشندے اور شاہی متصدیوں میں تھے، جن کا کتبخانہ بھی مشہور تھا، اس کی چند قلمی کتابیں جو عرصہ سے احمد آباد کی بھولاناتھ لائبریری میں تھیں، وہ اب ورناکیولر سوسائٹی میں منتقل کر دی گئی ہیں، راقم الحروف کو چند سال پہلے اس کتب خانے کو دیکھنے کا موقع ملا تھا، اس میں حسب ذیل کتابیں نادر قلمی موجود تھیں،

(۱) **تاریخ مظفر شاہی** مؤلفہ ملا ملالی یہ نسخہ بڑودہ میں سنہ ۱۲۲۳ھ میں نقل کیا گیا ہے، مولانا سید ابو ظفر ندوی نے اس نسخہ کی نقل گجراتی ترجمہ کے ساتھ ورناکیولر سوسائٹی کی جانب سے طبع کرا کے شائع کی ہے،

(۲) **ایک فارسی کتاب** بطور دیوان "رپورٹ" احکام شاہی کے ہے، اور اس کے مؤلف کا نام نہیں تحریر ہے، اس میں سنہ ۱۱۲۲ھ تک کے گجرات کے انتظامات اور اہل حرفہ وغیرہ کے حالات ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاہی کتب خانے کا ہوگا، اس میں سلاطین گجرات کے عہد سے لیکر مغلیہ زمانہ تک کے حالات ہیں، خصوصیت کے ساتھ اہل حرفہ محکمۂ قضات یعنی قاضی مفتی، قاضی القضاۃ، محتسب، کوتوال وغیرہ کی فہرست اُن کے اور ان کے ماتحت ملازمین کے نام اُن کی تنخواہوں وغیرہ کا مفصل ذکر ہے، اسی

اسی قسم کی ایک کتاب مراۃ الہند بمبئی کی پٹیٹ لائبریری میں بھی ہے جس کو محمد لطیف بن علی بن محمد شاہ صدیقی بھروچی نے ۱۲۸۰ھ میں مرتب کیا ہے، اس میں نظام حکومت، اسناد داروغگی، گزرہائے دستورالعمل فوجداری، دستورالعمل پرگنات، دستورالعمل کارکنی، دستورالعمل فوطہ داری وغیرہ کے حالات تحریر ہیں، گجرات کے شہروں پرگنوں وغیرہ کی آمدنی کا بھی ذکر ہے،

(۳) دیوان ولی، یہ احمد آباد کے اردو کے مشہور شاعر، شاہ ولی اللہ المتخلص بہ ولی کے دیوان کا قلمی نسخہ ہے اس میں ولی کے دو مشہور شاگرد رضی اور اشرف کا کلام بھی ہے،

محکمۂ قضاۃ بھروچ کے کتبخانہ کی چند مزید قلمی کتابیں مولانا ابوظفر صاحب نے بھروچ کے محکمۂ قضاۃ کے جس کتب خانہ کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق راقم ہی سے ہے، اسکی چند مزید کتابوں کا نام لکھا جاتا ہے،

(۱) مبارق الازہار فی شرح مشارق الانوار، ....

شارح عبداللطیف بن عبدالملک المعروف بہ داور الملک متوفی ۹۱۵ھ (امیر کبیر سلطان محمود بیگڑہ) احمد آباد کے باشندے اور بڑے عالم و محدث تھے، اُنھوں نے احادیث کی شرح عربی میں لکھی ہے، حاشیہ میں احادیث کی تعداد معلوم کرنے کے لئے دائرہ بنا کر صحیحین اور روایات کے لئے ہندسے لکھے ہیں، احمد آباد کے قاضی محمد صالح نے اس پر فارسی میں حاشیہ لکھا ہے، شرح کی ابتدائی عبارت یہ ہے،

"الحمد للہ علی ہدایت الاسلام وعطیۃ الدرایۃ والاعلام خصوصاً من بیان حدیث خیرالانام محمد المختص بمقام اعلی المقام .... ویقول الفقیر الضعیف العویز عبداللطیف بن عبدالعزیز المعروف بابن الملک المحزن بحیف الفلک غفراللہ لہ ولوالدیہ" الخ

(۲) نورالقاری فی شرح البخاری، شارح علامہ نورالدین بن حاجی محمد صدیق احمد آبادی متوفی ۱۱۵۵ھ، ابتدائی عبارت یہ ہے،

"ہذا التسمیۃ لیکون الکریم وحبیب الرحیم ولیعتد بہ شرعا ولا یقطع برکتہ قطعاً..... وبہ قال مولانا مقبول عالم حدثنی مولانا خلیل محمد العباسی البنانی حدثنی عبد اللطیف حدثنی والدی عبد الملک حدثنی محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ الخ"

(۳) **تفسیر شاہیہ**، مولفہ سید محمد مقبول عالم بن سید جلال الدین ابو محمد شاہ عالم الشاہی الرضوی، متوفی ۱۱۰۱ھ مؤلف نے فارسی میں یہ تفسیر لکھی ہے، اس میں اہل بیت علیہم السلام کی روایات کی تفسیر کی ہے، یاد ایام ص۵۰ میں اسی تفسیر کا ذکر ہے، یہ کتاب تین جلدوں میں ہو جنمیں سے ایک کا پتہ نہیں چلتا، حاشیہ میں جا بجا تصحیح بھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے قلم کا اصل مسودہ ہے،

(۴) **خزانۃ الروایات**، مولفہ قاضی جگن، کتابت ۱۱۳۳ھ،

(۵) **فتاوی حمادیہ**، مصنفہ مفتی رکن الدین ناگوری نہروالی، پرانا نسخہ ہے، آخر کے چند ورق غائب ہیں۔

(۶) **مفاتیح الجنان شرح شراعۃ الاسلام**، شارح یعقوب بن سید علی، آخر کا ایک ورق ناتمام ہے،

(۷) **کتاب الملتقط**، مصنفہ شیخ الاسلام ابو الحسن علی بن حسین،

(۸) **غرر الشروط و درر السموط**، مصنفہ شیخ حسن بن جعفر (بحث تفسیر الختم) آخر کے ورق ناتمام)

(۹) **زبدۃ القضا**، رسالہ در احکام قضاۃ وغیرہ کامل،

(۱۰) **مختار الاختیار**، مولفہ اختیار بن غیاث الدین الحسینی، فارسی میں احکام قضا میں نایاب نسخہ ہے، کتابت ۱۱۱۱ھ یہ کتاب مبحث و مقطعی میں منقسم ہے، پھر مبحث کو مجلس میں اور مجلس کو فصلوں میں تقسیم کیا ہے، ابتدا اس طرح ہے۔

" خطبۃ الکتاب الکریم اختیار کل مختار و مختار کل اختیار وہو حمد علیم ...... وبعد فیقول العبد الفقیر الی اللہ الغنی اختیار بن غیاث الدین الحسینی ختم اللہ تعالیٰ عواقبہ بالحسنیٰ وبلغہ ما ینبغی " الخ

(۱۱) **نصاب الاحتساب**، مولفہ عمر بن محمد بن عوض، کتابت ۸۰۶ھ، کاتب کا نام عبد الملک ولد کریم محمد بن راجی محمد بن حسن محمد بھروچی، کتاب کے سرورق پر احمد عبد الملک صدیقی کی ۱۰۴۰ھ کی مہر ہے

(۱۲) **نصاب الاحتساب**، عربی متن مع فارسی ترجمہ کے ہے، فارسی ترجمہ کا نام نوریہ ہے، مترجم شیخ نعمت اللہ معنون بہ نور محمد ہے، یہ کتاب اکبرآباد میں ۱۱۱۱ھ میں ختم ہوئی۔

(۱۳) **دستور الاحتساب**، نصاب الاحتساب کا دوسرا ترجمہ ہے، مترجم کا نام خواجہ ابن احمد بن محمود ہے، فارسی ترجمہ سوال وجواب کے پیرایہ میں ہے، مترجم نے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ یہ ترجمہ اس نے سلطان مظفر[1] کی خدمت میں پیش کیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۱۶ھ میں پیش کیا ہوگا، دیباچہ میں ہے کہ

" میگوید بندہ حضرت معبود خواجہ بن احمد محمود کہ امر معروف ونہی از منکر کار انبیا را خدائے تعالیٰ بر امت محمد فرض گردانید از بہر ایشان مضمون مسائل نصاب الاحتساب پارسی ساختہ بحضرت مظفر شاہ گذرانیدم،

خدایا تا جہاں را پادشاہی
مظفر شاہ را دہ تاج شاہی

ز عدلش مملکت آباد گرداں
دلش از ہر چہ خواہد شاد گرداں

گلے آراستہ از بوستانش
نگہداری ز تاراج خزانش

ہر آنکہ بخت بد بادے ستیزد
چناں افتد کہ ہرگز بر نخیزد

---

[1] سلطان مظفر شاہ حلیم بن محمود شاہ سلطان گجرات،

ہمیشہ دولتش معمور بادا معاندرا بہا مقدور بادا

در بطریق سوال و جواب اینجا میدہم بنام دستوالاحتساب نامیدم و بجای سوال اگر ترا پرسند و در شیخ کردم و جواب بگو سخ نہادم تا ہر یکے از یاران بہرہ می گردد الخ

آخر کے ایک دو ورق کرم خوردہ ہیں، کتاب پر احمد آباد کے قاضی القضاۃ قاضی نظام الدین خاں سنہ ۱۱۵۲ھ کی مہر ہے،

(۱۴) **مجموعۃ الاصول**، جزو اول و دوم و سوم، جزو سوم کے دو نسخے ہیں، ایک نسخہ میں ولد محمد عارف کے قلم کا سنہ [illegible] کا لکھا ہوا ہے اور دوسرے پر شہنشاہ عالمگیر کے عہد کے مفتی و قاضی القضاۃ محی الدین بن عبدالوہاب کی مہر اور ان کے دستخط ہیں، دستخط کی عبارت یہ ہے،

"صاحبہ ومالکہ الشیخ محی الدین ابن المفتی القضاۃ قاضی عبدالوہاب صدیقی قدس اللہ سرہ"

(۱۵) **اشباہ والنظائر**، کتابت سنہ ۱۰۶۱ھ کاتب زین بن نجیم مصری[1] نے مؤلف کی اصل کتاب سے اس کو نقل کیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے،

"نقل ہذہ من نسخۃ المکتوبۃ من کتاب مؤلفہ الذی بیدہ المبارک زین بن نجیم المصری الحنفی غفر اللہ لہ ولجمیع المؤمنین ..... وقد کان الفراغ من کتابۃ ہذہ النسخۃ فی یوم الاحد من شہر رجب المرجب فی التاریخ سبع وعشرین من سنۃ الف واحد ستین، ملک میاں شیخ عبدالوہاب مفتی ولد شیخ احمد ولد قدوۃ المحققین زبدۃ المتقین شیخ الاسلام مولانا شیخ محمد طاہر الصدیقی المعروف بالمفتی قدس اللہ روحہ العزیز"

---

[1] معارف: زین بن نجیم مصری کاتب نہیں بلکہ اصل مصنف ہیں، وہ مشہور حنفی عالم اور الاشباہ والنظائر فقہ میں ان کی مشہور و معروف تالیف ہے جو چھپ کر شائع ہو چکی، کاتب کی عبارت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے یہ نسخہ مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اصل نسخہ سے نقل کیا ہے،

(۱۶) رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ، مولفہ علامہ صدر الدین محمد بن عبد الرحمٰن الحسینی القرشی العثمانی الشافعی، کتابت ۹۶۹ھ

(۱۷) شرح فتوحات مکیہ المسمی برسالہ فتوحات المکیۃ فی معرفۃ الاسرار المالکیۃ الملکیہ، شارح سید شریف شیخ بن عبد اللہ العیدروس قدس سرہٗ متوفی ۹۹۰ھ، شرح کی جلد اول کے دو جزو ہیں، دونوں کرم خوردہ ہیں، سر ورق کئی جگہ سے پھٹ جانے سے پوری عبارت صحیح پڑھی نہیں جاتی، وہ عبارت یہ ہے،

"عارف باللہ محی الدین محمد بن علی بن عربی نفع اللہ بہ وبعلوم ..... العلیۃ ذوالکرامات .... والمقامات السید مولانا الشریف شیخ عبد اللہ العیدروسی نفع اللہ بہ .... اہل بیت النبوی جعفر بن جلال المقصود عالم الشاہی الرضوی"

کتاب پر احمد آباد کے شیخ محمد صالح بن نور الدین صدیقی کی ۱۱۴۹ھ کی مہر ہے، کتاب کے آخر حصہ میں، کتبہ ملوک اہل بیت النبوی جعفر بن جلال الدین محمد مقصود عالم الشاہی الرضوی مرقوم ہے، دوسرے نسخہ کے ص ۲۱۶ پر یہ عبارت ہے،

"وکان الفراغ من نساخۃ ضحی یوم الخمیس ثانی یوم من ربیع الثانی سنۃ اربع وسبعین وتسعما من الہجرۃ النبویہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام بخط اضعف عباد اللہ وافقرہم واحوجہم الی کرمہ وعفوہ محمد بن عون بن محمد بن علی .... غفر اللہ لہ ولوالدیہ والمسلمین، آمین، (حاشیہ پر یہ عبارت ہے، بلغ المقابلۃ علی حسن الطاقۃ والامکان علی ــــ السید الشیخ .... العارف باللہ سیدی عبد اللہ بن الشیخ العطف شیخ ابن عبد اللہ العیدروس والسید عبد اللہ بن علوی ــــ الملوک ــــ نو سعد اللہ علیہم، جمادی الثانی ۹۷۳ھ، پھر یہ عبارت ہے، ہو تحت مطالعہ، ۲۰ ذی القعدہ

کتبہ جعفر بن جلال الدین محمد مقصود عالم الشاہی الرضوی "۔

(۱۸) **عین الوفا فی ترجمہ الشفا**، یہ کتاب قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض متوفی ۵۴۴ھ کی مشہور سیرۃ النبی کا فارسی ترجمہ ہے، جس کو مترجم ابو بکر بن احمد بھروچی نے خود مصنف کے ایما سے کیا تھا، اس پر قاضی محمد صالح احمد آبادی کی ۱۲۲۹ھ کی مہر ہے۔

(۱۹) **لطائف شاہیہ** (اوراد) مولفہ سید محمد بن سید جلال الشاہی رضوی متوفی ۱۰۴۵ھ یہ کتاب ۲۰ بابوں میں منقسم ہے، جو لطیفہ سے منسوب ہے، مولف رسالہ دیباچہ میں

"و جمع این لطائف و ظائف تبرکاً بحساب سنین عمر مبارک حضرت خاتم صلی اللہ علیہ وسلم و تیمناً بشمار رسالہائے حیات صوری شاہ عالم در شصت و سہ لطیفہ وارد و بہ الاستعانۃ والاستمداد فی العمل والاعتقاد۔ الخ فہرست لطائف، لطیفہ اولیٰ در لطیفہ، دویم در استعداد، سیوم در طہارت، چہارم در لباس، پنجم در ذکر سحر، ششم در استماع اذان، ہفتم در سعی بہ مسجد، ہشتم در نماز فجر، نہم در ورد فجر، دہم در اذکار فاتحہ یازدہم در دعاے استعانۃ، دوازدہم در ذکر کشف، سیزدہم در قرأت آیات، چہاردہم در اذکارے کہ بعد از فریضہ وارد است، پانزدہم در اذکار اربع الہیہ، ہفدہم کلمات ثلاث ساہیہ، ہژدہم در پنج گنج اول، نوزدہم در پنج گنج آخر، بستم در قرأت سورۂ فاتحہ و غیرہ"

یہ نسخہ خوشخط ہے لیکن چند اوراق گم ہیں، مگر اسی رسالہ کا دوسرا کامل نسخہ راقم الحروف کے جد حضرت قاضی سید احمد حسین بن سید محمد کے قلم خط کا ہے، جو کسی کامل نسخہ کی نقل ہے۔

(۲۰) **اعمال و اشغال فوائد**، مرتبہ سید جعفر بدر عالم بن سید جلال مقصود عالم منقول از نقل بدر عالم، رسالہ کے اخیر ورق پر "مقابلہ و تصحیح کردہ شد ۱۱۶۵ھ" لکھا ہے، جس میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، اور حضرت قطب عالم قدس سرہما کے اقوال و اورا

کو جمع کیا ہے،

(۲۱) خلاصۃ الارشاد، مولفہ سید نور الدین بن سید عبد اللہ بن محمد نور اللہ، سنہ تالیف ۹۰۴ھ اور سنہ کتابت ۱۰۰۳ھ ہے، اوراد و اشغال شاہیہ میں ہے، ہر ماہ کے نوافل اور اوراد کی تعداد و تعویذات وغیرہ کا ذکر ہے،

(۲۲) تہنیۃ الاسلام بخبر الاکمال والاتمام، مولفہ سید محمد بن سید جعفر بدر عالم، (مع رسالہ حسن المقصد فی عمل المولد الشیخ جلال الدین سیوطی) یہ چھوٹا سا رسالہ حضور نبی کریم صلعم کی سیرت میں ہے،

(۲۳) سفینۃ السادات، مولفہ سید محمد قاسم بن سید عبد الرحمن بدہ الحسنی بخاری، در ذکر سادات بخاریاں، کتاب کے ۳۲ ابواب ہیں، باب اول سے ہشتم تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اثنا عشر وغیرہ کے نسب و حالات ہیں، باب نہم میں ابی الحسین کبیر الدین کے حالات ہیں، باب بستم سے حضرت ابی عبد اللہ جلال الدین مخدوم جہانیاںؒ کے حالات ہیں، باب سی و دوم میں ابی عبد اللہ جلال الحق والدین محمد حسین بن سراج الدین محمد عابدؒ کے احوال ہیں، خاتمہ میں آپ کے خلافت نامہ کا ذکر ہے، تالیف سنہ ۱۰۲۳ھ کتابت سنہ ۱۱۸۲ھ،

(۲۴) صحائف السادات، تین جلدوں میں ہے جکو صحائف سے منسوب کیا ہے (ضمیمہ اول دوم، سوم) حالات سادات بخاری، بھکری و شیرازی، مولفہ ہاشم بن کمال الدین محمد المشہور بکرار، کتابت سنہ ۱۱۱۴ھ

(۲۵) رسالہ شاذلیہ کے دو اوراق، اجازت نامہ از مولانا عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی، اس میں آپ کے دست مبارک سے حاشیہ میں یہ عبارت تحریر ہے،

"بعقد ر الواسع والامکان علی ید مولفہ الفقیر المسکین العفو الی اللہ عبد الحق بن

سیف الدین الدہلوی ...... البخاری غفر اللہ لہ ولوالدیہ الخ"

سید جعفر بن سید مقصود عالم کے ہاتھ کی ۱۱۶۴ھ کی تحریر بھی ہے، یہ اوراق پھٹے ہوئے ہیں، اس لئے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اجازت نامہ کس کے نام ہے،

(۲۶) **شرح منیۃ العارفین**، شارح سید احمد بن سید رفیع الدین بن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر شیرازی قدس سرہ، (تصوف عربی) کتاب کی ابتدا بسم اللہ کے بعد اس طرح ہوتی ہے،

"الحمد للہ الذی من علی اولیائہ محبتہ والتعلیم باوحشتہ عما سواہ برحمتہ ......
اما بعد فیقول العبد الذلیل علی باب الملک الجلیل الملتجی الی المولی الغنی احمد ابن السید رفیع الدین بن سید جلال محمد بن السید احمد جعفر الحسینی المدنی ثم الشیرازی ثم السندی ثم الہندی بصرہ اللہ بعیوب نفسہ وجعل یوم خیرا من امسہ الخ"

یہ تالیف ۱۰۹۲ھ کی، اور کتابت ۱۱۰۲ھ کی ہے، کتاب کے سرورق پر سید جعفر بن جلال الثانی الرضوی اور (علامہ) نور الدین بن محمد صالح احمد آبادی کے دستخط بھی ہیں، آپکے صاحبزادے محمد صالح بن نور الدین بن محمد صالح کے دستخط بھی ہیں، اس کی نقل حضرت پیر محمد شاہ احمد آبادی کی درگاہ کے کتب خانہ میں موجود ہے،

(۲۷) **فتوحات احمدی و رفیعی** مولفہ سید احمد بن سید رفیع الدین بن سید جلال ابن سید احمد جعفر شیرازی قدس سرہ بخط مؤلف (فارسی) در مناقب حضرت سید احمد جعفر الحسینی الشیرازی و سید رفیع الدین، کتاب کی ابتدا اس طرح ہے،

"الحمد للہ علی انعامہ المبین والصلوۃ علی نبیہ وحبیبہ سید المرسلین ......
بعد میگوید بندہ ضعیف نحیف خاکسار ...... احمد رفیع الدین سید جلال محمد ابن سید السادات صاحب اشرف المقامات السید شاہ احمد جعفر الحسینی الشیرازی بصرہ اللہ

بعیوب نفسہ وجعل یوم خیر امن رسنۃ آنکہ ایں بندہ طالب آں بود، در قطار مکان ولیاء اللہ خود را منسلک سازد ولیکن حیثیت مکتب ہیچ نداشت الخ

کتاب کے سرورق پر محمد صالح شیخ نورالدین صدیقی کی مہر ۱۱۳۰ھ کی اور مرتجا اعفر نساوالی بیگا کی مہر بھی ہے،

(۲۸) **شجرۂ مبارک**، (عربی) سلسلۃ من طبقات الاربع عشر مؤلفہ سید جلال بن سید رفیع الدین ابن سید جلال محمد بن سید احمد جعفر الحسینی الشیرازی، یہ عربی میں چار پیروں اور چودہ خانوادوں کا شجرہ ہے، نمبر (۲۶) (۲۵) (۲۰) کے نسخے راقم الحروف کے خاندانی تبرکات میں سے ہیں جن کا تعلق حضرت سید احمد جعفر الشیرازی احمد آبادی متوفی ۹۲۲ھ سے ہے،

(۲۹) **نورالعرفان** مؤلفہ شیخ محمد صالح عرف پیر بابا المتخلص بہ عرفان متوفی ۱۱۴۲ھ منقول از کتاب مؤلف، کاتب قاضی سید محمد نورالدین حسین ابن قاضی سید احمد حسین رضوی مرحوم ۱۲۸۰ھ، یہ رسالہ مؤلف نے احمد آباد کے مشہور مدرسہ ہدایت بخش کی تعریف میں ہے، جس کو احمد آباد کے صدر صوبہ نواب اکرم الدین خاں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے صرف سے علامہ نورالدین صدیقی کے لئے تیار کیا تھا،

(۳۰) **نورالمعرفت**، مؤلفہ شاہ محمد ولی المتخلص بہ ولی، یہ رسالہ بھی مؤلف نے مدرسہ مذکور ہدایت بخش کی تعریف میں لکھا ہے،

(۳۱) **رسالہ نظامیہ**، مؤلفہ قاضی القضاۃ نظام الدین خاں، احمد آبادی، یہ چھوٹا سا رسالہ فارسی میں مؤلف نے تمسک نکاح کی اجرت کے جواز میں لکھا ہے، نقل از رسالہ مؤلف کاتب قاضی سید احمد حسین بن سید محمد رضوی الشیرازی (جد راقم الحروف) سنہ کتابت ۱۲۴۳ھ

(۳۲) **تحفۃ العرفان**، مرتبہ محمد صالح عرف پیر بابا المتخلص بہ عرفان یہ چھوٹا سا رسالہ چہل حدیث کا فارسی ترجمہ ہے، مترجم نے یہ رسالہ شاہزادہ محمد معظم شاہ کی فرمائش سے ترجمہ کیا تھا،

کتب خانہ قاضی سید نورالدین حسین (یعنی محکمہ قضاۃ بھروچ کے کتب خانہ کی کتابیں،

(۳۳) **شرح فتوح الغیب**، شارح کا نام عبدالعزیز بن ولی ہے، اس کا خطابہ یہ اور نسخہ نادر ہے جو شارح سے سید جعفر شاہی رضوی کو اور ان سے شارح کے بھانجے احمد فاروقی کو ملا

۳) **تذکرۃ الاعراس**، مصنف کا نام معلوم نہیں ربیع الاول سے صفر تک کے نامی بزرگوں کی وفات کی تاریخوں کا مجموعہ ہے، سرورق پر ۱۱۵۳ھ سید ابو طالب بن سید مشایخ ودیوانجی الحسینی چشتی کے دستخط ہیں،

۴) **مخزن الاعراس**، مولفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی، مرتبہ ۱۱۵۵ھ منقول از نقل مولف، مؤلف نے اس مخزن کو چند نامی کتب مثل نفحات الانس، مراۃ الجنان، آداب لطائف لبین سیر الاولیار، اخبار الاخیار، گلزار ابرار، سفینۃ الاولیا، طبقات شاہجہانی وغیرہ کے حالات جمع کرکے مرتب کیا ہے، ربیع الاول سے صفر تک کامل ہے،

حکیم سید روح اللہ بھروچی جہانگیری — حکیم میر روح اللہ بن سید صبغۃ اللہ بھروچی شطاریؒ، بھروچ کے نامور بھروچ کا کتب خانہ حکیم اور عالم بزرگ تھے، شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے دور میں شاہی طبیب تھے، بھروچ کے باشندے تھے، علامہ حضرت شاہ وجیہ الدینؒ گجراتی سے آپ کو شرف تلمذ وارادت تھا، شہنشاہ جہانگیر اور نورجہاں کے معالج بھی رہے تھے، ان کو انعام میں جاگیریں بھی عطا ہوئی تھیں چنانچہ تھانب، کوکڑواڑہ، سوروا ڑی، اور چار دیگر مواضع آپ کی شاہی عطیہ تھے، مآثر رحیمی اور تزک جہانگیری میں آپکے حالات ہیں، بھروچ میں آپ کا بڑا کتب خانہ تھا، جس میں زیادہ ترطب کی کتابیں تھیں، مرور زمانہ اور تقسیم وراثت کی وجہ سے یہ علمی خزانہ منتشر ہوگیا، ان میں کی کچھ بچی کچھی حسب ذیل طب میں نادر ہیں،

(۱) **فوائد الانسان**، مولفہ حکیم میر روح اللہ الحسینی بھروچی فارسی ۱۰۰۹ھ کی تالیف ہے، اور

صنعت توشیح میں منظوم ہے، اس کا تاریخی نام شہنشاہ اکبر نے شد ۱ تمش فوایدالانسان رکھا جس سے ۹۹۶ھ سنہ تالیف نکلتا ہے، کتاب ۲۰ ابواب میں منقسم ہے، اس میں ادویہ کے نام ان کے خواص، مفردات مرکبات وغیرہ نظم کئے ہیں، کتاب کی ابتدا اس طرح ہے،

"للہ دراکبر انچہ حکمت ہمایوں و نعمت گوناگوں است کہ حکیم ذوالجلال و منعم بے زوال عم نوالہ و جل جلالہٗ از نہ سپہر و ہفت کشور منظور اگر خدایگان داور خدیو داد..... الخ

ذیل کی نظم سے کتاب کا نام اور سنہ تالیف وغیرہ کا پتہ چلتا ہے، مؤلف نے عبارت شدہ اتمش نسان کو اس طرح نظم میں بیان کیا ہے،

ش شکر حق گو دوائے از دل و جاں ... کہ بنام خدایگان جہاں
د در حکمت بہ نظم آوردی ... درد دیرین خود دوا کردی
ہ ہر چہ شہ گفت آنچناں گفتی ... در مدح و ثنائے شہ سفتی
ا آفریں شہ کہ آفرینش گفت ... تو چہ گوہر توانی از پے سفت
س سر ہمت کہ پیش کردہ ماست ... ہر در شاہ سجدہ را اولی است
م محنت اینجا رسیدہ و راحت شد ... مرہم سینہ جراحت شد
ش شادمانی کنیم دست زنیم ... کلہ فخر بر فلک فگنیم
ن فکر تم چوں بامر اکبر شاہ ... گشت بر نظم ایں گہر آگاہ
د وقت خود را سہ سال پردازم ... از گہر سہ ہزار آوردم
ا از غذائے و دوائے خلق جہاں ... جمع کردم فوایدالانساں
ی یاور خود چو بخت شہ دیدم ... نام آں راز شاہ پرسیدم
د داد پاسخ کہ مصرع است رواں ... شدہ اتمش فوائدالانساں

ا اسم و تاریخ ہر دو فہمیدم — مصرعہ کان ز شاہ بشنیدم
ل لازم آمد کہ سر بسجدہ نہم — داد و منت کہ قضائے شاہ دہم
ا از خدا عمر و دولتش جویم — ہر چہ گویم دعائے شہ گویم
ن ناظم این گھر و ولے تو — در رہ بندگی فدائے تو
س سر زند درین افتادہ نبرد — یاری از سنگ استفادہ نبرد
ا آملش آنچہ بسپرد بجہان — یادگارے بنام شاہ زمان
ن نام شہ باد زینت دفتر — ہست تا از دوا بدھر اثر

(۲) تقویم الابدان، مولفہ و مرتبہ یحیی بن عیسیٰ بن جزلہ، کتابت ۸۵۸ھ، بحوالہ تقویم سلیا

یہ کتاب بخط عربی تیرہ خرما سے لکھی ہوئی ہے، اس کی ابتدا اس طرح ہے،

کتاب تقویم الابدان بمداواۃ الامراض المجتمعۃ فی ثلاثۃ اجناس متشابہۃ والہیۃ و انفصال الاتصال واسباب کل مرض و علاماتہ و تدبیرہ مع ما یکثر فیہ من الامزجۃ والاسنان والازمنۃ والبلدان ۔۔۔۔

(۳) مرحمت نامہ، مصنفہ محمود بن برہان بن محمود بن جلال الحسینی (در ارداد فارسی) سنہ تالیف ۹۰۴ھ ہے، کتاب ۵ ابواب میں منقسم ہے، جس کو مرحمت سے منسوب کرکے مرحمت نامہ رکھا ہے، ابتدائی عبارت یہ ہے،

"۔۔ اما بعد بندۂ غریب بیچارہ محمود بن برہان بن محمود بن جلال الحسینی جعلہ من المتقین ۔۔۔ حضرت مقدسہ ابوی و شیخی و مرشدی قطب الاقطاب بندگی حضرت قطب العالم و ملازمت بابرکت اعظم خلفاء القطبیہ اشرفہم و اکرمہم سیدنا غوث الوری حسن الفقیہ القطبی الحسینی مرتھا مستفید و مستفیض بودہ پارہ تبرکات بشمارینین جنات صوری

جلال الحق والشرع والدین مخدوم جہانیاں قدس اللہ سرہ العزیز فی سنہ سبعۃ وسبعین

وثمانمایۃ وہفت وہشت مرحمت دریاض آوردہ مرحمت نامہ بہ مایہ مسمی کردہ الخ"

حکیم روح اللہ مرحوم کے خاندان میں بڑے بڑے نامور اطبا گذرے ہیں جن میں حکیم میر

لطف اللہ حسینی، حکیم میرابوالمکارم، حکیم سید مصطفےٰ، حکیم میرابوالقاسم اور حکیم میر روح اللہ ثانی

قابل ذکر ہیں، موخرالذکر حکیم روح اللہ ثانی نے فن طب میں لذت الحیات نامی فارسی کتاب ۱۱۸۰ھ

میں تالیف کی تھی، اس میں زیادہ تر مجرب نسخوں کا ذخیرہ ہے، چنانچہ اس کے دیباچہ میں اسطرح رقمطراز ہیں:

"چنیں گوید کمترین خلق اللہ الکریم اضعف العباد روح اللہ ولد حکیم میر مصطفےٰ اکرم

از فرزندان حکمت وحذاقت پناہ ۔۔۔ حکیم روح اللہ بھروچی، شاہ جہانگیری نوراللہ

مرقدہ ۔۔۔ بنابرآں ایں حقیر آنچہ تدابیر ونسخہ جات دریں باب ازکتب متقدمین ومتاخرین

من المجربات آنچہ استادی قبلہ گاہی واز دیگر مجربات حکماے ہند کہ رسیدہ است از روے

انتخاب وتراکیب نادر دیدہ در سنہ ۱۱۸۰ھ یکہزار ویکصد وہشت ہجری مقدسہ

در سلک تحریر وتقریر درآوردہ الخ"

مذکورۂ بالا کتابوں میں بھروچ میں حکیم مرحوم کے خاندان اور ۳ سے بھوہ کے جاگیردار سید

حیدر صاحب بن سردار سید میر صاحب کے کتب خانہ میں اور نمبر ۲ و ۳ سید محمود علی بن سید

غلام علی صاحب جاگیردار آمولی وڈودرا ان کے کتب خانہ میں ہے،

شاہ کمال بھروچی قزوینی کا کتب خانہ: بھروچ میں حضرت شاہ کمال الدین بن صفی الدین قزوینی

بھروچی قدس سرہٗ متوفی ۱۰۸۰ھ بڑے پایہ کے بزرگ اور ولی اللہ تھے، حضرت سید محمد گیسو دراز

اورنگ آبادی قدس سرہ سے سلسلہ چشتیہ میں آپ کو شرف ارادت حاصل تھا، آپ کی تصانیف

کا صحیح پتہ چلانا مشکل ہے، تاہم آپ کی بعض تصنیف کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا بھی

بڑا کتب خانہ ہوگا، آپ کی دو تصنیفیں قابل ذکر ہیں،

(۲) **رسالہ بازار مصطفیٰ و خریدار خدا**، یہ چھوٹا رسالہ فارسی میں تصوف میں ہے، حضرت شاہ عالم احمد آبادی قدس سرہٗ متوفی ۸۸۰ھ آپ کی ملاقات کے لئے احمد آباد سے بھروچ تشریف لائے تھے اور آپکے یہاں چالیس یوم قیام فرمایا تھا، اور حضرت شاہ بھیہ نے "بازار مصطفیٰ و خریدار خدا" کے بارہ میں حضرت شاہ بھیہ کے سوال کے جواب میں یہ رسالہ تالیف فرمایا تھا جس کا تذکرۃ الصالحین میں ہے، مولفہ منشی عبد الحکیم سورتی (تاریخ سورت) میں مذکور ہے،

(۱) **منظر الحق فی بیان اباحۃ السماع**، یہ کتاب مذاہب اربعہ کی رو سے سماع کی اباحت میں فارسی میں تالیف کی ہے، دس بابوں میں منقسم ہے، (۱) دربیان مقدمہ دلیل احادیث و اقوال مشایخ کرام (۲) اباحت سماع در مذہب امام اعظمؒ بروایت صریح، (۳) اباحت سماع در مذہب امام شافعیؒ و امام مالکؒ و امام حنبلؒ وغیرہم، یہ کتاب بمبئی جامع مسجد کے کتب خانہ میں ہے،

مولانا اسحٰق بن عبد الوہاب کا کتب خانہ بھروچ میں مولانا اسحاق بن عبد الوہاب قدس سرہٗ متوفی ۱۱۲۲ھ بڑے کامل بزرگ تھے، آپ حضرت فرید شکر گنج کی اولاد سے تھے، احمد آباد کے مشہور عالم مولانا عبد الغنی تلمیذ حضرت علامہ شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی سے آپ کو شرف تلمذ و ارادت حاصل تھا، قلعہ بھروچ دہو جیدہ متصل بیگم باڑی میں آپ کا ایک بڑا عربی مدرسہ اور کتب خانہ تھا، آپ کی عربی تالیف شرب الدخان، تمباکو کی حرمت میں ہے، یہ کتاب ۱۰۷۲ھ میں تالیف ہوئی، جس کا حوالہ مولانا عبد الحیؒ لکھنوی مرحوم نے اپنی کتاب ترویح الجنان بتشریح شرب الدخان مطبوعہ مصطفائی میں دیا ہے، کتاب کی عبارت بسم اللہ کے بعد یوں ہے،

"الحمد للہ الذی خلق الاشیاء کما شاء بعلمہ وحکمتہ واحل ما شاء لمن شاء بامرہ وحرم ما شاء لمن شاء بنہیہ وارسل الانبیاء لیبلغوا الی الناس،

موضع بھوہ بطور جاگیر آپ کو حکومت کی جانب سے عطا ہوا تھا، جو اب بھی آپ کی درگاہ کے سجادہ نشین سید حیدر صاحب ابن سردار سید پیر صاحب کے قبضہ میں ہے، بھروچ کے دو موضع محمد پورہ، اور اسحق پورہ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد انور اور آپ کے پوتے مولانا اسحق ثانی کے نام سے منسوب ہیں، آپ کے داماد ملا محمد علی ۱۱۰۱ھ میں بادشاہ کی جانب سے شہر احمد آباد کے قاضی و مفتی مقرر ہوئے تھے،

آمود ٹھاکر صاحب کا کتب خانہ ۱۷۸۷ء

بھروچ ضلع میں دریائے ڈھاڈھر کے کنارہ سے تھوڑے فاصلہ پر قصبہ آمود واقع ہے، یہاں کے نومسلم گرایسہ ٹھاکر صاحب تھے، جن کا خاندان گجرات میں مولی اسلام کے نام سے مشہور ہے، ان کا بڑا کتب خانہ تھا، اس میں بقول ڈاکٹر ہیو (Hove) ۱۷۸۷ء میں تین ہزار فارسی کی خوشخط و منقش چرم کی مجلد کتابیں موجود تھیں، ان کی قیمت اس زمانہ میں چوبیس لاکھ اندازہ کی گئی تھی ڈاکٹر ہیو اپنے سفرنامہ میں مورخہ ۳ر نومبر ۱۷۸۷ء کے واقعات میں لکھتے ہیں[۱]،

"میں مسٹر گریفتھس سے سفری اجازت نامہ حاصل کرنے کے بعد اور کھمبائیت کے ریزیڈنٹ مسٹر ہولفرڈ سے سفارشی خط لیکر مسلح کشتی (Armed boat) میں سوار ہوکر جمبوسر میں علی الصباح پہنچا، وہاں سے دریائے ڈھاڈھر پار کرکے صبح آٹھ بجے کنارے اترا اور آمود کی مسجد کے سامنے اپنا خیمہ ڈالا صبح ۹ بجے میں نے راجہ (ٹھاکور) سے ملاقات کی انھوں نے اس ملک کے رواج کے موافق خیر مقدم کرتے ہوئے مجھ سے معانقہ کیا اور اپنے مکان کے قریب ایک جگہ جہاں کتب خانہ ہے لے گئے اور

---

[۱] Bombay Government Records No XVI New Series.

بڑی خوشی سے اپنی کتابیں دکھائیں، اور کہا ان کے والد نے ان کی قیمت ۱۲ لاکھ تخمینہ کی تھی، مگر ان کے نزدیک ان کی قیمت اس سے دگنی ہے، کتب خانہ میں تین ہزار جلدیں ہیں، جن میں فارسی کی مرقش چرم کی خوشخط قلمی کتابیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں الخ"

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان اس گئی گذری حالت میں بھی کتنے علم دوست تھے، اور کتب خانوں پر کتنا خرچ کرتے تھے،

میری محسن کتابیں

ادبیات

غزل

از جناب شفیق جونپوری

پھر ایسی نیست پہ کیا شوقِ خود نمائی ہو کہ زندگی بھی جب اپنی نہ ہو پرائی ہو
زہے وہ رات کہ یادِ حبیب آئی ہو دراز اور بھی عمرِ شبِ جدائی ہو
فلک پہ چاند ہو دربان کو نیند آئی ہو تمام رات اسی در پہ جبہہ سائی ہو
بچائے کون اسے اے ہوائے دامنِ دوست کہ جس چراغ کو تو خود بجھانے آئی ہو
یہ کیا ستم ہے زمانہ کہے کہ صبر کرو کسی غریب نے سینے پہ چوٹ کھائی ہو
پھر ایسے خانۂ ویراں میں روشنی معلوم جلی ہو شمع تو تقدیر مسکرائی ہو
وہ نامراد سہی نامراد کون کہے ترے سپرد جو اے شانِ کبریائی ہو
مری فغاں سے جگر چاک ہو گئے اے بلبل وہ تو نہیں کہ گلوں نے ہنسی اڑائی ہو
غضب ہو قافلۂ رنگ و بو کا لٹ جانا کہ جب بہار کی منزل قریب آئی ہو
فلک کے تارے ہوں تلووں کے آبلے پہ نثار ذرا دلوں میں مذاقِ شکستہ پائی ہو
ہزار بھٹکے ہم ایسے نگاہ و دل والے جہاں میں تو ہو تری شانِ دلربائی ہو
جگا سکیں نہ مجھے بادِ تند کے جھونکے وہ غم کی چھاؤں میں آنکھوں کو نیند آئی ہو

نگاہیں کھیل رہی ہوں شکستہ قبروں سے
صبا نے گورِ غریباں میں خاک اڑائی ہو

وہ نامراد کہاں داد خواہ ہو یارب
کہ جس کی جان کے پیچھے تری خدائی ہو

نہ چھیڑ بادِ سحر اس غریب غنچے کو
جسے چمن میں جوانی نہ راس آئی ہو

سلام اہلِ نظر اس کلی کی حسرت پر
بہار میں بھی جو دم بھر نہ مسکرائی ہو

وہیں سے فلسفۂ عشق کا سمجھ آغاز
جہاں خرد نے جنوں سے شکست کھائی ہو

وہ موت بھی بخدا دیکھنے کے قابل ہو
جو اے شباب ترے ساتھ ساتھ آئی ہو

جگہ خود آپ نہ دیں اپنے آستانے پر
قصور وارِ مقدر کی نارسائی ہو

وہی نگاہ کسی کو تباہ کر ڈالے
وہی نگاہ جدھر ہو ادھر خدائی ہو

شفیقؔ اور شبِ ماہ و نغمہ لبِ جو،
وہ جانے جس کے چمن میں بہار آئی ہو

غزل

از

جناب اخلاق احمد صاحب قریشی،

جنونِ عشق کے ہاتھوں کہیں رسوا نہ ہو جائے
مجھے ڈر ہے کہ رازِ ضبطِ غم افسانہ ہو جائے

ہماری التجاؤں کا اثر الٹا نہ ہو جائے
کہیں وہ اس سے بڑھ کر اور بے پروا نہ ہو جائے

غرورِ حسن بڑھکر خود ہی اک پروانہ ہو جائے
ہمارے عشق کا چرچا کہیں اتنا نہ ہو جائے

تلاطم عشق کی دنیا میں اک برپا نہ ہو جائے
ہمارا ذکر بھی افسانۂ فردا نہ ہو جائے

جنونِ عشق بڑھکر اضطراب افزا نہ ہو جائے
مری دنیائے غم میں حشر پھر برپا نہ ہو جائے

قیامت اور کوئی آج پھر برپا نہ ہو جائے
ہمارے ضبط کی دنیا تہ و بالا نہ ہو جائے

ابھی تو ہوش باقی ہے مجھے جیب و گریباں کا
تمہاری یاد کیف نشۂ صہبا نہ ہو جائے

نشاط انگیز ہے کتنی تمناؤں کی دنیا بھی
الٰہی التفات نرگس شہلا نہ ہو جائے

تمہارے حسن رنگیں کی لئے سرمستیاں توبہ
فضائے دہر بھی پیمانۂ صہبا نہ ہو جائے

نسیم انکو دل محزوں کی کیفیت سناتا ہے
کہیں روداد غم بھی شکوۂ بیجا نہ ہو جائے

غزل

از مائل خیرآبادی

گلستاں میں لاکھ آئیں انقلاب
مستقل ہے فطرت خار و گلاب

ہو کلیمی ضرب تو پتھر بھی آب
ہو یقیں محکم تو آتش بھی گلاب

مرد مومن ہوں مٹا سکتا ہے کون؟
میرے ہی دم سے ہے عالم فیضیاب

دے رہی ہے مجھ کو کیف آور پیام
وہ نظر جس کا فسانہ ہے شراب

گنگناتا ہے کوئی رگ رگ میں یوں
دور بجتا ہو کہیں جیسے رباب

آرہی ہے پھر ہوائے نو بہار
اے چمن والو! نوید انقلاب

کیا ضرورت ہے ہمارے خون کی
پھیکا پھیکا سا ہے کچھ رنگ گلاب

باغبانی یہ ہے دیکھو اے باغباں
ہے مری نظروں میں کانٹا بھی گلاب

نام کانٹوں کی بدولت ہو گیا
ورنہ تھا اک پھول گلشن میں گلاب

ہو رہا ہے پھر بھی کچھ ہوتا نہیں
ہائے اس دنیا سے بیداری کے خواب

چاک داماں پر مرے ہنستا ہے کیا؟
دیکھ تو اپنا گریباں اے گلاب

کیا دل مائل کو پھر چھیڑا گیا
کروٹیں لینے لگا ہے انقلاب

مطبوعات جدید

تصوف کی اہمیت:۔ از جناب وحید احمد صاحب بار ایٹ لاء سکریٹری تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۴۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ ر پتہ فرید احمد صاحب ۲۶ ہیولاک روڈ لکھنؤ

یہ کتاب مصنف نے اس عامیانہ خیال کی تردید میں لکھی ہے کہ تصوف کو اسلام سے علاقہ نہیں ہے اور وہ دوسری قوموں سے ماخوذ ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ تصوف "اسلام کی روح" ہے اور اس کے حامل صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی مقدس جماعت میں موجود تھے، جو دور اول کی خانہ جنگی کے زمانہ میں خانہ نشین ہو گئے تھے، اور یہ جماعت ہر زمانہ میں رہی اور اموی اور عباسی دور کی سیاسی پارٹیوں کے جدال و قتال اور مذہبی فرقوں کی قیل و قال سے جب اسلامی روح کمزور پڑنے لگی تو اسی جماعت نے اسکو بچایا اور اس کو زندہ رکھنے کی تدبیریں اختیار کیں، اور عہد صحابہ سے لیکر حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے زمانہ تک تصوف و صوفیہ کی مختصر تاریخ اور ان کے بعض مسائل و احوال پر اجمالی تبصرہ کیا گیا ہے، اور ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، ان کے جوابات دیئے ہیں، اصلی تصوف کو مختصر طور سے سمجھنے کے لئے مفید کتاب ہے، البتہ امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کو نفی یقین تصوف میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے، ابن تیمیہ احسان کے منکر نہ تھے، بلکہ ان معنوں میں وہ خود صوفی تھے، البتہ تصوف کے بعض مروجہ غیر شرعی طریقوں کے خلاف تھے اور ابن قیم تو بڑے صوفی صافی تھے، تصوف کے معارف و حقائق پر ان کی معرکۃ الآرا اور ضخیم کتاب مدارج السالکین تصوف کی امہات کتب میں ہے، اسی طریقہ سے وحدۃ الوجود اور تصور شیخ وغیرہ کے مسائل کو در حقیقت

نفس تصوف سے تعلق نہیں، بلکہ یہ احوال و کیفیات اور ذوقی و وجدانی معاملات ہیں، جن کو علمی بحث کی قید میں لانا صحیح نہیں ہے،

فانی:۔ مولفہ جناب دیبی پرشاد صاحب سرور استو، ایم اے، منشی کامل لکچرار اے ایس کالج فتحپور، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۵۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ہے، پتہ:۔ کتابستان الہ آباد،

موجودہ دور کے شاعروں میں شوکت علی خاں مرحوم فانی کے کلام پر جس قدر لکھا گیا ہے وہ اس زمانہ کے اور کسی شاعر کے حصہ میں نہیں آیا، مصنف نے فانی پر یہ مستقل کتاب لکھی ہے اسمیں ان کے سوانح حیات اور ان کے کلام پر مفصل تبصرہ ہے، کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف صاحب ذوق سخن سنج بھی ہیں، اور اردو شاعری پر بھی اُن کی نگاہ ہے، اس کتاب میں انھوں نے فانی کے کلام پر ذوقی اور فنی دونوں حیثیتوں سے اچھا تبصرہ کیا ہے، اور ان کے کلام کی خصوصیات دکھائی ہیں، انداز بیان دلکش اور ادیبانہ ہے، اس کتاب کو پڑھکر بے اختیار دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسی زبان کے ساتھ جس پر ایک ہندو کو اتنی قدرت حاصل ہے اور جس میں وہ ایسی ادیبانہ اور معیاری کتاب لکھ سکتا ہے اجنبی زبان کا برتاؤ کیا جارہا ہے، اور اس کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، یہ کتاب اہل ذوق کے مطالعہ کے لائق اور اردو ادب میں اچھا اضافہ ہے،

سلک گوہر:۔ میر انشاء اللہ خاں انشاء دہلوی، تقطیع اوسط ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ نفیس، قیمت تحریر نہیں، پتہ کتب خانہ ریاست رامپور،

مشہور شاعر انشاء اللہ خاں کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور جدت پسند تھی، ان کو نظم و نثر کی ہر شاخ پر یکساں قدرت حاصل تھی، ان کی جدت پسندی کے نمونے ان دونوں صنفوں میں موجود ہیں، سلک گوہر بھی ان کی جدت طرازی کا ایک نمونہ ہے، یہ ان کی ایک بے نقطہ کہانی

ہے، اس کا قلمی نسخہ ریاست رامپور کے کتب خانہ میں ہے، مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی نے اسکی تصحیح کرکے شائع کیا ہے، اس قسم کی جدتوں کی حیثیت ذہنی اپج سے زیادہ نہیں ہوتی، سلک گوہر بھی اسی قبیل کی اپج ہے، اس میں نقطہ دار حروف کے علاوہ ٹ، ڈ اور ڑ بھی جن پر اس زمانہ میں ط کے بجائے نقطے لگائے جاتے ہیں استعمال نہیں کئے ہیں، اس سے مصحح کے بقول، عبارت کی سانس درگھٹ گئی ہے، اور کتاب چیستان بن کر رہ گئی ہے، تاہم عبارت کا اجمالی مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے اور یہ کتاب ایک قدیم ادبی یادگار کی حیثیت سے قابل قدر ہے،

سلک گہر جلد اول مولفہ جناب جاوید انصاری تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے،

کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ/ پتہ:- جاوید انصاری صاحب برہان پور

دکن کا علاقہ اردو زبان کا مولد و منشا ہے، اس کے اثر سے اس کے پڑوسی صوبہ متوسط و برار میں بھی ہمیشہ شعر و سخن کا مذاق رہا، جو اب بھی قائم ہے، خصوصاً برہان پور کو تو ایک زمانہ تک اس نواح میں علمی و ادبی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے، اسی سرزمین کے ایک نوجوان صاحب قلم جاوید انصاری نے صوبہ متوسط و برار کے قدیم شعراء کا یہ تذکرہ مرتب کیا ہے، اس میں بیاسی ۸۲ شعراء کے مختصر حالات اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے، مولف کی یہ ادبی خدمت قابل قدر ہے،

نعت حضور ازجناب بہزاد لکھنوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۷ صفحات،

کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۲؍ پتہ مکتبہ برہان جامع مسجد دہلی،

مصنف کے کلام کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، ان کی نعتیں خصوصیت کے ساتھ زیادہ پرکیف ہوتی ہیں، اس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں، نعت حضور جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے ان کی ۷۰ نعتیہ نظموں کا مجموعہ ہے، یہ نعتیں حسن ظاہر اور جمال معنی سے آراستہ اور نہایت موثر و دلپذیر ہیں، انمیں شاعر کے اخلاص عقیدت کی روح جھلکتی ہے،

دارالمصنفین کی دینی و علمی و ادبی میں کتا

اقبالِ کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابین لکھی گئین لیکن ان سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایان نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس مین اُن کے مفصّل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارنامون کے اہم پہلوون کی تفصیل کی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری پھر فارسی شاعری پر ان کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصّل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن کے کلام کی تمام ادبی خوبیان دکھلائی گئی ہین، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعون یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت، تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت) فنونِ لطیفہ اور نظامِ اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت: [illegible]

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہل قلم تھا، ہمایون نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اُٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر مین تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہون نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادون اور شہزادیون نے بھی علم و ادب کی محفلین سجائین، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی مین گوناگون کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل مذکورۂ بالا کتاب مین ملاحظہ فرمائیے، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے، قیمت: [illegible]

منیجر

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

منیجر

Mag.

رجسٹرڈ نمبر ا ۱۸ اے اگست ۱۹۴۹ء

معارف

مجلسِ دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

و

شاہ معین الدین احمد ندوی

قیمت: چھ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سِلسلۂ تاریخ اسلام

دار المصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی ادارون نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قدر دانی کی، بعض یونیورسٹیون نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب مین داخل کر لیا، اس لئے چند برسون کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافون کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہین اور بعض زیر طباعت ہین، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے۔

تاریخ اسلام حصۂ اوّل

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ، ضخامت ۵۹۴ صفحے، قیمت: سے ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل،

ضخامت ۳۶۳ صفحے،

قیمت سے ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم

(بنی عباس اوّل)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) سے ابو اسحاق متقی اللہ ۳۳۳ھ (۹۴۴ء) تک دو صدیون کی سیاسی تاریخ، (زیر طبع)

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ، ضخامت:- ۴۳۲ صفحے

قیمت:- عہ ر

"مینیجر"

جلد ۶۴ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۹ء عدد ۲

مضامین

مقالات

ادبیات

شذرات

یادش بخیر ٹنڈن جی نے ادھر چند دنون سے کلام مجید کی جانب توجہ کی ہے اور اس کے متعلق ایک تقریر دہلی اور حال مین بلند شہر کی ایک تقریر مین اظہار خیال فرمایا ہے جس مین انھون نے مصطفے کمال کی جانب منسوب اس قول کو سراہا ہے، کہ "تیرہ سو سال پرانی کتاب اس زمانہ مین کام نہین دے سکتی" اور کلام مجید کو بھی ان مذہبی کتابون مین شامل کیا ہے جو انسانون کی بنائی ہوئی ہین جن سے غلطیان ممکن ہین اور کلام مجید کی خوبی کے اعتراف کے باوجود اس کے ان مقامات مین ان کو انسانی ہمدردی کی سچی خوبصورتی مین کمی نظر آتی ہے جہان انکے خیال کے مطابق کافرون سے نفرت کی تبلیغ ہے، (نیشنل ہیرلڈ، ۸ اگست) ان مین سے ہر چیز قابل بحث ہے، اولاً مصطفے کمال کی جانب منسوب قول کی نسبت کی صحت کی کوئی دلیل نہین، اور اگر بالفرض اس کو صحیح مان بھی لیا جائے، تو اسکی حیثیت خرافات سے زیادہ نہین، قرآن کے بارہ مین مصطفے کمال کیا اُن سے بھی بڑے کسی انسان کی رائے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے، غالباً ٹنڈن جی کو یہ سُن کر دکھ ہوگا کہ اب انہی مصطفے کمال کے وطن مین حکومت کی جانب سے اسی تیرہ سو سال پرانی کتاب کی تعلیمات کو زندہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، ٹنڈن جی کے ذاتی خیال سے بحث نہین لیکن ہر مسلمان کا یہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ قرآن انسان کی نہین بلکہ خدا کی بنائی ہوئی کتاب ہے، جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ مسلمان نہین نفرت پھیلانے کا مفہوم و مقصد بھی بحث طلب ہے،

اسلام اور قرآن مجید کا سب سے بڑا اور بنیادی مقصد توحید کی تعلیم ہے جس مین خدا کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ سارے فضائل اخلاق پر عمل داخل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مین مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہون گویا توحید ایک تخم ہے جس مین مکارم اخلاق کے سارے برگ و بار نہاں ہین ان پر عمل کے بغیر توحید کی تکمیل نہین ہوتی

اس کے مقابلہ میں کفر نام ہے خدا اور اس کے احکام کے انکار، شرک اور اُن سے پیدا شدہ رذائل کا، اور دنیا میں کسی نیکی اور بھلائی کی تعلیم و تبلیغ اس کی ضد کی بُرائی ظاہر کئے بغیر نہیں ہو سکتی، جب سچائی، اخلاص، دیانت یا اور اس قبیل کی کسی چیز کی تعلیم دی جائیگی تو جھوٹ، نفاق اور خیانت وغیرہ کی خرابی بھی ظاہر کی جائیگی، اس قسم کی بُرائی یا مذمت سے دنیا کی کوئی تعلیم و تبلیغ بھی خالی نہیں ہے اور بُرائی اور اسمیں مبتلا انسان کی مذمت میں کوئی فرق نہیں، اگر چوری بُری چیز ہے تو چور کو بُرا کہنے میں کیا قباحت ہے، قرآن نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا ہے کہ کفر اور شرک کیساتھ اس پر اڑے رہنے والوں کی مذمت کی ہے، اگر اسکو نفرت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تو ایسی نفرت کو دنیا کا کوئی اخلاقی ضابطہ قابلِ اعتراض نہیں کہہ سکتا، ورنہ پھر کسی بُرائی کی اصلاح ہی نہیں ہو سکتی، اگر نہایت پست سیاسی مقاصد کے لئے انسانوں میں نفرت پھیلانا خدمتِ وطن کہا جا سکتا ہے تو دین و ملت، حق و صداقت اور عالمِ انسانیت کی فلاح کے لئے بُرے انسانوں کے خلاف نفرت پھیلانا کیوں بُرا ہے،

یہ تو ہمارا خود ساختہ مفروضہ ہے کہ ایسی نفرت بھی سچی انسانی ہمدردی کی خوبصورتی کے خلاف ہے، بُرائیوں میں مبتلا انسانوں کی سچی ہمدردی تو یہ ہے کہ اُن کی اصلاح کے لئے ان بُرائیوں کی خرابیاں برملا ظاہر کیجائیں اور جو لوگ اس سے باز نہ آئیں اُنکی مذمت کیجائے، ورنہ اگر ٹنڈن جی کی مفروضہ انسانی ہمدردی کی خوبصورتی کا لحاظ رکھا جائے تو خرابیوں کی اصلاح ہی ممکن نہیں ہے، درحقیقت ٹنڈن جی کو کفر و شرک یا کفار و مشرکین کی مذمت اس لئے قابلِ اعتراض نظر آئی اور انھوں نے اسکو نفرت سے تعبیر کیا ہے کہ انھوں نے کفار و مشرکین سے مراد موجودہ زمانہ کے غیر مسلموں کو لے لیا ہے جو صحیح نہیں ہے، قرآن کی دعوتِ توحید کے مخاطب تو بلاشبہہ ہر زمانہ کے منکرین خدا اور مشرکین ہیں لیکن جن کفار کے خلاف نفرت کی تبلیغ پر ان کو اعتراض ہے اس سے مراد عرب کے وہ کفار ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اور اُن کے مٹانے کے درپے تھے اور تبلیغ اسلام میں رکاوٹیں ڈالتے تھے، اس کے باوجود قرآن نے ان دشمنانِ اسلام کے ساتھ بھی جادۂ اعتدال پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے کہ "کسی قوم کی دشمنی کے سبب سے انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل پر قائم رہو، اگر وہ صلح و آشتی کے لئے آمادہ ہوں تو تم بھی اس کا جواب صلح و آشتی سے دو" اس سے زیادہ انسانی ہمدردی کی سچی خوبصورتی اور کیا ہو سکتی ہے،

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانوں کا پرانا ادارہ ہے اور ایک زمانہ میں اُن کی مفید تعلیمی خدمات انجام دیچکا ہے،

لیکن ادھر عرصہ سے بے جان تھا، اب اسکی جدید تنظیم عمل میں آئی ہے اور اسکی جانب سے امداد کے لئے اپیل شائع ہوئی ہے مسلمانوں کی موجودہ ضروریات کے پیش نظر اس ادارہ کا بقا ضروری ہے اسلئے انکو اسکے لائف ممبر یا معاون خاص و عام بنکر جس کی فیس علی الترتیب ۵۰، ۱۰، ۵، ایک مشت یا دس اور پانچ روپیے سالانہ ہے اس کی مدد کرنا چاہئے اور ادارہ کا فرض ہے کہ وہ کاغذی تجویزون اور رزولیشنون کے بجائے تعلیمی کامون مین عملی جدوجہد کو کام مین لائے،

اس وقت سب سے زیادہ اہم مسئلہ مسلمان بچون کی ابتدائی تعلیم کا ہے ڈسٹرکٹ بورڈون اور میونسپلیٹیون کے پرائمری اسکول خالص ودیا مندر ہین جن کا مقصد ہند وتہذیب و تمدن کا احیا ہے اس لئے ان کا نصاب، طریقہ تعلیم اور ماحول سب اسی کے مطابق ہے ان مین مسلمانون کی ضروریات کا مطلق کوئی لحاظ نہین، زبان تمام تر ہندی ہے تاریخ جغرافیہ اور حساب وغیرہ فنون کے نام تک بدل دیئے گئے ہین، اس کی ریڈرون مین ہندوؤن کے قصص و حکایات کے علاوہ مسلمانون کی تاریخ و روایات کا کہین گذر نہین ان کو پڑھکر مسلمان بچون کا کیا انجام ہوگا، مسلمانون کے جن مکاتب کی گورنمنٹ مدد کرتی ہے ان مین بھی مذکورہ بالا نصاب پڑھانا ضروری ہے البتہ نصاب الگ دوسری کتابین بھی پڑھائی جاسکتی ہین لیکن ایسی کتابین ہر جگہ نہین ملتین، اس بارہ مین گورنمنٹ سے کسی قسم کی توقع رکھنا سخت نادانی ہے زبانی وعدون کا کوئی اعتبار اسکی طے شدہ پالیسی کے خلاف کچھ نہین ہوسکتا جمعیۃ العلماء نے ابتدائی تعلیم کو اپنے پروگرام مین رکھا ہے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس جدید تنظیم مین جمعیۃ سے قریب ہوگئی ہے اس لئے ان دونون کو مل کر اس کام کو اپنے ہاتھ مین لینا چاہئے اور اس کے لئے پوری تنظیم کے ساتھ عملی جدوجہد کو کام مین لانا چاہئے اگر ابتدائی تعلیم کا مسئلہ حل نہ ہوسکا تو چند نسلون مین مسلمان مسلمان باقی نہ رہین گے اس شمع گرگردنی است چارۂ مجنون کنون کنید،

حضرت الاستاذ مدظلہ ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہوچکے ہین اس سال دوسری مرتبہ مع اہل وعیال حج وزیارت کا ارادہ رکھتے ہین ان سطور کی اشاعت کے وقت سفر کا آغاز ہوگیا ہوگا، اللہ تعالیٰ حج مبرور عطا فرمائے اور بخیر وعافیت واپس لائے،

مقالات

حضرت ایوب علیہ السلام

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

"مولانا ابو الجلال صاحب ندوی اعلام القرآن کے نام سے جو کتاب لکھ رہے ہیں اس کے بعض ٹکڑے معارف میں چھپ چکے ہیں، ان کو اہل علم نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اس لئے آج اس کی ایک اور قسط ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے"

سورۂ نسا میں چند پیغمبروں کے نام لے کر خدا نے فرمایا کہ ہم نے آپ پر بھی اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح فلاں فلاں انبیا پر وحی نازل کی تھی، ان پیغمبروں میں سے ایک حضرت ایوب علیہ السلام ہیں، اُن کا ذکر سورۂ انعام میں بھی ان پیغمبروں کے ذکر کے ساتھ وارد ہے، جن کی بابت خدا نے فرمایا کہ

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی، تم بھی اُن کی رہنمائی کی اقتدا کرو"

سورۂ انبیاء اور سورۂ صاد میں حضرت ایوبؑ کی زندگی کے کچھ واقعات مذکور ہیں، ان دونوں سورتوں کو ملا کر بھی اُن کی زندگی کا پورا حال نہیں معلوم ہوتا، قصہ کے اندر واقعات کی خلائیں تطرآتی ہیں جن کو روایت سے پر کرنے میں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے،

سورۂ صاد میں خدا نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ کفار جو باتیں بولتے ہیں اُن پر صبر کرو،

پھر حضرت داؤدؑ وغیرہ چند انبیاء کا جن میں سے ایک حضرت ایوبؑ ہیں، تذکرہ سنا کر یہ بتانے کا حکم دیا کہ

کل من الاخیار — سب کے سب بھلے لوگ تھے،

پھر بُروں اور بھلوں کا انجام بتا کر فرمایا کہ جہنم میں شریر لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ

مالنا لا نری رجالا کنا نعدھم	ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اُن مردوں کو
من الاشرار اتخذناھم سخریا	نہیں دیکھ رہے ہیں، جن کو ہم اشرار سمجھتے
ام زاغت عنھم الابصار	تھے، کیا واقعی ہمارا قول مذاق ہی تھا، یا
	ان کو دیکھنے سے ہماری آنکھیں چوک رہی ہیں

اس سے ظاہر ہے کہ سورۂ صاد کی آیتیں اس لئے اُتریں کہ کچھ کفار نے حضرت ایوبؑ وغیرہ کو اشرار اور اہلِ نار میں سے بتایا تھا، ان کفار کو حضرت ایوبؑ کا قصہ معلوم تھا، اس قصہ میں کچھ باتیں قابلِ اصلاح تھیں۔ قرآن میں خدا نے پورا قصہ دہرانے کی بجائے صرف قابلِ اصلاح اجزاء کی اصلاح پر اکتفا کیا ہے،

بائبل میں ایک کتاب سفرِ ایوب ہے، مفسرین نے قصۂ ایوب میں جو روایتیں نقل کی ہیں، اُن کا بڑا حصہ اسی کتاب سے ماخوذ نظر آتا ہے، اس لئے ہم مفسروں کی روایتوں کے بدلے اسی کتاب کو سامنے رکھ کر اُن کا وہ قصہ معلوم کریں گے جس کی قرآن مجید نے اصلاح کی ہے،

سفرِ ایوب | سفرِ ایوب ۴۲ ابواب کا مجموعہ ہے، اس کتاب کا مختصر خلاصہ یہ ہو کہ حضرت ایوبؑ پر بہت بڑی اُن کے تین دوست اُن کی عیادت کو آئے، اُن کی آمد کے بعد حضرت ایوبؑ نے اپنی مصیبت کا دکھڑا اُن کو سنایا، اُن دوستوں کا خیال یہ تھا کہ خدا کا قہر بے سبب نہیں ہو سکتا، ضرور حضرت ایوبؑ سے دانستہ یا نادانستہ خدا کا گناہ سرزد ہوا ہے، یہ احباب اُن کو سمجھانے لگے کہ خدا کی تنبیہ سے اثر لو، اور اپنی بُرائی کو دور کرو، حضرت ایوبؑ کو اپنی بے گناہی کا پورا یقین تھا، ان کا خیال یہ تھا کہ ایسی مصیبتیں بُروں ہی پر نہیں، بلکہ اچھوں پر بھی آتی ہیں، اس پر حضرت ایوبؑ اور اُن کے دوستوں میں بحثیں ہوئیں، بالآخر ان بحثوں کا

فیصلہ خود خدا نے یہ فرمایا کہ حضرت ایوبؑ کی باتین ان سے بحث کرنے والون سے زیادہ حق بجانب تھین،

سفر ایوب کو تین حصون پر تقسیم کیا جا سکتا ہے،

۱۔ باب لغایت ۳۱۔ حضرت ایوبؑ کے تین دوستون کی حضرت ایوبؑ کے ساتھ بحث اور ۱:۳۸ تا ۴۲:۸ خدا کا فیصلہ، یہ حصہ نظم ہے،

۲۔ باب و باب ۴۲: ۹ تا ۱۷، یہ حصہ نثر ہے، اس کا مؤلف کوئی اور ہے جس نے کتاب کا مقدمہ اور تتمہ لکھا ہے،

۳۔ باب ۳۲ تا ۳۷، ایک چوتھے شخص الیہو کا کلام ہے، جس نے حضرت ایوبؑ کو یہ کہنے پر سخت ملامت کی کہ "مین پاک ہون گناہ سے مبرا ہون مجھ مین بدی نہین ہے"، اور بڑی بلاغت کے ساتھ اُن کو گناہ گار ثابت کرنے کی کوشش کی، یہ حصہ بھی نظم ہے، مگر مقدمہ اور تتمہ لکھنے والے نے اس شخص کا ذکر نہین کیا ہے، اس کو بعد کا اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے،

سورہ صاد کے نزول کے پیشتر جن لوگون نے حضرت ایوبؑ کو اشرار مین سے بتایا تھا، وہ الیہو کے کلام پر یقین رکھتے تھے، انہی کی تردید کے لئے خدا نے سورۂ صاد مین فرمایا

"لوگ جو باتین بولتے ہین اس پر صبر کرو ...... (۳:۲)

اور ہمارے بندہ ایوب کا ذکر کرو .... (۱۴) وہ اچھا بندہ تھا (۴۴)

ترجمۂ اسم | سورۂ صاد مین حضرت ایوبؑ وغیرہ کو اخیار مین سے بتانے کے بعد خدا نے کفار کی بابت جو یہ کہا ہے کہ یہ لوگ باہم جہنم مین ایک دوسرے سے پوچھین گے کہ بات کیا ہے جو ہم کو وہ مرد نہین دکھائی دیتے ہین جن کو ہم اشرار خیال کرتے تھے، اس سے ظاہر ہے کہ کفار آپ کو جہنم کا حقدار بھی بتاتے تھے، ان کے اس خیال کی بنیاد بھی ہم کو سفر ایوب مین ملتی ہے، حضرت ایوبؑ کا یہ نام عبرانی لفظ ایبہ (دشمنی) سے مشتق ہے، اُس کے معنی ہین دشمن، چنانچہ سفر ایوب کا مؤلف ایک موقع پر حضرت ایوبؑ کی زبان

سے کہتا ہے،

لما فنیات تستیر وتحشبنی لاویب لک (۱۳-۲۴) — تو اپنا چہرہ کیوں چھپاتا ہے اور مجھے اپنا دشمن جانتا ہے،

اَیوب اور اِیّوب کے معنی ہین وہ جس کے ساتھ دشمنی برتی گئی" کفار کا خیال تھا کہ ان کو ایوب اس لئے کہا گیا کہ خدا ان کا دشمن تھا، مگر لفظ ایوب کا ایک مفہوم ستم رسیدہ بھی ہے، قرآن مین ایک جگہ حضرت ایوبؑ کا قول مذکور ہے کہ انی مسنی الضّر اس کا عبرانی ترجمہ انوکی ایوب ہو سکتا ہے، حضرت ایوبؑ کی وجہ تسمیہ یہی ہے،

عقیدۂ اشرار | جن اشرار نے حضرت ایوبؑ کو منجملہ اشرار اور مستحق نار بتایا تھا، ان کے خیال کی ایک بنیاد یہ بھی ہے، کہ سفر ایوب کے مؤلف نے حضرت ایوبؑ کی زبان سے یہ بھی کہا ہے کہ

"اپنا ہاتھ اٹھا اور مجھے الگ رہ کہ مین ذرا دم لیلون، اس سے پہلے کہ مین صلموت اور تاریکی کے دیس مین جاؤن اس دیس مین جہان تاریکی اور صلموت ہے، اور جہان کی روشنی بھی تاریکی کی سی ہے (ایوب ۱۰: ۲۱ و ۲۲)

صلموت اگر ایک لفظ ہے تو عربی ظلمات کا مرادف ہے، ورنہ ظلِ موت (موت کی چھاؤن) کا مرادف ہے صلموت سے حضرت ایوبؑ کی مراد عدم آباد ہے لیکن اللات کی بحث مین ہم بتا چکے ہین کہ مشرکین کے تصور مین ظلمات کا دیس وہی چیز تھا جس کو ہم جہنم کہتے ہین، سفر ایوب کی ان باتون کی بنا پر کفار نے حضرت ایوبؑ کی شان مین گستاخی کی تھی، اس لئے سورۂ صاد مین خدا نے کفار کی باتون کو صبر سے سن کر حضرت ایوبؑ وغیرہ کا ٹھیک ٹھیک ذکر سنانے کا حکم دیا،

قرآن مین خدا نے چونکہ حضرت ایوبؑ کا پورا قصہ نہین بیان کیا ہے صرف چند مختصر فقرے اس قسم کے نازل فرمائے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے قصہ مین جس قدر قابل اصلاح باتین تھین انہی

کی اصلاح پر خدا نے اکتفا کر کے یہ حکم دیا ہو کہ حضرت ایوبؑ کا ٹھیک قصہ سنا دو اس لئے قرآنی آیتون کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کے قصہ کی قدیم شکل سامنے رکھ کر قرآن پر غور کیا جائے،

روایت قدیم | سفرایوب کے اس حصہ نظم سے جس مین حضرت ایوبؑ اور اُن کے دوستون کی بحث مذکور ہے حضرت ایوبؑ کی بابت حسب ذیل باتین معلوم ہوتی ہین،

۱- ایک زمانہ مین وہ اپنی قوم کے اندر حاکمانہ شان رکھتے تھے، چنانچہ سفرایوب کا ناظم اُن کی زبان سے بولتا ہے،

"کاش مین ایسا ہوتا جیسا پچھلی تاریخون[۱] مین تھا (۲۹: ۲) جب مین اپنے قدم دودھ سے دھوتا تھا، ...... جب مین شہر سے ہو کر پھاٹک کی عدالت گاہ کو جاتا، اور چوک مین اپنی کرسی رکھتا تھا، تو جوان مجھے دیکھ کر چھپ جاتے تھے، بوڑھے کھڑے ہو جاتے تھے، رئیس بولنے سے باز رہتے تھے، اور اپنے ہاتھ اپنے سینون پر رکھتے تھے، امرا چپ ہو جاتے تھے، اور اُن کی زبانین تالو سے لگ جاتی تھین (۲۹: ۷، ۱۰) صداقت میرا لباس تھی عدالت میرا پردہ تھی، انصاف میرا عمامہ تھا، مین اندھون کی آنکھین تھا، لنگڑون کے پاؤن تھا، (۲۹: ۱۴) مین نے بے انصاف کے داڑھ توڑے اور لوٹ کا مال اس کے دانتون سے نکال لیا (۲۹-۱۷) مین اُن کے لئے راہ چنتا تھا، سرداری کرتا تھا، اور لشکرون مین بادشاہ کی طرح رہتا تھا، اس کی طرح جو کہ غمگینون کو تسلی دیتا ہے (۲۹: ۲۵)

[۱] عبرانی لفظ یاریحون بمعنی مہینون۔ تاریخ کو بعض لوگ مؤرخ سے اور مورخ کو فارسی لفظ ماہ و روز سے مشتق مانتے ہین، یہ ویسا ہی اشتقاق ہے، جیسا ڈیکوریشن کو دیکھو رے شان بتانا، دراصل لفظ تاریخ قدیم عبرانی لفظ یارتح تھا،

"مین رحم کے اندر ہی مرکیون نہ گیا، پیٹ سے نکلتے ہی مین نے جان کھو دی ہوتی، (۳: ۱۱)

تاکہ اب تک چپ چاپ پڑا رہتا، سوتا رہتا، آرام کرتا ہوتا، بادشاہون اور مشیران ملک

کے ساتھ جنھون نے اپنے لئے خرابات[1] بنوائے، (۳: ۱۲)

۲- پھر حضرت ایوبؑ پر کچھ ایسی افتاد پڑی کہ سفر ایوب کا ناظم حضرت ایوبؑ کی زبان سے کہتا ہے،

"مین اُن پر ہنستا تھا، گروہ نذر نہ ہوتے تھے، میرے چہرے کا نور گرانہ دیتے تھے، (۲۹: ۲۴)

اب تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی مجھ سے ٹھٹھول کرتے ہین، (۳۰: ۱)

۳- یہ حالت اس لئے ہوگئی تھی کہ اُن کی حکومت جاتی رہی، چنانچہ ناظم مباحثہ حضرت ایوبؑ کی زبان سے کہتا ہے،

"زمین شریرون کے ہاتھ مین چھوڑ دی گئی (۹: ۲۴) نئی نئی فوجین مجھ پر چڑھ آئین (۱۰: ۱۷)

خدا نے مجھے بے انصافون کے حوالہ کیا، اور بے دینون کے ہاتھ مین ڈال دیا ہے (۱۶: ۱۱)

اس کے تیر اندازون نے مجھے گھیرا (۱۶: ۱۳) اس نے مجھے شکست پر شکست دیکے توڑا، (۱۶: ۱۴)

۴- یہ مصیبت تو تھی ہی، اس پر اضافہ یہ ہوا کہ اس نے میرے بھائیون کو مجھ سے دور کیا، میرے ہمدم بیگانے ہوگئے، میرے رشتہ دار مجھ سے دور ہوگئے، (۱۹: ۱۳) خداوندا تو نے میرا سارا خاندان برباد کر دیا ہے، (۱۶: ۷)

(۵) حکومت گئی، اقربا بچھڑے، بے دینون کے قبضہ مین گرفتار ہوگئے، ان مصائب پر ایک چوتھی مصیبت کا اضافہ ہوا، وہ یہ کہ ان کا بدن بگڑ گیا، چنانچہ حضرت ایوبؑ کی زبان سے ناظم کہتا ہے،

لبش بشری رمہ وجیش عوفر میرا بدن کیڑون سے اور خاک کے ڈھیلون

عوری راجع ویماس (۷: ۵) سے ملبس ہے میرا چمڑا سمٹتا ہے اور گھٹتا ہے،

---

[1] عبرانی حرربوت مراد مقبرے،

۷ - ان تمام مصیبتون پر غم بالائے غم ان کو یہ تھا کہ

لعبدی قراتی ولا یعنه یهوفی تحنن	مین نے اپنے چاکر کو پکارا اس نے جواب
لوروحی زاره لاشتی وحنوتی لبنو بطنی	نہ دیا، مین نے اپنی زبان سے اس کی منت
(۱۹: ۱۷)	کی میری جان سے میری جورو کو، اور میری
	منت سے میرے پیٹ کے بیٹون کو نفرت ہے

یہ ہے حضرت ایوبؑ کے حالات کا خلاصہ جو حضرت ایوبؑ اور ان کے دوستون کی اس گفتگو سے ماخوذ ہے، جسے سفر ایوب کے ناظم نے بیان کیا ہے، نثر مین جس نے مقدمہ اور تتمہ لکھا ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ سرزمین عوص کے باشندے تھے، اور بنی قدم مین سب سے زیادہ معزز تھے، لیکن ایک دن شیطان چند اور بنی الوہیم کے ساتھ خدا کے دربار مین حاضر ہوا، خدا نے اس کے سامنے تعریف کی کہ دنیا بھر مین ایوب جیسا تام (کامل)، یاسر (راستباز)، یارئی الوہیم (خدا ترس) اور سر مرع (متقی) نہین ہے، شیطان نے ان کو آزمانے کی اجازت مانگی، جو مل گئی، تب اس نے ایوب پر آفتین نازل کین،

حصہ نظم کے مؤلف کے بیان کے مطابق حضرت ایوبؑ پر دشمنون نے حملہ کیا تھا، مقدمہ نویس ان حملہ آورون کو اہل سبا، کسدی لوگ قرار دے کر ڈاکو بتاتا ہے،

حصہ نظم کے مؤلف کے بیان کے مطابق حضرت ایوبؑ کا بدن بگڑ گیا تھا، اس کی وجہ مقدمہ نویس یہ بتاتا ہے کہ شیطان نے ایوب کو مارا، ایسا کہ تلوے سے چاندی تک ان کے بدن مین جلتے پھوڑے نکل آئے (۲: ۷)

ناظم کے بیان کے مطابق حضرت ایوبؑ کی بی بی اُن سے نفرت کرنے لگی تھین، مقدمہ نویس کا بیان ہے کہ اُن کی بی بی نے کہا،

علاک محزیق بتومتک جارک	ابتک تو اپنے دین پر قائم ہے، خدا کو
الوھم وموت	سلام[۱] بول اور مرجا (۲: ۹)

---

[۱] لفظی ترجمہ مبارک بول، محل کلام بتاتا ہے، کہ مراد اس سے ناتا توڑلے،

حضرت ایوبؑ نے اسے یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ تو ایک بے وقوف عورت کی طرح بولی، کیا ہم خدا کی نعمتوں کو تو قبول کریں، اور اس کی بدی کو قبول نہ کریں"

مقدمہ نویس نے ان مصائب پر جن کا ذکر ناظم نے کیا ہے، دو مصیبتوں کا اور اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے :-

۱- آسمان سے آگ برسی، سارے نوکر چاکر جل مرے،

۲- آندھی سے گھر گرا، حضرت ایوبؑ کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں دب مریں،

آخر میں نظم نقل کرنے کے بعد تتمہ نویس لکھتا ہے کہ حضرت ایوبؑ اور اُن کے دوستوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی، اس کے بعد خدا نے حضرت ایوبؑ پر نوازش فرمائی، اُن کے سب بھائی بہن اور جان پہچان اُن سے آملے، خدا نے اُن کو پہلے سے زیادہ دولت مند بنا دیا، اور پھر سے اُن کو سات بیٹے اور تین بیٹیاں عطا کیں۔

یہ ہے قصۂ ایوب جو ان لوگوں کے پیش نظر رہا ہوگا، جن کے حضرت ایوبؑ وغیرہ کو اسرائیلی کہنے کی بنا پر سورہ صاد کی آیتیں اتریں، اسی قصہ کی بعض باتوں کی خدا نے قرآن میں اصلاح فرمائی ہے،

قرآنی فیصلہ | ہم نے ابھی بتایا ہے کہ سفر ایوب کے حصۂ نظم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ ایک نامی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس کی تصدیق صاف لفظوں میں تو نہیں مگر اشارۃً قرآن مجید بھی کرتا ہے، چنانچہ سورۂ انعام میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر کے بعد خدا نے فرمایا ؛-

ووھبنا لہ اسحاق ویعقوب کلا	اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا
ھدینا ونوحا ھدینا من قبل و	کئے، ہر ایک کو ہدایت دی، پہلے نوح کو
من ذریتہ داؤد وسلیمان و	ہدایت دی تھی، اور ان کی ذریت میں
ایوب ویوسف وموسیٰ وھارون	سے (1) داؤد اور سلیمان، اور ایوب اور

وکذلک نجزی المحسنین و ذکریا	یوسف اور موسیٰ اور ہارون (دیئے) اور
ویحیی وعیسیٰ والیاس وکل من	بھلے کام کرنے والون کو ہم یون جزا دیتے
الصالحین ،	ہین اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس
	اور ان مین سے ہر ایک صالح تھا ،
واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطا	اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور
وکلا فضلنا علی العٰلمین	لوط (دیئے) اور ہر ایک کو سارے جہان
(انعام ع ۱۰)	پر فضیلت بخشی۔

ان آیتون مین حضرت نوح کے علاوہ جن کے نام کے ساتھ (من قبل) کا لفظ بڑھا کر خدا نے اُن کو حضرت ابراہیمؑ سے قدیم بتایا ہے، باقی تمام افراد حضرت ابراہیمؑ کے بعد گذرے، ترتیب ذکر ان کی تاریخی نہین ہے، حضرت نوحؑ سے پہلے جن دو پیغمبرون کا ذکر کیا ہے، وہ آج یہان بستے تھے اور کل وہان، اُن کے بعد جن پیغمبرون کے نام ہین، وہ مستقل شہرون اور بستیون کے باشندے تھے، ان کو تین گروہون مین تقسیم کیا گیا ہے،

گروہ اول مین سے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ بنی اسرائیل کے مشہور بادشاہ تھے، اُن کے بادشاہ ہونے کا ذکر بائبل اور قرآن مین بصراحت وارد ہے، حضرت یوسفؑ کے باب مین اتنا کہنا کافی ہے، کہ وہ خدا کا شکر کرتے تھے کہ

"رب آتیتنی من الملک. (یوسف) خدایا تو نے مجھے بادشاہی عطا کی ہے،

حضرت ہارون حضرت موسیٰؑ کے وزیر یعنی اُن کے کامون مین اُن کا ہاتھ بٹانے والے تھے، حضرت موسیٰ کی بابت سفر تثنیہ مین ہے،

" وہ یسورون مین بادشاہ تھا، جب قوم کے سردار اکٹھے، اور اسرائیل کے اسباط

ایک تھے، (تثنیہ ۳۳: ۵)

یسورون بنی اسرائیل کا قدیم لقب ہے (یشعیاہ ۴۴: ۲) اس لفظ کے معنی ہیں راست باز لوگ، گروہ دوم کے سارے پیغمبر وہ ہیں، جو دوسرے بادشاہوں کے ماتحت محکومانہ زندگی بسر کرتے تھے،

گروہ سوم میں سے حضرت اسمٰعیل ؑ اور حضرت لوط ؑ نہ خود بادشاہ تھے، نہ کسی بادشاہ کی رعایا، حضرت الیاس ؑ اور حضرت الیسع ؑ اپنے زمانہ کے بادشاہوں کے مخالف اور ان کے باغی تھے، ان کی بابت بھی کہا جاسکتا ہے، کہ وہ نہ حاکم تھے اور نہ محکوم، حضرت یونس ؑ جس شہر کے باشندوں کی اصلاح پر مامور ہوئے، اس کے نہ وہ خود بادشاہ تھے، اور نہ وہاں کے بادشاہ کی رعایا تھے، الغرض حضرت نوح ؑ کے بعد جن پیغمبروں کا ذکر ہے، ان کو خدا نے تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے،

۱۔ ملوک وامراء

۲۔ محکوم رسل

۳۔ ایسے رسل جو نہ حاکم تھے نہ محکوم،

حضرت ایوب ؑ کا ذکر گروہ اول میں ہے، اس لئے ہم ان آیتوں کو ایوب باب ۲۹ کے مضمون کی تصدیق باور کرتے ہیں،

خاندان ایوب | سورۂ انعام کی ان آیتوں میں حضرت نوح ؑ کے ذکر کے بعد جن انبیاء کے نام ہیں اُن میں سے حضرت لوط ؑ حضرت ایوب ؑ اور حضرت یونس ؑ کے علاوہ سب کے سب بنی ابراہیم میں سے ہیں، خدا نے حضرت نوح ؑ کے نام کے بعد اُن کے ذکر سے پہلے "ومن ذریته" اس لئے بڑھایا ہے، کہ سب کو ذریت ابراہیم نہ سمجھ لیا جائے، تاہم سب کے سب حضرت ابراہیم کے لئے بمنزلہ ذریت جو ذریت بنین ہیں کیونکہ ان سب کا ذکر اس دین کی تفتیش کے طور پر آیا ہے، جس سے خدا نے حضرت ابراہیم کو نوازا تھا،

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے، اس لئے وہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے بمنزلہ ذریت تھے، سورۂ بقرہ مین ایک جگہ ( ) فرزندان یعقوب کی زبان سے آبائے یعقوب مین حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاق کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ کا ذکر بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان دونون کے محاورہ کے مطابق آبا مین عمام بھی داخل تھے جس طرح حضرت اسماعیلؑ کا شمار آبائے یعقوب مین ہوا تھا، اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو بھی آبائے لوط مین شمار کیا جا سکتا ہے، حضرت ایوبؑ اور حضرت یونسؑ کا نسب بحث طلب ہے، لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ یہ دونون بھی اگر حضرت ابراہیمؑ کی اولاد نہین، تو ترا جمند بمنزلہ اولاد ضرور تھے،

حاکم نے حضرت سمرہ بن جندبؓ سے کعب بن مالک کے ایک قول کی تخریج کی ہے جس مین حضرت ایوبؑ کے والد بزرگوار کا نام اموص وارد ہے، اس کے بعد محمد بن اسحاق کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ان کو وہب بن منبہ کا ارشاد ایک غیر متہم کے توسط سے معلوم ہوا، کہ وہ تھے ایوب بن اموص ابن زارح بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم (ج ۲ ص ۵۸۱) طبری نے بھی ابن اسحاق کے اس قول کو نقل کیا ہے، مگر طبری مین اموص کی بجائے موص چھپا ہے، ( ) اموص اصل مین موص تھا، یہ نام عوص کی تصحیف ہے، حضرت ایوبؑ کو ابن عوص کہا جاتا تھا، لیکن عوص اُن کے باپ کا نام نہ تھا، بلکہ سفر ایوب مین ہے کہ وہ سرزمین عوص کے باشندے تھے، (۱:۱) پرانے زمانہ مین ایک مقام کو باشندے کو اس مقام کا فرزند کہا جاتا تھا، چنانچہ سفر ایوب مین باشندگان قدم کے معنی مین بنی قدم کا لفظ آیا ہے (۱:۳) اس کی اور مثالین بھی ہین، حضرت ایوب کو باشندہ عوص ہونے کی وجہ سے ابن عوص کہا جاتا تھا، اس لئے نسب نامہ سے یہ نام حذف کر دینا چاہئے، طبری نے ابن اسحاق کا قول نقل کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ ابن اسحاق کے علاوہ دوسری روایات مین موص کے باپ کا نام زارح بن عیص کی بجائے رغویل ابن عیص ہے، توراۃ مین زارح کو رعوایل کا اور ان کو عیسو کا بیٹا بتایا گیا ہے، اس لئے ہم تعین کرتے ہین

کہ وہب بن منبہ نے ایوب بن موص کو زارح بن رعوائل بن عیص کا بیٹا بتایا تھا، موص کا نام حذف کرنے کے بعد حضرت ایوبؑ کا پورا نسب نامہ یون بن جاتا ہے کہ

ایوب بن زارح بن رعوائل بن عیسو،

اس نسب نامہ کو صحیح مان لینے کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام توراتی یوبب بن زارح (تکوین ۳۶: ۳۳) یا اُن کے حقیقی بھائی تھے، فارسٹر نے ایک سریانی تفسیر کے عربی ترجمہ کا حوالہ دیکر حضرت ایوبؑ کو یوبب قرار دیا ہے، یوبب بن زارح ان آٹھ بادشاہون مین سے دوسرے بادشاہ تھے جنھون نے ادوم کے علاقہ مین بنی اسرائیل کے درمیان کسی بادشاہ کے برپا ہونے سے پہلے حکومت کی تھی (تکوین ۳۶: ۳۱)

اس نسب نامہ کی صحت کی صورت مین جس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہین ہے، حضرت ایوبؑ صرف آل اسحاق سے تھے، بلکہ آل اسماعیل سے بھی تھے، کیونکہ رعوائل کی مان کا نام بشامہ تھا، (تکوین ۳۶ : ۱۳) اور یہ حضرت اسماعیلؑ کی بیٹی تھین (تکوین ۳۶: ۳)

طبری نے لکھا ہے کہ

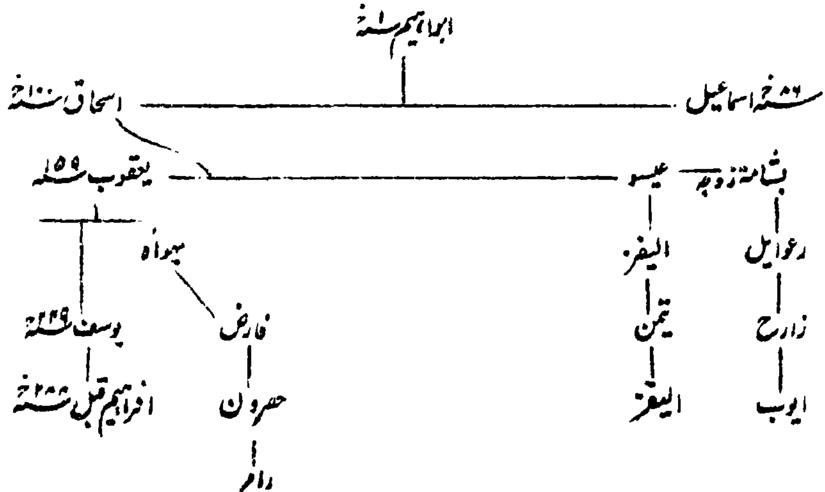
"بعض کا قول ہے کہ وہ تھے ایوب بن موص رعوائل اور ان کے باپ ان میں سے تھے جو حضرت ابراہیمؑ پر اس دن ایمان لائے تھے، جس دن اُن کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا" (طبری)

یہ قول ہمارے نزدیک دو وجوہ سے ناقابل قبول ہے، ایک تو یہ ہے کہ اس قول کے مطابق حضرت ایوبؑ الیفز تیمانی کے معاصر نہین ثابت ہوتے جن کا ذکر سفر ایوب مین ہے، دوسری یہ ہے کہ اس قول کے مطابق وہ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت یا قرابت دار بمنزلہ ذریت نہین ثابت ہوتے، حالانکہ آیات انعام مین اس کی طرف صریح اشارہ ہے کہ وہ حضرت یعقوبؑ جیسے نہین تو حضرت لوطؑ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قرابت مند ضرور تھے،

طبری نے ایک قول غیاث بن ابراہیم کا نقل کیا ہے کہ ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی ماں لوط کی بیٹی تھیں اور ان کی جورو لیاہ بنت یعقوب تھیں،

یہ قول بھی قابل تردید ہے، اس قول کے مطابق حضرت ایوبؑ الیفز تیمانی سے صدیوں قبل کے آدمی ثابت ہوتے ہیں علاوہ بریں توراۃ کے مطابق لیاہ حضرت یعقوبؑ کی بی بی حضرت یہوداہ کی ماں اور حضرت یوسفؑ کی خالہ تھیں، اور حضرت لوطؑ کے دو ہی نواسے تھے، مواب اور عمون،

حضرت ایوبؑ کا زمانہ صحیح نسب نامہ وہی ہے جو وہب بن منبہ نے بیان کیا، اس نسب نامہ کے مطابق حضرت ایوبؑ اور الیفز تیمانی ہم عصر ثابت ہو سکتے ہیں، دونوں کا نسب نامہ حسب ذیل ہے،



محمد بن جریر طبری نے تاریخ الرسل والملوک میں حضرت ایوبؑ اور حضرت شعیبؑ کا ذکر حضرت یوسفؑ سے پہلے کیا ہے، اور لکھا ہے،

"ہم نے ان کی خبر اور قصہ کو یوسف علیہ السلام کی خبر اور قصہ پر پہلے اس لئے بیان کیا ہے کہ ذکر کیا جاتا ہے، وہ حضرت یعقوب والد یوسف کے زمانہ میں تھے،

حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ لوگوں نے حضرت ایوبؑ کے زمانہ بعثت میں اختلاف کیا ہے

وہب بن منبہ کا بیان ہو کہ وہ فرزندان ابراہیم سے تھے، یوسف کے بعد...... محمد بن جریر نے ذکر کیا کہ وہ شعیب کے بیٹے تھے، ابو بکر بن ابی خیثمہ نے اس بات کو ترجیح دیا ہو کہ ان کا زمانہ حضرت سلیمانؑ کے بعد تھا،

ہمارے نزدیک مرجح قول وہب بن منبہ کا ہے، ابو بکر بن ابی خیثمہ کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ انعام، انبیار اور ص مین حضرت ایوب کا ذکر حضرت سلیمانؑ کے بعد آیا ہے، اس لئے اکثر لوگ حضرت سلیمانؑ کے بعد اُن کے خیال اور ذکر کے عادی تھے، لیکن ان سورتون مین انبیار کا ذکر تاریخی ترتیب سے نہین آیا ہو۔

انعام کی آیتون کے بارے مین بتایا جا چکا کہ خدا نے ترتیب ذکر مین اُن کی نوعیتون کا لحاظ رکھا اور اُن کو چار مجموعون مین تقسیم کیا، مجموعۂ اول مین دو پیغمبر ہین جو یک مقامی نہ تھے، مجموعۂ دوم مین وہ انبیار مذکور ہین، جو ملوک یا امرا تھے، اس مجموعہ کی ترتیب اس حقیقت پر مبنی ہے جس کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ان کو حضرت ابراہیم کے حق مین جزاے احسان بتایا ہے، اور وہ حقیقت مین ان کا ملوک ہونا ہے، ترتیب مین اُن کے حاکمانہ اقتدار کے پیمانون کا لحاظ ہے، مجموعۂ سوم مین صالحیت کے لحاظ سے اور مجموعہ چہارم مین سارے جہان پر فضیلت کی ترتیب مرعی رکھ کر حضرت الیاسؑ اور حضرت لوطؑ کے تاریخی مقامات بدل دیئے،

سورۂ انبیار مین انبیار کے محامد مذکور ہین، اور ترتیب مین محامد کا لحاظ رکھا گیا ہو،

سورۂ صاد کی بابت بتایا گیا ہے، کہ کفار کے چند انبیار کو اشرار کہنے کی بنا پر اسی سورہ مین اُن کے تذکرے آئے، اس سورہ مین ۹ انبیار کا ذکر ہے،

۱۔ حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت ایوب کے قصون مین سے چند واقعات دہرائے گئے ہین

۲۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوبؑ کی بابت قصہ سنائے بغیر اُن کو برگزیدہ اخیار مین سے بتایا، اس جگہ اتفاق کی بات یہ ہو کہ برگزیدگی کی ترتیب اور تاریخی ترتیب ایک ہو،

۳۔ حضرت اسماعیلؑ حضرت الیسعؑ اور حضرت ذوالکفلؑ برگزیدہ "اخیار" کہنے کی جگہ صرف اخیار کہا کیونکہ مجموعۂ دوم کے انبیاء کا درجہ ان سے بلند تھا، اس مجموعہ کی ترتیب میں بھی ان انبیا کے مدارج خیر و خوبی کا لحاظ ہے اتفاق کی بات ہے کہ تاریخی ترتیب بھی یہی ہوا

مجموعۂ اوّل کی ترتیب مین کفار کے اقوال کی ترتیب کا لحاظ کیا گیا ہے، اور جس پر جتنا زیادہ سخت اعتراض تھا اتنا ہی قبل اس کا ذکر کیا گیا ہے حضرت داؤدؑ پر قصہ اوریا کی بنا پر اخلاقی اتہام لگایا جاتا تھا جس کی قرآن کریم نے اپنے طرز بیان سے اصلاح کی ہے، حضرت سلیمانؑ پر جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت (ماکفر سلیمان) سے ظاہر ہے کہ کفر کا الزام تھا، حضرت ایوبؑ کو جس دلیل سے شریر کہا جاتا تھا وہ یہ تھی،

"خدا سچے آدمیون کو مردود نہین کرتا (ایوب ۸ : ۲۰) تونے میرے سنتے ہوئے کہا مین نے تیری آواز سنی جو یہ باتین کہتی تھین کہ مین پاک ہون، گناہ سے مبرا ہون، صاف ہون مجھ مین بدی نہین، (ایوب ۳۳ : ۹) کیا کوئی شخص اپنی زاد و گوئی سے بے گناہ ٹھہرے گا، (۱۱ : ۲) خیال کر کیا کوئی بے گناہ ہوتے ہوئے ہلاک ہوا ہے، صادق کہان مارے گئے، (۴ : ۷)

ان پر کوئی متعین اعتراض نہ تھا، صرف اُن کے مصائب کو اس بات کی دلیل قرار دیا جاتا تھا کہ ضرور اُن سے کوئی خطا ہوئی ہے، اس لئے اعتراض کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت ایوبؑ کا ذکر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے بعد آیا ہے، حضرت ایوبؑ الیفز تیمانی کے معاصر تھے جو حضرت سلیمانؑ کے مورث اعلیٰ رام کے ہم پشت تھے جن کا زمانہ حضرت موسیٰؑ سے بہت پہلے گذرا ہے،

جن لوگون نے حضرت ایوبؑ کو حضرت یوسفؑ سے فرار دیا ہے، ان کے قول کی بنیاد وہ روایتین ہین جن کو ہم مسترد کر چکے ہین، حضرت ایوبؑ کا ذکر انعام، انبیاء ومن کے علاوہ سورۂ ص میں بھی آیا

جس کے تذکرہ سے ہم نے اس مضمون کی ابتدا کی ہے، اس آیت میں بھی کئی انبیاء کے نام ہیں، اس
کی ترتیب ذکر پر بھی غور کر لینا ضروری ہے،

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح	ہم نے تم پر وحی اتاری جس طرح نوحؑ
والنبیین من بعدہ واوحینا الی	اور ان کے بعد کے پیغمبروں اور ابراہیم
ابراھیم واسمٰعیل واسحاق	اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب
ویعقوب والاسباط وعیسیٰ	اور اسباط، اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس
وایوب ویونس وھارون و	اور ہارون اور سلیمان پر وحی اتاری تھی
سلیمان وآتینا داؤد زبورا	اور داؤد کو زبور دیا تھا نیز چند رسولوں
ورسلا قد قصصناھم علیک	کو جن کے قصے ہم نے تم کو سنائے، اور
من قبل ورسلا لم نقصصھم	کچھ رسولوں کے قصے ہم نے تم کو نہیں
علیک وکلم اللہ موسیٰ تکلیما (نساء)	سنائے، اور اللہ نے موسیٰ کے ساتھ

اس آیت میں چند کے سوا باقی انبیاء کے نام تاریخی ترتیب سے ہیں، اصل موضوع یہ بتانا ہے
کہ آپ پر بھی خدا نے انہی طریق سے وحی اتاری جس طریق سے ان انبیاء پر اتاری، حضرت موسیٰ
کا ذکر تاریخی ترتیب کے مطابق حضرت ہارونؑ کے قریب ہونا چاہئے، لیکن ان کا ذکر مؤخر کر دیا،
وجہ تاخیر نوعیت وحی کی اہمیت ہے اس اہمیت کو سمجھنے کے لئے ہم کو تورات پر نظر کرنی چاہئے، سفر
عدد کے مولف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مریمؑ اور حضرت ہارونؑ نے کہا کیا خداوند نے موسیٰ
سے باتیں کی ہیں، اور ہم سے نہیں کی ہیں؟ خدا نے یہ بات سنی اور فرمایا کہ اگر تم میں کوئی نبی ہو تو

بمراۃ الا یدا تودع بحلوم ادبر بو	رؤیا میں اس پر نمودار ہوتا ہوں خواب
لا کین عبدی موسیٰ لکل بیتی	میں اس سے بولتا ہوں، لیکن میرا بندہ

لہ لفظی ترجمہ ایسا نہیں ہے،

نشن هوا۔ فی اَلْ فی اَ ذْ بَر بو د — موسیٰ میرے سارے گھرانے مین منہ
مِی اَلا وکَا بحیدن وت وتمونت — سے منہ تک اس سے باتین کرتا ہون،
یهوکا بیبط (عدد ۱۲: ۶ تا ۸) — نیز رویا مین مگر رمز و کنایہ مین نہین اور
وہ خدا کی شبیہ دیکھتا ہے،

قرآن کریم نے ایک دوسرے موقع پر شبیہ دیکھنے کے قصہ کی تردید کی ہے، جو جامع عدد کا شارحانہ اضافہ ہے، جن لوگون کے قول کی بدولت یہ توراتی آیت اُتری تھی، ان مین ہم حضرت ہارونؑ کو بادر نہین کرتے لیکن جس قول کی وجہ سے یہ آیت اُتری تھی اسمین حضرت ہارونؑ کا لفظاً نہ سہی معناً ذکر ضرور تھا، چونکہ حضرت ہارونؑ پر جس طریق سے وحی اترتی تھی، وہ اس طریق سے مختلف تھی جس سے حضرت موسیٰؑ پر اترتی تھی، اس لئے حضرت موسیٰؑ کے ذکر کو اُن کے طریق وحی کے اوضح ہونے کی بنا پر حضرت ہارونؑ کے قریب سے ہٹا دیا، اور اہمیت کا خیال کرکے اسے موخر کر دیا،

حضرت ہارونؑ پر جس طریقہ سے وحی اترتی تھی، اس کا توراتی نام حیدوت ہے، جس کا لغوی ترجمہ "رمز" یا اشارہ ہے، قرآن مین حضرت زکریاؑ کی بابت مذکور ہے کہ خدا نے جب اُن کو یحییٰ کی بشارت دی تو انھون نے درخواست کی کہ اے میرے رب! میرے لئے ایک نشان مقرر کر دے، خدا نے فرمایا،

آیتک الا تکلم الناس ثلاثۃ ایام الا رمزا، (عمران - ۴)

اس کے بعد انھون نے بطریق رمز اپنے لوگون کو حکم دیا کہ

سبحوا بکرۃ وعشیا۔ (ع - مریم)

اس طریق "رمز" کا ذکر خدا نے ایک موقع پر یون فرمایا ہے کہ

فاوحیٰ الیھم (ع ۱ - مریم)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی اصطلاح مین اوحیٰ کا مطلب وہی ہے جو توراتی بولی مین

قید پر بجیدوت" کا لفظ ادا کرتا ہے،

انبیا پر عالم رویا مد عالم بیداری دونون مین تین طریقون سے وحی اترتی ہے،

۱۔ کبھی ایسا ہوتا... کہ وہ نہ آواز سنتے نہ تحریر دیکھتے بلکہ پُر اسرار طریقہ پر کلام الٰہی اُن کے دل مین اتر جاتا، یہی وحی ہے،

۲۔ کبھی وہ کانون سے کلام سنتے پھر کچھ عرض کرتے، اور اس کا جواب پاتے، یہ ہے تکلم من وراء حجاب،

۳۔ کبھی عالم رویا یا عالم بیداری مین اُن کو زُبر (مٹی، پتھر یا دھات کی لوحون پر لکھی ہوئی عبارتین نظر آتی تھین، اس طریق وحی کا نام ایتاے زبور" ہے، حضرت داؤدؑ کا نام تاریخی ترتیب کے مطابق حضرت سلیمانؑ سے قبل ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ یہ طریق وحی حیدوت سے افضل اور تکلم سے فروتر تھا، اس لئے ان کا نام سلیمان و موسیٰ کے درمیان رکھا گیا،

حضرت یونسؑ کا نام حضرت سلیمانؑ کے بعد ہونا چاہئے تھا لیکن اُن کا نام حضرت ایوبؑ کے بعد ہے، یہ تقریباً حضرت ایوبؑ کے ہم قسمت تھے، انھون نے بھی اپنے دکھ مین حضرت ایوبؑ کی طرح خدا کو پکارا تھا۔ دونون کی پکار مین جو فرق تھا، اس کا لحاظ کر کے حضرت یونسؑ کا نام حضرت ایوبؑ کے بعد رکھا، کیونکہ دونون کے صبر و عزم مین ایسا ہی فرق تھا، حضرت عیسیٰؑ کا نام سب کے آخر مین ہونا چاہئے تھا، مگر یہ بھی حضرت ایوبؑ کے ہم قسمت تھے، حضرت ایوبؑ کو بے دینون کے حوالہ کیا گیا تھا (ایوب ۱۶: ۱۱) حضرت عیسیٰؑ پر بھی کچھ ایسی ہی گذری، صبر و رضا مین حضرت مسیح کا درجہ حضرت ایوبؑ سے اس لئے بلند تھا کہ وہ دشمن سے محبت رکھتے تھے، ان کے درجۂ صبر کا لحاظ کر کے خدا نے ان کا ذکر حضرت ایوبؑ سے مقدم کیا، غالباً حضرت عیسیٰؑ، حضرت ایوبؑ اور حضرت یونسؑ پر جس طرح وحی اترتی تھی وہ طریق بھی بہت زیادہ یکسان تھا،

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یونسؑ کے ناموں کی تاریخی جگہیں بدلنے کی وجہ ظاہر ہے، حضرت ایوبؑ کا نام جس جگہ ہے، وہ ان کی تاریخی جگہ ہے، وہ اسباط یعنی فرزندان یعقوب کے بعد اور حضرت ہارونؑ سے پہلے گذرے، وہب بن منبہ کے قول کے مطابق یہی ان کا تاریخی مقام ہے،

ہم نے حضرت ایوبؑ اور اُن کے دوست الیفز کا جو شجرہ دیا ہے، اس میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے سنین پیدائش بھی دیئے ہیں، جناب عقرونؑ اور افراہیم بن یوسف ۲۳۰۰ خلیل سے پہلے پیدا ہو چکے تھے، تقریباً یہی زمانہ ولادت حضرت ایوبؑ کا فرض کیا جاسکتا ہے، وہ اسباط کے بعد مبعوث ہوئے، اسباط میں سے ایک حضرت یوسفؑ تھے جنھوں نے ۱۱۰ برس کی عمر میں وفات پائی، ان کا سال وفات ۲۳۵۰ خلیل ہے، اسی سال کو حضرت ایوبؑ کا سال بعثت قرار دیا جائے، تو چونکہ اُن کی عمر ۱۴۰ برس بتائی جاتی ہے (ایوب ۴۲ ب) جس میں سے ۷۰ برس پہلے گذر چکے ہوں گے، اس لئے حضرت ایوبؑ کا زمانہ ۲۳۵۰ خلیل تا ۲۴۲۰ خلیل قرار دیا جاسکتا ہے، اُن کی وفات کا زمانہ ولادت موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ۲۰۰ برس پہلے فرض کیا جاسکتا ہے، سفر ایوبؑ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ پر جن ایام میں آفتیں نازل ہوئیں، اس وقت تک وہ وحی والہام سے مشرف نہیں ہوئے تھے، خدا نے ان کو وحی والہام سے اس وقت نوازا جب وہ امتحان و آزمایش میں پورے اتر لیے،

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے
رفاہِ عام کے کام

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

"مسلمانون نے اپنے عہد حکومت مین ہندوستان کو تمدنی حیثیت سے جس قدر ترقی دی، اور اس صحرا کو جس طرح گلستان بنایا، اس کے آثار و مظاہر سے اگرچہ ہندوستان کا کوئی حصہ اور ہندوستانی تمدن کی کوئی شاخ بھی خالی نہین ہے، پھر بھی اس دور کے بہت سے تمدنی کارنامے صرف تاریخ کے صفحات مین ملتے ہین، اگرچہ علامہ شبلی اور بعض دوسرے اہلِ علم و اصحاب قلم نے اردو اور انگریزی مین اس کے مختلف پہلوؤن پر مضامین اور کتابین لکھی ہین، لیکن اس موضوع پر اب تک کوئی جامع کتاب نہین لکھی گئی ہے، اور ابھی اس کے بہت سے رُخ نگاہون کے سامنے نہین آئے ہین، دارالمصنفین مین تاریخ ہند کے سلسلہ مین ایک جلد ہندوستان مین اسلامی تمدن کی تاریخ پر بھی لکھی جارہی ہے، اس مین ان سب کی پوری تفصیل ہوگی، آج جب کہ ہندوستان کے پرانے تمدن کے زندہ کرنے کا شور ہے، اس کتاب کے جستہ جستہ ٹکڑے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس نمبر مین اس کی پہلی قسط شائع کیجاتی ہے۔ "م"

تمدن کے ضروری اجزا مین چند چیزین ایسی ہین، جن سے تمام مخلوق یکسان طور پر فائدہ اٹھاتی ہے،

اور اس مین امیر و غریب، ہندو اور مسلمان کی کوئی تفریق نہین ہوتی، انھی چیزون کو رفاہِ عام سے تعلق ہوتا ہے، اور مسلمانون نے اپنے دورِ حکومت مین رعایا کے آرام و آسایش کے لئے ہندوستان مین نہایت وسیع پیمانے پر تمدن کے ان ضروری اجزاء کو ترقی دی، چنانچہ ان سب کی تفصیل یہ ہے:

شفاخانہ اسلامی عہد حکومت مین سب سے پہلے فیروز شاہ تغلق نے جو ۷۵۲ھ مین تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، ایک بہت بڑا شفاخانہ جس کو صحت خانہ بھی کہتے تھے، قائم کیا، اور اس مین بہت سے طبیب، جراح اور کحال مقرر کئے، مریضون کی دوا اور غذا کا انتظام کیا، اور شفاخانے کے مصارف کے لئے بہت سے دیہات وقف کئے،[۱]

تاریخ فیروز شاہی مین صرف اسی ایک شفاخانہ کا حال لکھا ہے، لیکن تاریخ فرشتہ مین ہے کہ فیروز شاہ نے پانچ شفاخانے قائم کئے تھے،[۲]

اس کے بعد سلطان علاؤ الدین بن سلطان احمد شاہ بہمنی المتوفی ۸۳۸ھ نے احمد آباد بیدر مین ایک نہایت عمدہ شفاخانہ قائم کیا اور مریضون کی دوا و غذا کے مصارف کے لئے اس پر چند گاؤن وقف کئے،[۳]

تاریخ دکن مین لکھا ہے کہ سلطان علاؤ الدین پہلا شخص تھا، جس نے دکن کے شہرون مین شفاخانے قائم کئے، اور اطباء کی تنخواہ اور دوا کے مصارف کا انتظام سرکاری خزانہ سے کیا،[۴]

اسی صدی مین سلطان محمود خلجی نے جو ۸۳۹ھ مین یعنی سلطان علاء الدین کی تخت نشینی کے چند ہی سال بعد مالوہ کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، ۸۴۹ھ مین شادی آباد مین ایک شفاخانہ قائم کیا، اور دوا اور دوسرے ضروری سامان کے لئے اس پر چند گاؤن وقف کئے، اور حکیم مولانا

۱؎ تاریخ فیروز شاہی حصہ دوم از ص ۳۵۳ تا ص ۳۵۵ ۲؎ فرشتہ جلد اول ص ۱۵۱ ۳؎ ایضاً جلد اول ص ۳۴۳ ۴؎ تاریخ دکن ص ۵۵

فضل اللہ کو مریضوں اور مجنونوں کے علاج و نگرانی کے لئے مقرر کیا،[۱]

ان بادشاہوں کے بعد سلاطین تیموریہ میں سب سے پہلے جہانگیر نے شفاخانوں کے قیام کی طرف توجہ کی، اور اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی جو احکام جاری کئے، ان میں نواں حکم یہ تھا،

"نہم در شہر ہائے کلان دار الشفاہا ساختہ اطبا بجہت معالجہ بیماران تعین نمایند وانچہ صرف وخرچ می شدہ باشد از سرکار خالصہ شریفہ می دادہ باشند"[۲]

اس کے علاوہ دور اکبری و جہانگیری میں ایک مشہور طبیب حکیم علی تھے، جو ذاتی طور پر تقریباً ۸ ہزار سالانہ کی دوائیں مستحقین کو تقسیم کرتے تھے[۳]

جہانگیر کے بعد شاہجہان کا دور حکومت شروع ہوا تو گو اس نے خود کوئی جدید شفاخانہ نہیں قائم کیا لیکن امرائے شاہجہانی میں وزیر خان نے جو سات سال سے زیادہ مدت تک پنجاب کے صوبہ دار رہے، اپنی یادگار میں جو آثار خیر چھوڑے، ان میں شفاخانے بھی تھے،[۴]

عالمگیر کے زمانہ میں بھی متعدد شفاخانے قائم تھے، اگرچہ تاریخوں میں اس کا مفصل حال مذکور نہیں ہے تاہم جابجا ضمنی طور پر ان کا تذکرہ آجاتا ہے، مثلاً مراۃ احمدی میں ایک موقع پر لکھا ہے،

"و یک ہزار و پانصد و ہشتاد روپیہ موجب برآورد بنا بر ترمیم مدرسہ، مسجد و حمام و دار الشفائے بنا کردہ سیف خان تنخواہ گردید"،[۵]

اسی کتاب میں ایک دوسرے موقع پر لکھا ہے؛

"وخدمت دار الشفائے بلدہ از تغیر حکیم محمد تقی شیرازی بحکیم رضی الدین مقرر گشت"[۶]

---

[۱] فرشتہ جلد دوم ص ۱۰۹ [۲] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۳ [۳] مآثر الامراء حصہ اول صفحہ ۵۶۷ [۴] ایضاً حصہ سوم ص ۹۳۱ [۵] مراۃ احمدی جلد اول صفحہ ۳۰۹ [۶] ص ۳۶۵،

عالمگیر کو چونکہ یہ خاص خیال تھا کہ تمام سرکاری کام نہایت دیانت اور ایمانداری کے ساتھ انجام پائین، اس لئے اُس نے ایک بار ایک سوانح نگار اور شفاخانے کے ایک طبیب کو جو ان اوصاف سے معرا تھے، برطرف کردیا، ملا اسعد اللہ نے جو بندر سورت مین رہتے تھے، اور عالمگیر کو اُن کے ساتھ اس قدر عقیدت تھی کہ وہ جن لوگون کی سفارش کرتے تھے، اُن کو ضرور قبول کرتا تھا، اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے خطوط کا جواب لکھتا تھا، ان دونون کی بحالی کی سفارش کی، اور عالمگیر نے ان کی سفارش سے اُن کو بحال کردیا، تاہم اس کی عقیدت مین بہت کچھ فرق آگیا، پہلے اُن کے خطوط کا جواب خود اپنے ہاتھ سے لکھا کرتا تھا، لیکن اس معاملہ مین اہلکارون سے خط لکھوایا کہ آپ جیسے فاضل فقیر اور پرہیزگار کو صرف فقرار وعلما، کی سفارش کرنی چاہئے، یہ ظالم لوگ ہین، اور ظالمون کی اعانت ممنوع ہے، بہرحال اس دن سے اُن کے خطوط کا جواب اپنے ہاتھ سے لکھنا کم کردیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کو اور تمام محکمون کی طرح شفاخانون کے انتظام کا کس قدر خیال تھا،[1]

سرائے اسلامی دور حکومت مین سب سے پہلے سلطان محمد تغلق شاہ کے زمانہ مین جو ۷۲۵ھ مین تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، سرایون کا پتہ چلتا ہے، جب اس کے عہد مین فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، تو اس نے ایک ایسے شہر کو دارالسلطنت بنانا چاہا، جو دائرے کے ساتھ مرکز کی نسبت رکھتا ہو، تاکہ وہان ممالک محروسہ کی تمام بُری بھلی خبرین یکسان طور پر پہنچتی رہین، اور اگر کوئی حادثہ یا کوئی مرض پیدا ہو جائے، تو اس کا تدارک و علاج آسانی کے ساتھ کیا جا سکے، راجہ بکرماجیت نے اوجین کو جو وسط ہند مین واقع ہے، اسی غرض سے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا، اور سلطان محمد تغلق شاہ

---

[1] خافی خان جلد دوم ص ۱۱۱ و ۶۰۵،

کو بھی اس کے ارکان دولت نے یہی مشورہ دیا لیکن بعض لوگوں نے اس مقصد کے لئے دیوگر کا انتخاب کیا، اور بادشاہ نے بھی اسی رائے کو پسند کیا، اور حکم دیا کہ دلی کے تمام لوگ دیوگر میں جاکر آباد ہو جائیں، اب دیوگر کا نام دولت آباد قرار پایا، اور دلی اور دولت آباد کے درمیان ہر منزل میں سرائیں بنائی گئیں اور راستوں کے کنارے سایہ دار درخت نصب کئے گئے، تاکہ مسافروں کو آمد و رفت میں آسانی ہو[۱]

اس کے بعد سلطان محمود بیگڑہ نے گجرات میں مسافروں کی آرام و آسائش کے لئے نہایت کثرت سے عمدہ عمدہ سرائیں بنوائیں[۲] اسی صدی میں سکندر لودی نے جو ۸۹۴ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، ان تمام مقامات میں جہاں ہندو اشنان یعنی غسل کرتے تھے، سرائے، مسجد، مدرسہ، اور بازار بنوائے[۳]

سکندر لودی کے بعد شیر شاہ المتوفی ۹۵۲ھ نے دہلی سے لاہور تک دو دو کوس کے فاصلے پر سرائیں بنوائیں، اور حکم دیا کہ ان میں مسافروں کو کھانا دیا جائے[۴]

خافی خان لکھتا ہے کہ

"در سراہا طعام پختہ و خام برائے مسافرین و مترددین مسلمین و ہنود قرار داده جہت پختن آن غلامان و نوکران نگاه داشته بود گویند آتش پزان سراہائے ہند کہ بہٹیارہ و بھٹیاری زبان زد مردم ہند گردیده اند از اولاد آنہا مانده اند، و مقرر نمودن اسپان سرکار در سراہا برائے زود رسیدن اخبار مختلفہ روزگار بدربار بطریق ڈاک از اختراع اوست[۵]"

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ شیر شاہ نے بنگالہ اور سنار گاؤں سے آب سندھ تک جس کی درمیانی مسافت

---

[۱] فرشتہ جلد اول ص ۱۳۶ [۲] مرآت سکندری ص ۵، [۳] فرشتہ جلد اول ص ۱۸۶ [۴] ایضاً جلد دوم ص ۱۲۲

[۵] خافی خان حصہ اول ص ۱۰۱،

ڈیڑھ ہزار کوس کی ہے، کوس کوس بھر کے فاصلے پر سرائین بنوائین، اور ہر سرائے مین مسلمانون اور ہندوؤن کے لئے کھانے کا انتظام کیا، اور راستہ مین دو طرفہ پھل دار درخت مثلاً جامن اور کھرنی وغیرہ نصب کرائے، اسی طرح آگرہ سے مندو تک جس کی مسافت تین سو کوس کی ہے، سرائین اور مسجدین بنوائین، اور راستہ مین میوہ دار درخت لگوائے[1] اس حساب سے بنگال اور سندھ کے راستہ مین ڈیڑھ ہزار اور آگرہ سے مندو تک تین سو سرائین تعمیر ہوئین،

شیرشاہ کی وفات کے بعد جب سلیم شاہ اس کا جانشین ہوا، تو اس نے بنگال کے راستہ مین شیرشاہ کی بنوائی ہوئی ہر دو سراؤن کے درمیان ایک اور سرائے کا اضافہ کیا، اور ہر سرائے مین شیرشاہ کی طرح مسافرون کے لئے کھانا مقرر کیا، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

از نیلاب تا بنگالہ درمیان سراہائے شیرشاہ یک سرائے دیگر آبادان ساخت ودر ہر سرا طعام پختہ وخام بطریق شیرشاہ جہت مسافران خواہ فقیر خواہ غنی مقرر کردہ بود[2]

خافی خان لکھتا ہے :-

"مابین دو سرا از سراہائے شیرشاہ سرائے دیگر ساختہ بدستور پدر طعام پختہ و خام مقرر نمودہ بود[3]"

اس کے بعد اکبر کا دور سلطنت شروع ہوا، تو اس نے جا بجا نہایت کثرت سے سرائین بنوائین، ابوالفضل آئین اکبری مین لکھتا ہے،

"و سراہا کہ سرمایۂ آسودگی جہان نوردان، آسایش جائے غریبان کم مایہ است جا بجا ساختہ گردد[4]"

---

[1] فرشتہ جلد اول ص ۲۲۰ [2] ایضاً جلد اول ص ۲۳۲ [3] خافی خان حصہ اول ص ۱۰۲ [4] آئین اکبری جلد اول ص ۱۱۵،

اکبر کے علاوہ اس کے عہد حکومت میں اس کے امراء و متوسلین میں بھی بعض لوگوں نے سرائیں بنوائیں، چنانچہ امرائے اکبری میں ایک شخص شیخ عبدالرحیم لکھنوی تھے جنھوں نے ایک عورت کو جس کا نام کشنا تھا، گھر میں ڈال لیا تھا جب اُن کا انتقال ہوگیا، تو اس عورت نے بہت سے پُر تکلف مکانات، باغ، سرا، اور تالاب بنوائے، اور جس باغ میں شیخ موصوف دفن تھے، اس کے ارد گرد کے گاؤں کو لگان پر لیکر اوس باغ کی رونق بڑھاتی رہی، اور پنج ہزاری منصبدار دن سے لے کر سپاہی تک جب اس راستہ سے گذرتے تھے، تو حسب حیثیت ان کو پُر تکلف دعوت دیتی تھی، صاحب مآثر الامرا، ان واقعات کو لکھ کر لکھتے ہیں،

شیوۂ مرضیہ را از دست نداد تا شصت سال کم و بیش احیائے نام شوہر خود نمود

ع نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد[۵۱]

امرائے اکبری میں ایک اور شخص صادق محمد خان ہروی تھے جنھوں نے دھولپور میں جو آگرہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے، توطن اختیار کر لیا تھا، اور اس میں ایک سرائے ایک عمارت اور ایک مقبرہ بنوایا تھا اور اس کے ارد گرد کے دیہات آباد کئے تھے[۵۲]

اکبر کے بعد جہانگیر کا دور حکومت آیا، تو اُس نے اپنے جلوس کے ساتھ ہی جو احکام جاری کئے، ان میں تیسرا حکم یہ تھا، کہ جو لوگ لاوارث مر جائیں، اُن کے مال و جائداد سے سرکاری طور پر مسجد اور سرائیں بنوائی جائیں، ٹوٹے ہوئے پلوں کی مرمت کیجائے، اور تالاب اور کنوئیں کھدوائے جائیں، انہی میں دوسرا حکم یہ تھا کہ جن راستوں میں چوری اور راہزنی واقع ہوتی ہو، اور وہ آبادی سے دور ہوں، وہاں اطراف و جوانب کے جاگیردار سرائے، مسجد اور کنوئیں تیار کرائیں، تاکہ وہاں آبادی قائم ہو جائے، اور کچھ لوگ ان سراؤں میں جا کر آباد ہو جائیں،[۵۳]

---

۵۱ مآثر الامرا حصہ دوم ص ۵۹۵ ۵۲ ایضاً ص ۲۹، ۵۳ تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۵،

جہانگیر کے زمانہ مین اس کے امرا ے سلطنت نے بھی متعدد سرائین بنوائین، چنانچہ امرا ے جہانگیری مین سعید خان چغتا جو پنجاب کے صوبہ دار تھے، خواجہ سراؤن کے بڑے شیدائی تھے، اور ایک ہزار سے زیادہ خواجہ سرا جمع کر رکھے تھے، جن مین دو خواجہ سرا یعنی اختیار خان اور اعتبار خان اُن کے سب سے زیادہ معتمد تھے، اور اُن مین اختیار خان نے پٹنہ اور بہار مین پل اور سراے بنوائی تھی[۱]

امراے جہانگیری مین ایک اور بزرگ شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری تھے، جنھون نے بہ کثرت سرائین بنوائی تھین، مآثر الامرا مین ہے،

"رباطہا و سرا بسیار بنا گذاشتہ[۲]"

ایک اور امیر اللہ وردی خان تھے، جن کو جہانگیر نے معتقد خانی کا خطاب دیا تھا، اور قراول بیگی کی خدمت پر مامور تھے، اور سیر و شکار مین ہمیشہ جہانگیر کے ساتھ رہتے تھے، انھون نے دِلّی مین ایک باغ اور ایک سراے بنوائی تھی[۳]

شاہ جہان کے زمانہ مین اکبر و جہانگیر کے دورِ حکومت کی طرح اس کے امراے سلطنت نے بھی بہت سی سرائین بنوائین، چنانچہ اعظم خان نے اسلام آباد متھرا مین ایک سراے بنوائی[۴] خان دوران نصرت جنگ نے سرہند سے برہان پور تک دس دس کوس کے فاصلہ پر[۵]، اور قلیچ خان تورانی نے لاہور سے ملتان تک بہ کثرت سرائین بنوائین[۶]

ان تمام سرایون کے باوجود ہندوستان کے بہت سے راستے سرایون سے خالی تھے، بالخصوص اورنگ آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک کے راستے مین مسافرون کو سخت تکلیف ہوتی تھی، اس لئے جب عالمگیر کا دورِ حکومت آیا، تو اس نے عام حکم دیا، کہ جن راستون مین سراے اور

---

[۱] مآثر الامرا جلد دوم ص ۴۰۰ [۲] ایضاً ص ۶۳۹ [۳] ایضاً حصہ اول ص ۲۱۵ [۴] ایضاً ص ۱۷۱ [۵] ایضاً ۵۰، [۶] ۰ حصہ سوم ص ۹۵،

رباط نہ ہوں، ان میں خاص سرکاری خزانے سے پختہ اور وسیع سرائیں جو بازار، مسجد، پختہ کنوئیں اور حمام پر مشتمل ہوں بنوائی جائیں، اور ہر مرحلے میں منزل گاہیں تیار کرائی جائیں، جہاں مسافر اتر کر اپنے مال واسباب کو حفاظت کے ساتھ رکھ سکیں، اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہوا، کہ جو پرانی سرائیں مرمت طلب ہوں اُن کی مرمت کرائی جائے[1]

امرائے عالمگیری میں بھی بعض لوگوں نے سرائے بنوائی، چنانچہ ایرج خان نے ایلچپور کے قریب ایک سرائے بنوائی، اور ایک گاؤں آباد کیا[2]

عالمگیر کے بعد بھی بہت سی سرائیں تعمیر ہوئیں، چنانچہ شاہ عالم کے زمانہ میں اُن کے وزیر خانخاناں نے چاہا کہ ہر شہر میں اُن کے نام سے ایک سرا، ایک مسجد اور ایک خانقاہ تعمیر ہو، اور اس غرض سے جا بجا صوبہ داروں کے نام احکام بھی پہنچ گئے، اور ساتھ ساتھ روپیہ بھی روانہ کیا گیا، اور وسیع پیمانہ پر کام بھی شروع ہو گیا، لیکن اُن کے انتقال سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی[3]

محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں امین الدین خان سنبھلی نے اپنے وطن سنبھل میں ایک نہایت عمدہ سرائے بنوائی[4] حسین علی خان نے بھی جو سادات بارہہ میں تھے، اپنے وطن میں ایک سرائے بنوائی، خافی خان لکھتا ہے،

"در وطن بارہہ نیز بنائے سرا و پل و دیگر بناہائے عاقبت بخیر گذاشتہ[5]"

اسی عہد میں نواب آصف جاہ نے جو ۳۰ سال تک دکن کے چھ صوبوں کے حاکم رہ چکے تھے ایک کاروان سرا بنوایا، ماثر الامرا میں ہے،

"و مسجد و کاروان سرا و دولت خانہ و پل تعمیر نمود[6]"

---

[1] عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۸، [2] ماثر الامرا حصہ اول ص ۲۷۱، [3] خافی خان جلد دوم ص ۶۷۵ و ۶۷۶، [4] ماثر الامرا حصہ اول ص ۳۵۰، [5] بقیہ خافی خان ص ۹۴۴، [6] ماثر الامرا حصہ سوم ص ۸۸۸،

مہمان خانے | سرائیں اکثر راستوں میں قائم کی جاتی تھیں، اور ان کے ساتھ ساتھ مسجد، بازار، کنوین اور حمام بھی تیار کرائے جاتے تھے، بلکہ بعض سرایوں کے متصل دیہات بھی آباد کرائے جاتے تھے، تاکہ مسافرون کی ضروریات کے تمام سامان آسانی کے ساتھ میسر آسکیں، لیکن مہمان خانے سرایوں سے مختلف ہوتے تھے، اور وہ راستوں کے بجائے شہروں میں قائم کئے جاتے تھے، اور ان میں مسافر مستقلاً قیام کر سکتے تھے، لیکن ہمارے مورخین نے ان کا ذکر مہمان خانے کے نام سے نہیں کیا ہے، کیونکہ اس زمانہ میں یہ کام رباطوں اور خانقاہوں سے لیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ تاریخوں میں سرایوں کے ساتھ ساتھ جابجا رباطا کا ذکر بھی آتا ہے، مثلاً

"رباط و سرا لبسیار بنا گذاشتہ"[1]

اس قسم کی ۱۲۰ خانقاہیں فیروز شاہ نے دہلی اور فیروز آباد میں اس غرض سے قائم کی تھیں کہ جو مسافر یہاں آئیں، وہ ہر خانقاہ میں تین روز تک جو مہمانی کی شرعی مدت ہے، قیام کر سکیں، اور اس طرح ۱۲۰ خانقاہوں میں تین تین روز قیام کرکے سال بھر کی پوری مدت بسر کر سکیں، کیونکہ سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، اور وہ ۱۲۰ خانقاہوں کے سہ روزہ قیام سے پورے ہو جاتے ہیں،

ان تمام مہمان خانوں کے متولی و عہدہ دار سنی ہوتے تھے، اور ان کے مصارف سرکاری خزانہ سے ادا ہوتے تھے، تاریخ فیروز شاہی میں ہے،

"و خانقاہا و رباطہا برائے صادر و وارد بنا کردہ و در شہر دہلی و فیروز آباد صد و بست خانقاہ برائے آسایش بندگان الٰہ برآوردہ بدین نیت کہ چون مسافران از اطراف و اکناف جہان درین مکان بیایند، در ہر خانقاہ کسان سہ روز مہمان باشند، و در

---

[1] مآثر الامراء جلد دوم ص ۴۳۹،

ہر خانقاہ سلطان فیروز شاہ متولیان شیخی و عہدہ داران سنی تعیین کردہ و خرچ

خانقاہا نقد از خزانہ رسانیدہ[1]"

معلوم ہوتا ہے کہ مہمانون کے مستقل قیام سے بعض اوقات یہ خانقاہین مستقل آبادی کی صورت

اختیار کر لیتی تھین، اگرچہ تاریخون مین اس کی کوئی تصریح نہین ہے، تاہم ہمارے ضلع اعظم گڈھ

مین ایک موضع خانقاہ کے نام سے موسوم ہے، اور غالباً وہ اسی طرح آباد ہوا ہے،

لنگرخانے فرمانروایانِ اسلام نے ہندوستان مین فقیرون اور محتاجون کی اعانت و امداد کے لئے

مالوہ مین لنگر خانے قائم کئے تھے، جہان سے اُن کو خام غلہ یا پکا پکایا کھانا ملتا تھا، چنانچہ سلطان محمود

خلجی نے بہت سے لنگر خانے قائم کئے تھے جن سے فقراء و مساکین کو غلہ اور کھانا ملتا تھا[2]،

علاء الدین سید حسین شریف مکی المتوفی ۹۲۷ھ نے بنگال مین بکثرت لنگر خانے قائم کئے

تھے، اور بعض لنگر خانون پر متعدد گاؤن وقف کئے تھے، ریاض السلاطین مین ہے،

"و مساجد و لنگر خانہ در ہر سرکار جابجا تعمیر و مقرر ساختہ، فقراء و عزلت گزینان را

املاک بسیار عنایت فرمود و بجہت خرچ لنگر خانہ قدوۃ المشائخ شیخ نور قطب العالم

قدس اللہ سرہ، مواضع متعدد تعیین فرمود و آثار خیرا و درین ملک مشہور افواہ خواص

و عام است[3]"

اس کے بعد جہانگیر نے تمام بڑے بڑے شہرون مثلاً احمد آباد، الہ آباد، لاہور، آگرہ اور دہلی وغیرہ

بلکہ تمام ممالکِ محروسہ مین فقراء کے لئے غلہ خانے قائم کئے،[4] جن سے فقیرون، مجاورون، اور مسافرون

کو ہر روز پکا پکایا کھانا ملتا تھا،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی حصہ دوم ص ۳۰۳، [2] فرشتہ حصہ دوم ص ۴۴۴ در ہر جا پنج لنگر طعام جاری داشت[ج ۲ ص ۵۰۴]

[3] ریاض السلاطین ص ۱۳۵، ۱۳۶، [4] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۳۶ ۔ و ۱۰۰،

یہ لنگر خانے تو مستقل تھے، لیکن قحط کے زمانہ مین تمام شہرون بلکہ قصبون مین ان کے علاوہ عارضی لنگر خانے قائم کردیئے جاتے تھے، اور اُن سے قحط زدہ لوگون کو بڑی مدد ملتی تھی، چنانچہ ایک بار سلطان بہادر گجراتی کے زمانہ مین جو ۹۳۲ھ مین تخت نشین ہوا تھا، گجرات مین سخت قحط رونما ہوا، تو اس نے فقرا، و مساکین کی امداد و اعانت کے لئے ہر شہر مین متعدد لنگر خانے قائم کئے، اور اس کے ساتھ حکم دیا کہ جو شخص اُسکی سواری کیوقت سوال کرے، اس کو ایک مظفری دیجائے، اور اس غرض سے اس زمانہ مین چوگان بازی کے لئے وہبار سوار ہوتا تھا، تاکہ مستحقین کو اس فیاضی سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملے، فرشتہ اس واقعہ کو لکھ کر لکھتا ہے،

"در ترفیہ احوال برایا کوشش می نمود، تا دران مدت در بلاد گجرات رونق و رواج تازہ پدید آمد،[1]"

ایک بار شاہجہان کے زمانہ مین دکن اور گجرات مین سخت قحط پڑا، تو اُس نے برہانپور احمد آباد اور سورت مین بکثرت لنگر خانے جاری کئے، اور اس کے ساتھ یہ حکم دیا کہ خاص برہانپور مین جہان ان کا قیام تھا، ہر دوشنبہ کو (یہ شاہ جہان کے جلوس کا دن تھا، اور اس وجہ سے ایام متبرکہ مین شمار کیا جاتا تھا) پانچ ہزار روپیہ مستحقین کو دیا جائے، چنانچہ اس حساب سے ۲۰ ہزار روپئے ماہوار کے حساب سے مستحقین کو پانچ مہینہ مین ایک لاکھ روپئے تقسیم کئے گئے، چونکہ احمد آباد مین قحط کا اثر اور مقامات سے زیادہ تھا، اس لئے اس صوبہ کے ناظمون کو حکم ہوا کہ قحط زدہ لوگون کو مزید پچاس ہزار روپیے بھی دیئے جائین، اس کے علاوہ دو سال کے لئے ستر لاکھ روپئے مالگذاری مین سے معاف کر دیئے،[2]

اس زمانہ مین بعض امراء نے بھی شاہ جہان کی تقلید مین لنگر خانہ جاری کیا، چنانچہ صاحب مآثر الامراء میر جملہ کے حال مین لکھتے ہین،

---

[1] فرشتہ حصہ دوم ص ۲۱۵ [2] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۳۶۳، ۳۶۴ [3] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۵۳۱

دران ہنگام میر جملہ نام بسخاوت برآوردہ شب و روز در برہانپور لنگر طعام جاری داشت[1]"

ایک بار کشمیر میں سخت سیلاب آیا، اور تمام فصل برباد ہو گئی، بلکہ غلہ کے پرانے ذخیرے بھی ضائع ہو گئے، ۳۰ ہزار قحط زدہ لوگ دار السلطنت میں آکر فریادی ہوئے، تو شاہ جہان نے اُن کو ایک لاکھ روپیے دیئے، اور حکم دیا کہ ان غریبوں کے لئے دو تین جگہ لنگر خانے قائم کئے جائیں، ان کے علاوہ مزید ۳۰ ہزار روپئے کشمیر کے مستحقین کو عطا فرمائے، اور تربیت خان کو اُن کی ہمدردی و نگرانی کے لئے مقرر کیا، لیکن چونکہ اُن سے یہ کام بن نہ آیا، اس لئے ظفر خان کو کشمیر کا صوبہ دار مقرر کیا، اور ۲۰ ہزار روپیے اور مستحقین کشمیر کو دیئے[2]، اس کے بعد ظفر خان کی عرضداشت سے معلوم ہوا کہ اس ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی امداد سے قحط کا اثر تو بالکل زائل ہو گیا، اور قحط کے دن عید اور نوروز کے دن سے بدل گئے، لیکن مویشیوں کے خریدنے اور تخم ریزی کے لئے اگر ۳۰ ہزار روپئے اور دلوائے جائیں، تو ویران شدہ مواضع بالکل آباد ہو جائیں، شاہجہان نے فوراً یہ درخواست منظور کر لی[3]،

ایک بار پنجاب میں اسقدر سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے اپنے لڑکوں کو فروخت کر دیا، بلکہ ذبح کر کے کھا گئے، شاہجہان کو اطلاع ہوئی تو حکم دیا کہ دس مقامات پر دس لنگر خانے جاری کئے جائیں، اور ہر لنگر خانہ پر روزانہ دو سو روپیہ صرف کیا جائے، چنانچہ دو ہزار روپیہ روزانہ کے صرف سے یہ لنگر خانے جاری ہو گئے[4]، پچاس ہزار روپئے نادار لوگوں کو تقسیم کئے گئے اور حکم ہوا کہ جس شخص نے اپنے لڑکے کو فروخت کیا ہو، اگر وہ اس کا پتہ چلا سکے تو خزانہ شاہی سے اس کی قیمت واپس کر دی جائے، اور لڑکا اس کے ماں باپ کے حوالہ کر دیا جائے[5]،

محتاجوں کی امداد کے مختلف طریقے: قحط کے ساتھ جنگ و جدل، فتنہ و فساد اور فوجوں کی آمد و رفت کا جو سلسلہ جاری رہتا تھا اس کی وجہ سے بعض اوقات سخت گرانی پیدا ہو جاتی تھی، اور لوگ سخت

---

[1] مآثر الامرا حصہ سوم ص ۶۱۲ [2] خافی خان حصہ اول ص ۵۰۷ [3] ایضاً ص ۵۹۹ [4] ایضاً ص ۶۲۳

مفلوک الحال ہوجاتے تھے، ایک بار عالمگیر کے عہد حکومت مین ان تمام اسباب نے لوگون کو اس قدر مفلوک الحال بنا دیا، کہ اکثر پرگنے ویران ہوگئے، اور دار السلطنت مین محتاجون کا اس قدر ہجوم ہوا کہ راستے بند ہوگئے، عالمگیر کو اس کا حال معلوم ہوا تو حکم دیا، کہ علاوہ مستقل غلہ خانون کے شہر مین دس لنگر خانے اور جاری کئے جائین، اور تمام امراء بھی حسب دستور لنگر خانے جاری کرین، ان کے علاوہ دار السلطنت کے اطراف اور مزارون کے آس پاس ۱۲ غلہ خانے قائم کئے جائین، اس کے ساتھ غلون کی فراہمی کے لئے محصول کی معافی کے احکام صادر کئے[۱]،

عالمگیر کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، چنانچہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ مین امیر الامراء سید حسین علی خان المتوفی ۱۱۳۲ھ نے بہت سے غلہ خانے قائم کئے، چنانچہ صاحب مآثر الامراء اُن کے تذکرہ مین لکھتے ہین :-

"در ہمت و مروت یکتا و فور طعام و کثرت اطعام سرکار او مشہور است اجرای بلغور خانہا از غلہ خام و پختہ و احداث مجلس یازدہم و دوازدہم ہر ماہ در بلاد عظیمہ و کن نمودہ کہ تا حال جاری است[۲]"

لنگر خانون کے علاوہ فرمانروایانِ اسلام نے اہلِ حاجت کی اعانت و امداد کے سیکڑون طریقے اختیار کر رکھے تھے، مثلاً سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ مین جو ۶۶۲ھ مین تخت نشین ہوا تھا، ملک الامراء فخر الدین کوتوال ایک نہایت فیاض اور عالی حوصلہ امیر تھے، اُن کا دستور یہ تھا کہ جو لباس ایک بار زیب تن کر لیتے تھے، اس کو دوبارہ نہین پہنتے تھے، بلکہ صدقہ و خیرات کر دیتے تھے، اسی طرح بستر اور پلنگ اور فرش و فروش وغیرہ ہمیشہ نئے استعمال کرتے تھے، اور جو سرمایہ اس طرح جمع ہوتا تھا، اس کو تیمون اور مستحق لوگون کی لڑکیون کی شادی کے مصارف مین صرف کرتے تھے، تاریخ فیروز شاہی

---

[۱] خافی خان حصہ دوم ص ۴۲۴، ۱۲۵۔ [۲] مآثر الامراء جلد اول ص ۳۲۰،

مین لکھا ہے کہ اس طرح وہ ہر سال ایک ہزار نادار لڑکیون کی شادی کا سامان کرتے تھے[۱]

اس کے بعد فیروز شاہ تغلق نے نادار لڑکیون کی نکاح کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا، اور اس مین متدین اور ایماندار عہدہ دار مقرر کئے، اور حکم دیا کہ جن نادار اشخاص کے یہان بالغہ لڑکیان ہون وہ اس محکمہ مین آکر اس کی اطلاع دین، اور اس محکمہ کے عہدہ دار اس کی پوری تحقیق کرکے ہر شخص کو اس کی حالت کے مناسب مالی امداد دین،

اس مالی امداد کے تین درجے مقرر کئے گئے تھے،

درجہ اوّل	پچاس تنکہ نقرئی،
درجہ دوم	تیس تنکہ نقرئی،
درجہ سوم	پچیس تنکہ نقرئی،

چنانچہ اس محکمہ کے قائم ہوجانے کے بعد ہزارون محتاج مسلمانون اور بیوہ عورتون نے اپنی اپنی لڑکیون کے نام درج رجسٹر کرائے، اور مالی امداد حاصل کی[۲]

فیروز شاہ کے بعد دور اکبری مین شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری نے گجرات مین سادات کے تمام ذکور واناث کی فہرست مرتب کی، اور اُن کے لڑکون کی شادی کا سامان اپنی سرکار سے کیا تھا، نیک حاملہ عورتون کو روپیہ دیا کہ وہ اس کو امانۃً رکھین، اور جب بچے پیدا ہون تو اُن کی شادی مین صرف کرین[۳]

شاہجہان کا معمول یہ تھا کہ روزانہ قیلولہ اور نماز ظہر سے فارغ ہونے کے بعد نقد وجنس اراضی مزروعہ، اور تقرر وظیفہ کے ذریعہ سے بے شوہر اور بوڑھی عورتون کی حاجت روائی کرتا تھا، کنواری اور بیوہ عورتین جن کے ساتھ غربت و افلاس کی وجہ سے کوئی شخص نکاح کرنا پسند نہین کرتا تھا،

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی جلد اول ص ۱۱۱، [۲] ایضاً حصہ دوم ص ۳۴۹ [۳] مآثرالامراء جلد دوم ص ۱۳۹،

ستی النسا خانم کے ذریعہ سے روزانہ اس کی خدمت مین پیش ہوتی تھین، اور وہ اُن کے نکاح کا سامان کرتا تھا، اور زیور اور لباس وغیرہ سب کچھ دیتا تھا، اور اکثر اوقات جو لوگ اس خدمت پر مامور تھے، وہ خود شاہجہان کے حکم سے اُن کے اقران و امثال سے اُن کا نکاح کرا دیتے تھے، اور اس کار خیر مین روزانہ کافی روپیہ صرف ہوتا تھا، چنانچہ محمد صالح کنبوہ عمل صالح مین لکھتا ہے،

"چنانچہ مبلغہاے گرانمند، ہر روزہ باین رہگذر کہ بہین طریق خیرات و مجاری مبرات است صرف می شود[۱]"

نادار لڑکیون کے علاوہ، بوڑھے، یتیم، اندھے، اپاہج، بیوہ عورتین، اور جسمانی عیوب رکھنے والے لوگ اعانت و امداد کے محتاج ہوتے ہین، اور فرمانروایان اسلام کا فیض عام ان تمام لوگون کو شامل تھا، تاریخ فیروز شاہی مین فیروز شاہ تغلق کی نسبت لکھا ہے،

"و صدقات خداوند عالم بر پیران وزالان و بیوگان و یتیمان و کوران و معیوبان و جاے ماندگان علی الدوام والاستمرار میرسد[۲]"

فیروز شاہ کے بعد سلطان محمود شاہ بہمنی نے گلبرگہ، بیدر، قندھار، ایلچپور، دولت آباد، جیبر، جیول، دابل، اور دوسرے بڑے بڑے شہرون اور قصبون مین یتیمون کی تعلیم کا خاص انتظام کیا، اور اندھون کے مشاہرے مقرر کئے، اور اس مین اس قدر فیاضی سے کام لیا کہ لوگ قصداً آنکھین پھوڑ پھوڑ کر اندھے بنتے تھے، اور ماہوار تنخواہ لیتے تھے[۳]،

سلطان محمود کے بعد سکندر لودی نے فقرا و مستحقین کی امداد و اعانت کا خاص نظام قائم کیا، اور حکم دیا کہ سال مین دو بار تمام ملک کے فقرا و مستحقین کے نام کی فہرست اس کی خدمت مین پیش کی جائے، چنانچہ جب یہ فہرست پیش کی جاتی تھی، تو ہر شخص کی حالت و حیثیت کے مطابق اس کے پاس

---

[۱] عمل صالح جلد اول ص ۲۹۹ [۲] فیروز شاہی جلد اول ص ۵۸۲ [۳] فرشتہ جلد اول ص ۳۰۲،

ششماہی کی رقم روانہ کر دیتا تھا، اس کے ساتھ جاڑون مین اُن کو شال اور کپڑے دیتا تھا، ہفتے مین جمعہ کے روز فقراے شہر کو جمعگی کے نام سے بھی ایک رقم مرحمت کرتا تھا، اور روزانہ مختلف مقامات پر خام غلہ اور پکا پکایا کھانا تیار کرا کے شہر مین تقسیم کرواتا تھا، اور کوئی سال ایسا نہین گذرتا تھا کہ فتوحات اور کامیابی کے بہانہ سے فقیرون کو چند بار معقول رقمین نہ دیتا ہو، ذاتی فیاضیون کے علاوہ اہلِ دولت اور اربابِ جاہ مین سے جو لوگ فقیرون اور مسکینون کے لئے وظائف مقرر کرتے تھے، اُن کو نہایت معزز سمجھتا تھا، اور اس اعزاز کے حاصل کرنے کے لئے بہت سے لوگ مستحقین کو بہت کثرت کے مطابق مال و دولت دیتے تھے،[۱]

سکندر لودی کے بعد اس کا بیٹا سلطان ابراہیم لودی اس کا جانشین ہوا، اور اس معاملے مین اوس نے بھی اپنے باپ کی روش کو قائم رکھا، چنانچہ تاریخ فرشتہ مین ہے،

"و نیز بر فقراء و مساکین ابواب خیرات و مبرات کشادہ وظائف مقرر فرمودہ ادرارات ائمہ را زیادہ کردہ بگوشہ نشینان و متوکلان فتوح و نذر فرستادہ،"[۲]

سلطان ابراہیم لودی کے بعد سلطان محمود خان ثانی نے جو ۹۴۳ھ مین گجرات کے تختِ سلطنت پر بیٹھا تھا، فقیرون اور محتاجون کی خبرگیری کے لئے بہت سے مکانات بنوائے، اور وہان اس غرض سے ملازم مقرر کئے، کہ فقیرون اور محتاجون کے رنج و راحت سے باخبر رہ کر ان کی ضروریات کے سامان مہیا رکھین، اکثر اوقات ایسا ہوتا تھا کہ جو غذا اس کو پسند آتی تھی، اس کی نسبت پوچھتا تھا کہ فقیرون کو بھی اس قسم کی غذائین میسر آتی ہین، حاضرین جواب دیتے تھے کہ بھلا ان غریبون کو اس کا مقدور کہان؟ اس کے بعد حکم دیتا تھا کہ اس قسم کی غذا نہایت عمدہ طریقہ پر پکوا کر فقراء کے پاس بھیجی جائے، جو نیک لوگ مسجدون اور مدرسون مین قیام رکھتے تھے، اُن کو جاڑون مین نہایت عمدہ قبائین، اور

---

[۱] فرشتہ جلد اول ص ۱۰۶، [۲] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۸۹،

سماعت انعام دیتا تھا، چونکہ بعض قلاش لوگ ان کو فروخت کرڈالتے تھے، اس لئے حکم دیا کہ ایسے لحاف بنائے جائیں جن کو ایک جماعت اوڑھ سکے، اور سب کے سب اوس کے فروخت کرنے پر متفق نہ ہون، راتون کو تمام گلیون اور بازارون مین بہت سی لکڑیان جلوا تا تھا تاکہ جاڑون مین بے سروسامان لوگ آگ تاپ سکین معمول تھا کہ تمام موسمی میوے پہلے فقیرون کے پاس بھیجے جاتے تھے، اس کے بعد شاہی محل مین آتے تھے۔[۱]

سلطان محمود خان ثانی کے بعد امرائے اکبری مین شیخ فرید بخاری نے اس معاملے مین نہایت فیاضی سے کام لیا، اور اپنا یہ خاص معمول کرلیا کہ جب دربار کو جاتے تھے، تو راستے مین فقرار کو قبا کمل چادر اور جوتے تقسیم کرتے جاتے تھے۔[۲]

اس کے بعد جہانگیر نے موسم سرما مین فقرائے کشمیر کے لباس کا خاص انتظام کیا، چنانچہ جب اسکو اطلاع دیگئی کہ فقرائے کشمیر جاڑون کے موسم مین سخت تکلیف برداشت کرتے ہین، تو اس نے حکم دیا کہ صوبہ کشمیر کا ایک گاؤن جس کی مالگذاری تین چار ہزار روپیہ ہو، ملا طالب اصفہانی کے حوالہ کیا جائے تاکہ اس سے فقرار کے لباس اور مسجدون مین پانی گرم کرنے کا انتظام کرین۔[۳]

عالمگیر کا دور حکومت آیا تو اس کے سامنے سلطان محمود کی نظیر تھی، اس لئے اوس نے عام حکم دیا کہ جاڑون کے موسم مین ہر سال ڈیڑھ ہزار قبا اور ڈیڑھ ہزار کمل صوبہ احمد آباد کے فقراء و مساکین کو بطور خیرات کے دیئے جائین، اور اس پر تین ہزار روپیہ صرف کیا جائے، اس حساب سے فی قبا ڈیڑھ روپیہ اور فی کمل آٹھ آنے پڑتے تھے،[۴] جس سے ہم اس زمانے مین کپڑون کی ارزانی کا بھی اندازہ کرسکتے ہین، عالمگیر ہی کے زمانہ مین نواب معظم خان خان خانان المتوفی ۱۱۲۰ھ کے بعد

---

[۱] مرآت احمدی جلد اول ص ۹۱۔ [۲] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۲۳۹ [۳] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۳۵۲ [۴] مرآت احمدی جلد اول ص ۳۵۶۔

نواب امیر الامرا شایستہ خان ممالک بنگالہ کے صوبہ دار مقرر ہوئے، اور شرفا اور غربا کی بیواؤں کی خاص طور پر پرورش کی اور دیہات اور زمینیں معافی میں دے کر ان کو صاحب جائداد بنا دیا، ریاض السلاطین میں ہے:۔

"بیوہائے شرفا و نجبا و بیوہ گان را دیہات و زمینہا معاف کردہ مالک املاک ساخت"[۱]

سلاطین تیموریہ کے یہاں فقرا و مستحقین کی اعانت کی ایک مستقل صورت یہ تھی کہ سال میں دوبار یعنی شمسی اور قمری دونوں سنوں کے حساب سے اپنی سالگرہ کا جشن مناتے تھے، اور اس موقع پر زر و گوہر اور دوسری قیمتی اشیاء سے اپنا وزن کراتے تھے، اور ان تمام چیزوں کو خیرات کر دیتے تھے، جہانگیر تزک میں لکھتا ہے:

"دو مرتبہ خود را بہ طلا و نقرہ و سائر فلزات و از قسم ابریشم و پارچہ و از اقسام حبوبات وغیرہ وزن می کنم یک مرتبہ در سر سال شمسی و یک مرتبہ در سر سال قمری وزر این وزن را بہ تحویلداران علحدہ می سپارم کہ بہ فقرا و ارباب احتیاج رسانند"[۲]

یہ طریقہ اکبر کے زمانہ سے شروع ہوا، اور عالمگیر کے زمانہ تک قائم رہا۔ چنانچہ اس دور کے تمام مورخین اس جشن کا ذکر مزے لے لے کر کرتے ہیں، عبدالحمید لاہوری بادشاہ نامہ میں لکھتا ہے:

"چون صدقات در دفع مضار بدنی وجانی وجلب منافع روحانی و جسمانی باتفاق اصحاب ملل و نحل و اطباق ارباب دین و دول، نتائج و آثار دارد، حضرت عرش آشیانی آئین وزن وزن اختیار نمودہ ذات مقدس خویشتن را دو مرتبہ یکے بعد از انقضائے سال شمسی و دیگر پس از انتہائے سنہ قمری وزن می فرمودند، لیکن در وزن شمسی دوازدہ بار نخستین بار بہ طلا و یازدہ بار بدیگر اشیاء، و در وزن قمری ہشت بار، اولین بار بہ نقرہ و ہفت بار باشیائے دیگر وزن فرزندان کامگار یکبار باعتبار سال شمسی بوقوع می آید و وجوہ وزن در مصارف تصدق

[۱] ریاض السلاطین ص ۲۲۲ [۲] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۸،

صرف می شد، وحضرت جنت مکانی پیروی حضرت عرش آشیانی نمودہ ہر سال این رسم منفعت وسم را بعمل می آوردند از آنجا کہ این کار میمنت آثار سبب روائی حاجات نیازمندان است، حضرت جہانبانی دو مرتبہ شخص اکمل خود را وزن می فرمایند و از عزونی جود گستری در ہر مرتبہ وزن طلا و نقرہ مقرر نمودہ اند، در وزن شمسی نخستین بار بطلا و دوم بار بہ نقرہ ودو بار با جناس دیگر، و در وزن قمری اولین بار بطلا و دیگر بار بہ نقرہ وشش بار بہ دیگر اجناس و پادشاہزادہ ہائے سعادت پژوہ ایک مرتبہ بر می سنجند[1]۔

متفرق صدقات وخیرات کی اس قدر کثرت تھی کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے، تو ایک مستقل کتاب لکھنی پڑے گی، اس لئے ہم صرف تزک جہانگیری سے چند واقعات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جہانگیر لکھتا ہے:۔

"مین نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ راتون کو ارباب استحقاق اور درویش میرے سامنے پیش کئے جائین، تاکہ ہر ایک کی حالت کو دیکھ کر زمین، روپیہ، نقد، پوشاک اُن کو مرحمت کرون[2]"

چونکہ مین نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ جو درویش اور ارباب حاجت میری درگاہ مین جمع ہون ان کو دو پہر رات گذر جانے کے بعد میرے سامنے پیش کرین، اس لئے مین نے اس سال اسی طریقہ پر اپنے سامنے اور اپنے ہاتھ سے ۵۵ ہزار روپیہ ایک لاکھ نوّے ہزار بیگہ زمین، چودہ گانون، ۲۶ ہل، اور ہزار کھلیان دھان درویشون کو دیئے[3]"

یہ فیاضیان صرف مسلمانون کے ساتھ مخصوص نہ تھین، بلکہ اُن سے ہندو بھی یکسان طور پر متمتع ہوتے تھے، چنانچہ جہانگیر ایک موقع پر لکھتا ہے،

"مین نے شیخ فضل اللہ اور راجہ دھیر دھر کو روپیہ دیئے، کہ راستہ مین فقیرون اور

---

[1] بادشاہنامہ عبدالحمید لاہوری جلد اول ص ۲۴۴ ۔ [2] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۱۲۵ ۔ [3] صفحہ ۱۳۰،

برہمنون کو دین[۵۱]"

دوسرے موقع پر لکھتا ہے،

"ہردوار ہندوؤن کی ایک مسلّم تیرت گاہ ہے، اور بہت سے برہمن اور تجرد پسند لوگ اس جگہ عزلت گزین ہو کر اپنے دین کے اصول کے مطابق خدا پرستی کرتے ہین، ہین نے ہرایک کو اُن کے استحقاق کے موافق نقد وجنس بطور صدقہ کے دیئے[۵۲]"

شاہجہان کے زمانہ مین صدقات وخیرات کی مذہبی حیثیت زیادہ نمایان نظر آتی ہے، چنانچہ محمد صالح کنبوہ لکھتا ہے،

"ضعیفون، اپاہجون، یتیمون، بوڑھی عورتون، بوڑھے سپاہیون کو روزانہ جو کچھ ملتا ہے[۵۳] اور خزانۂ عامرہ سے جو کچھ تمام دنیا کے حاجت مندون کو بطور انعام کے دیا جاتا ہے، یہانتک کہ مین اندروے تخمین وقیاس کے کہہ سکتا ہون کہ ولایت ہندوستان کا عشر جو ایران اور توران کے خراج کے برابر ہے، اعلا، صلحا، ارباب عمائم، اصحاب سعادت اور ائمہ کی جاگیرون کیلئے مقرر ہے۔ اس کے علاوہ اس ماہ مبارک رمضان مین موسوی خان صدر الصدور کو از سرِ نو تاکیدی حکم دیا گیا کہ ہمیشہ فقرار، مساکین اور ارباب استحقاق کو خدمت مین پیش کرتے رہین، کہ اگر کوئی پریشان روزگار بدقسمتی سے ہماری فیاضی سے محروم رہ گیا ہو، تو اس کی حالت کے مطابق نقد روز یا نہ سالیانہ گاؤن اور کھیت بطور مدد معاش کے دیا جائے، اس مہینہ مین خصوصًا اور ہرسال کے رمضان مین عمومًا جمعرات کو پریشان حال حاجت مندون کو باری باری درگاہ والا مین حاضر کرکے، ۳۰ ہزار روپیہ عطا کرین، اسی طرح مولود مسعود کے زمانہ مین ۱۲ ہزار روپیہ شب برات اور نیز شب معراج مین بھی اسی قدر روپیہ ارباب استحقاق

---

[۵۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۱۰۰، [۵۲] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۴۳،

پر خیرات کیا جائے،[۱]

سلاطین کے ساتھ اگر امرا و اعیان دولت کی فیاضیوں کے واقعات لکھے جائیں تو یہ داستان اور طویل ہو جائے گی، اس لئے ہم صرف ایک واقعہ کے لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، صاحب مآثر الامراء شیخ فرید بخاری کے تذکرے میں لکھتے ہیں،

شجاعت را با سخاوت جمع نمودہ بخشش عام او در فیض بروے خلق باز کردہ ہر کہ با ورسیدے چہرۂ ناکامی در آئینہ خیال ندیدے تا رسیدن در بار قبا و کمل و چادر و پا افزار بدرویشان رہ گذرے قسمت می شد، وریزگی اشرفی و روپیہ بدست خود می داد، روزے در دیشے ہفت مرتبہ از شیخ گرفت نوبت ہشتم آہستہ بدو گفت کہ آنچہ ہفت مرتبہ گرفتہ مخفی دار تا درویشان از تو نستانند با اہل خانقاہ و ارباب توکل و احتیاج و بیوہ زنان در یومیہ تا سالانہ مقرر داشتہ در حضور و غیبت او سندو پروانگی، مجددی رسید در جاگیرش بیشتر مدد معاش بود اطفال آنہا (کہ در نوکری او مردہ بودند) در خور ہر کدام در ماہہ مقرر کردہ مثل فرزندان در کنار و بغل شیخ بازی می کردند و معلم نگاہ داشتہ تربیت می نمود، اما بیاد فروش و کلاونت نمی داد[۲] (باقی)

---

[۱] عمل صالح جلد اول ص ۲۰۰ و ۲۰۹، [۲] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۶۳۹،

شعر الہند جلد اول

جس میں قدما کے دور سے لے کر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے،

قیمت :- للعہ

"منیجر"

منصورہ کے حکام
اور
ان کے سکے

از جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی مصنف تاریخ سندھ

سندھ ۹۵ھ میں مکمل طور پر فتح ہوگیا تھا، لیکن حجاج بن یوسف ثقفی کی موت اور محمد بن قاسم کی گرفتاری نے ملک میں بدنظمی پیدا کردی، پھر یزید بن ابی کبشہ والی سندھ کی اچانک موت نے نظام حکومت کو اور زیادہ ابتر کردیا، پورے سندھ میں بغاوت پھوٹ پڑی، اور مختلف مقامات پر سندھیوں نے دوبارہ قبضہ کرلیا، ادھر خود عربوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی تھی، جس سے سندھ میں بدامنی کو اور زیادہ تقویت پہنچی، دمشق کے اموی خلیفہ کی طرف سے متعدد والی (حاکم) بھیجے گئے، لیکن نہ تو سندھیوں نے اطاعت قبول کی، اور نہ مقبوضات واپس ہوئے،

۱۰۷ھ میں جنید بن عبدالرحمٰن سندھ کا حاکم ہوا، یہ ایک بڑا مدبر حاکم تھا، اس نے تمام سندھ پر دوبارہ قبضہ کرکے امن وامان قائم کردیا، ۱۱۱ھ میں تمیم بن زید حاکم ہوا، اس میں حکومت کا مادہ نہیں تھا، اس لیے لوگ اس سے ناراض ہوگئے، یہ اپنے حریف سے خوفزدہ ہوکر سندھ سے بھاگا، لیکن راستہ میں وفات پاگیا، اس سے پھر سندھ میں بدامنی پھیل گئی، اس کے بعد حکم بن عوانہ سندھ کا حاکم ہوا، جو بیحد سست اور کاہل آدمی تھا، لیکن خوش قسمتی سے فاتح سندھ محمد بن قاسم کے لڑکے "عمر بن محمد" کو ساتھ لیتا آیا تھا جو حکومت کے لیے نہایت موزوں تھا، سندھیوں کی بغاوت اور یورش کے سبب عربوں نے

تمام اہم مرکز خالی کردیے تھے، اور سندھیوں نے اس پر قبضہ کرلیا تھا، اس لیے اس کی ضرورت محسوس ہوئی، کہ عربوں کے لیے کوئی ایسا مضبوط شہر آباد کیا جائے کہ غنیم کے حملہ کے وقت پناہ کا کام دے سکے، اس لیے حکم والی سندھ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دریائے سندھ کے دہانہ پر مشرق جانب ایک شہر آباد کیا اور ہر طرح اس کو مضبوط بنایا، اور اس کا نام "محفوظہ" رکھا،

منصورہ کی آبادی | جب محفوظہ کے قلعہ میں تمام عرب محفوظ اور مطمئن ہوگئے، تو سندھ کے حاکم، حکم بن عوانہ نے عمر بن محمد ثقفی کو فوج دیگر اطراف میں روانہ کیا جس نے ہر جگہ امن وامان قائم کردیا، اور باغیوں کو زیر کرکے مطیع بنایا، عمر ثقفی نے جب سندھ میں دوبارہ اقتدار قائم کردیا اور پایہ تخت کو واپس آنے لگا تو ان فتوحات کی یادگار کے طور پر دریائے سندھ کے دہانے کے قریب، ایک جزیرہ نما میں ایک شہر آباد کیا، اور اس کا نام "منصورہ" رکھا، جو آگے چل کر سندھ کا پایۂ تخت قرار پایا،

حکم کے انتقال پر عمر بن محمد بن قاسم ثقفی سندھ کا حاکم ہوا، اس کے بعد یزید بن عرار کا تقرر ہوا، یہ دونوں لائق حاکم تھے، لیکن اسی زمانہ میں بنی عباس نے بنی امیہ کا خاتمہ کرکے اپنی سلطنت قائم کرلی، اور سندھ میں اپنا گورنر (ناظم) بھیجا،

انقلاب سلطنت کے زمانہ میں منصور بن جمہور کلبی پایۂ تخت منصورہ پر قبضہ کرکے سندھ کا حاکم بن گیا تھا، عباسی حاکم موسیٰ بن کعب نے اس کو یہاں سے نکال دیا، اور عرصہ تک حکمرانی کی، پھر بغداد واپس جاتے وقت اپنے لڑکے کو قائم مقام بنا گیا، بغداد پہنچ کر اس کا انتقال ہوگیا، تو ایک لائق گورنر عمر بن حفص بھیجا گیا، جو اپنی شجاعت اور تدبر کے سبب "ہزار مرد" کہلاتا تھا، اس نے سندھ میں بہترین حکومت کی، سنہ ۱۵۱ھ میں افریقہ تبدیل کردیا گیا، اس کے بعد یکے بعد دیگرے مختلف والی آئے اور منصورہ میں قیام کرتے رہے، یہ سلسلہ سنہ ۴۱۶ھ تک برابر قائم رہا۔

اس عرصہ میں سندھی تو اپنی قسمت پر شاکر ہو کر خاموش ہوگئے، البتہ کبھی کبھی جاٹ اٹھ کھڑے ہوتے

مگر خود ہوبون مین نااتفاقی پڑگئی، اس کا انجام یہ ہوا کہ جو والی آتا، وہ اگر کافی طاقتور نہ ہوتا، تو وہ یا قتل ہوجاتا، یا معزول ہوکر واپس چلاجاتا،

بنوہاشم کی سازش اموی حکومت کے قیام کے بعد سے بنوہاشم برابر اس کی کوشش کرتے رہے کہ سلطنت میں انقلاب برپا کرکے خود قابض ہوجائیں، اس سلسلہ مین ان کے متعدد امام حکومت کے مقابلہ مین اٹھے اور آخر کامیاب ہوگئے، لیکن اس وقت حکومت ان کے بجائے بنی عباس کی ..... قائم ہوگئی، اسلئے بنی ہاشم عباسیون کے خلاف انقلابی کارروائیون مین مصروف ہوگئے، مگر ان کو کامیابی نہین ہوئی، اس وقت انھون نے اس کی کوشش کی کہ یمنیون اور حجازیون (قحطانی اور نزاری) میں نسلی تفوق اور عصبیت کا جھگڑا پیدا کرکے دونون مین تفریق اور نفرت کا بیج بو کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے، چنانچہ انھون نے اپنے مبلغین بھیجکر اس کی تبلیغ کی، اور پھر ہر جگہ یمنی اور حجازیون کا جھگڑا شروع ہوگیا، سندھ بھی اس سے محفوظ نہ رہا، یہان بھی اس تنازعہ نے آپس مین نفاق اور فساد پھیلادیا، جس والی مین ذرا کمزوری دیکھتے اس کو دبانے کی کوشش کرتے، یہان تک کہ والی یا معزول ہوکر چلاجاتا یا مفسد اس کو قتل کردیتے۔

سندھ مین حجازیون کا پلہ بھاری تھا، اور وہ بڑے طاقتور ہوگئے تھے، ۲۳۰ھ مین جب ہارون ابن ابی خالد ناظم سندھ پہنچا تو اس نے سندھ کا حال اچھا نہین دیکھا، حجازیون کی طاقت بہت بڑھی ہوئی تھی، عمر بن عبد العزیز ان کا سردار تھا، یہ بڑا ہوشیار اور مدبر تھا، اس کی شخصیت اس قدر بلند ہوگئی تھی کہ سندھ کا حاکم اس سے دبنے لگا تھا، چنانچہ سابق گورنر (حاکم) جبتک سندھ مین رہا، حجازیون سے اس نے کوئی تعرض نہیں کیا، اور عمر بن عبد العزیز ہباری کو ہمیشہ ملائے رکھا، قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ہارون بن خالد حاکم سندھ نے اس پالیسی پر عمل نہیں کیا، جس سے اختلافات بڑھتے گئے اور نوبت یہانتک پہنچی کہ سنہ ۲۴۰ھ مین ہارون قتل کردیا گیا،

عمر بن عبد العزیز نے اس موقع سے فائدہ اٹھاکر شہر منصورہ پر قبضہ کرلیا، اور خلیفہ متوکل کو ایک عریضہ

بغداد روانہ کی، جس میں والی سندھ پر بد انتظامی کا اتہام لگا کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا، اور یہ درخواست کی کہ اگر سندھ کی حکومت اس کے سپرد کر دی جائے، تو وہ اس کا بہترین انتظام کرے گا، کیونکہ وہ یہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہے،

اس وقت خلافت بغداد میں بڑا خلفشار تھا، ہر صوبہ سے پریشان کن خبریں اس کو مل رہی تھیں، اس لیے خلیفہ متوکل نے عمر کی درخواست منظور کرلی، اور صوبہ سندھ کی حکومت کی سند اس کو بھیجدی، اور عمر نے اسی وقت سے خلیفہ کی برائے نام اطاعت کے ساتھ خود مختارانہ حکومت شروع کر دی، اس طرح سلطنت منصورہ قائم ہوئی اور عمر کے خاندان میں چوتھی صدی ہجری کے آخر تک حکومت رہی،

خاندان ہباری کی حکومت | قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنی اسد میں ایک شخص ہبار بن اسود تھا، جو ۸ھ میں مسلمان ہوا تھا، اسکی اولاد میں سے ایک شخص منذر بن زبیر، سندھ کے والی "حکم بن عوانہ" متوفی ۱۲۱ھ کے ساتھ سندھ پہنچا، اور یہاں متوطن ہوگیا، عمر بن عبد العزیز اسی کا پوتا تھا، اس کا نسب نامہ یہ ہے: عمر بن عبد العزیز ابن منذر بن زبیر بن عبد الرحمٰن بن ہبار بن اسود،

یہ خاندان اموی اور عباسی دونوں عہد میں سلطنت کے کاموں میں شریک رہا،[۱] اور آہستہ آہستہ حجازی قبیلہ کا سردار بن گیا، ۲۴۰ھ میں جب وہ سندھ کا والی ہوا تو اس نے سندھ کے زیریں حصہ پر بھی قبضہ کرلیا، گو اس نے پایہ تخت منصورہ پر بھی قبضہ قائم رکھا، مگر وہ خود اپنے مقام "بانیہ" ہی میں رہتا تھا، جو منصورہ سے تھوڑے فاصلہ پر جنوب جانب تھا،[۲] جب اس کو ایک گونہ اطمینان ہوگیا تو پھر اس نے پورے سندھ کو اپنا باجگذار بنا لیا، گو عمر بن عبد العزیز اندرونی طور پر خود مختار رہا، لیکن خطبہ عباسی خلیفہ کا پڑھتا رہا،

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ عمر بن عبد العزیز نے کب تک حکومت کی، اور اس کا طرز جہانبانی کیسا تھا، لیکن مشرقی ممالک میں باوجود متعدد انقلاب کے عمر بن عبد العزیز کا اپنی جگہ قائم رہنا اس کے تدبر اور لیاقت

---

[۱] ابن خلدون ج ۲ ص ۳۲۷ مصر، [۲] سفرنامہ ابن حوقل ذکر سندھ،

کی بڑی دلیل ہے، اس لیے یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ساری عمر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ سندھ پر حکومت کی، اور چونکہ سنہ ۲۷۰ھ میں اس کا لڑکا عبداللہ تخت حکومت پر نظر آتا ہے اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ اسی سنہ یا اس سے کچھ قبل عمر بن عبدالعزیز وفات پا گیا،

عبداللہ بن عمر ہباری | عبداللہ بن عمر ہباری غالباً سنہ ۲۷۰ھ میں تخت نشین ہوا[1]، اس نے ایک منظم سلطنت اپنے باپ سے ورثہ پائی تھی، اس لیے خیال گذرتا ہے کہ وہ آرام پسند ہوگا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سنہ ۲۹۶ھ میں بنوکندہ کے ایک آزاد کردہ غلام "ابو الصمہ" کے لڑکے صمہ نے جو تیسری صدی کے شروع میں عباسی والی سندھ عمر بن حفص ہزارمرد کے ساتھ سندھ آیا تھا، بغاوت کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا[2]، اور عبداللہ چونکہ خود بانیہ میں رہتا تھا، اس لیے غالباً محفوظ رہا لیکن کچھ دنوں کے بعد عبداللہ نے پھر منصورہ واپس لے لیا، اور غالباً اسی وقت سے بجائے بانیہ کے پایہ تخت منصورہ میں رہنا شروع کیا،

پایۂ تخت منصورہ | منصورہ جب سے آباد ہوا اس وقت سے سندھ کا پایۂ تخت رہا، اس کی قدیم ترین شہادت بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ سے ملتی ہے، جس نے لکھا ہے کہ یہ وہی شہر ہے جہاں آج کل حکام ٹھہرتے ہیں، اسکا طول مغرب سے ۹۶ درجہ اور عرض بلد جنوب سے ۲۲ درجہ ہے[3]، ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ شہر دریائے سندھ کے کنارے ایک ایسی جگہ پر آباد ہے کہ دریا کی ایک شاخ نے نکل کر اس کو جزیرہ بنا دیا ہے، خوش قسمتی سے ابن حوقل کا وہ نقشہ بھی موجود ہے، جو اس نے اپنے زمانہ کے سندھ کا تیار کیا تھا، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے سندھ جو پنجاب کی طرف سے چل کر جہاں سمندر میں گرتا ہے، اس مقام سے تھوڑی دور پیچھے، موجودہ حیدرآباد سے جنوب کی جانب خشکی کی سمت ایک جگہ دریا کی ایک شاخ نکلتی ہے، جو پھر گھوم کر دریا میں مل جاتی ہے، اس طرح بیچ میں اس شاخ کے حصار سے تھوڑی سی زمین جزیرہ کی صورت میں بن گئی ہے، اسی میں یہ شہر آباد ہوا، جو ہر طرف سے پانی سے گھرے ہونے کی وجہ سے بیرونی حملہ آوروں سے

---

[1] عجائب الہند ص ۳ لیڈن [2] بلاذری ص ۴۴۵ [3] ایضاً ص ۴۴۴

محفوظ تھا، یہ اسی قسم کا مقام تھا جیسا کہ میسور میں کاویری ندی گھوم جانے سے سرنگا پٹم نکل آیا ہے، پرانے زمانے کے فن جنگ کے لحاظ سے اس قسم کے مقامات بہت محفوظ خیال کیے جاتے تھے، منصورہ غیاث الدین بلبن کے عہد ۶۶۴ھ تک موجود تھا،[۱]

یہ شہر برہمن آباد سے دو فرسخ (۶ میل) پر تھا، اور غالباً اس کے آباد ہوتے ہی برہمن آباد کی رونق جاتی رہی، آئین اکبری میں اس کا نام "بکر یا بھکر" لکھا ہے[۲] جو کسی طرح صحیح نہیں، کیونکہ آج بھکر ضلع سکھر میں واقع ہے، یہ ایک جزیرہ ہے، جہاں قدیم قلعہ اب تک موجود ہے، حالانکہ منصورہ اور برہمن آباد ابوالفضل کے زمانہ سے کئی سو برس قبل زلزلے سے تباہ ہو چکے تھے،

عمر بن عبداللہ بن عمر ہباری بن عبدالعزیز یہ عمر بن عبداللہ عمر بن عبدالعزیز کا پوتا ہے، اس کے باپ کی تاریخ وفات کسی کتاب میں نظر نہیں گذری لیکن ۳۰۳ھ میں ہم اس کو تخت نشین دیکھتے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے قبل عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس کی کنیت ابوالمنذر ہے، تخت نشینی کے بعد یہ بڑا لائق ثابت ہوا، اس نے ملک میں امن و امان کے قیام کے ساتھ بڑا رعب قائم کر لیا، بڑی شان و شوکت سے سلطنت کرتا تھا، اس کا ایک وزیر بھی تھا جس کا نام ریاح تھا، اور اس کے دو لڑکے محمد اور علی تھے، ارکین سلطنت میں ایک شخص "حمزہ" نامی بڑا با اثر اور غالباً امیر الامراء کے عہدہ پر فائز تھا، یہاں سادات کی ایک بڑی جماعت رہتی تھی جو عمر بن علی و محمد بن علی کی طرف منسوب تھی' ایک قاضی بھی رہتا تھا، جو آل ابی الشوارب کے خاندان سے تھا،[۳] عربی تاریخوں اور سفرناموں سے ہباری خاندان کے صرف تین ہی حکام کے نام معلوم ہوئے، باقی نام آج تک پردۂ خفا میں تھے، لیکن خوش قسمتی سے حال ہی میں سندھ اور مارواڑ کی سرحد سے چھ ہزار پانچسو پچاسی (۶۵۸۵) سکے "ہباری" خاندان کے برآمد ہوئے ہیں، یہ کل چاندی کے اور چھوٹے چھوٹے ہیں، لیکن ان پر تاریخ سنہ ہے ہی نہیں، یا پڑھے نہیں جا سکے،

۱؎ طبقات ناصری ص ۲۰۸ کلکتہ ۲؎ آئین اکبری ج ۲ ص ۳۰۰ ۳؎ مروج الذہب مسعودی ص ۷۷ تا ص ۳۸۰
۱۹۲۶ء ۱ ۱۰ ۱ ۱۰

یہ سب فی الحال جودھپور کے عجائب خانے میں ہیں، سکے کے پڑھنے والے نے ان کی جو فہرست شائع کی ہے، اس میں عبداللہ بن عمر کا نام پہلے درج کیا ہے، اور اس کے باپ عمر بن عبدالعزیز کا نام دوسرے نمبر پر دیا ہے، جو صحیح نہیں ہے، اس لیے مندرجہ ذیل فہرست میں عمر کا نام پہلے اور اس کے ولیعہد لڑکے عبداللہ کا نام بعد کو دوسرے نمبر پر دیا ہے،

نمبر	رخ اول	رخ ثانی	سنہ	
۱	اللہ محمد رسول اللہ عمر	یا اللہ ولی عبداللہ ناصر	۲۴۰ھ	ہباری خاندان کا پہلا حاکم عمر بن عبدالعزیز، عبداللہ اور ناصر اس کے دو لڑکے ولی عہد ہیں، عام تاریخوں میں اس کا سنہ ملتا ہے،
۲	لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ	محمد رسول اللہ الامیر عبداللہ	۲۷۰ھ	یہ عمر بن عبدالعزیز کا لڑکا ہے، بزرگ بن شہریار نے اپنی کتاب عجائب الہند میں اس کا ذکر کیا ہے، اس نے اپنے سکے میں کسی ولیعہد کا نام درج نہیں کیا، حالانکہ اس کا لڑکا عمر موجود تھا،
۳	اللہ محمد رسول اللہ عمر	یا اللہ بنو عمرویہ النصر	۳۰۲ھ	اس کی کنیت ابوالمنذر ہے، مسعودی نے اس کا ذکر کیا ہے، اور "النصر" غالباً عبداللہ کے بھائی کا لڑکا ہے، اور اس کے لڑکے کا نام محمد اور علی ہے،
۴	اللہ محمد رسول اللہ محمد	یا اللہ بنو محمد وناصر	۳۴۰ھ	یہاں تک نسبی سلسلوں کی تائید تاریخوں سے ہوتی ہے اور یہ سے میں کہہ نہیں سکتا کہ یہی ترتیب ہے یا مرتب فہرست نے مقدم مؤخر کر دیا ہے، جیسا کہ نمبر ۱ و ۲ میں کیا ہے، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ علی نمبر ۵، محمد نمبر ۴ کا بھائی ہے یا لڑکا ہے، البتہ ولی عہدی کا سلسلہ صحیح نظر آتا ہے، کیونکہ عربی دستور کے مطابق دادا اور پوتے کا ایک نام ہوتا ہے۔
۵	اللہ محمد رسول اللہ علی	یا اللہ بنو علی و[illegible] النصر	۳۶۷ھ	نمبر ۵ و ۶ کے سنہ میں نے قیاس سے تحریر کر دیے ہیں، اصطخری، ابن حوقل اور بشاری کے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خاندان ہباری کی سلطنت موجود تھی،
۶	اللہ محمد رسول اللہ عبدالرحمن	یا اللہ بنو عبدالرحمن وناصر	۳۷۵ھ	

۷	اللہ محمد رسول اللہ محمد	یا اللہ نصر محمد، ناصر	غالباً یہ آخری بادشاہ ہے، متعدد دعویداروں کی خانہ جنگی نے سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

بشاری مقدسی نے لکھا ہے کہ جب میں شیراز میں تھا تو ایک باغی کے مقابلہ میں عضد الدولہ (بویہ) کے لڑکے سے منصورہ کا حاکم مدد مانگنے آیا تھا، عضد الدولہ کی وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی ہے، اس لیے ۳۶۷ھ سے لیکر ۳۷۲ھ کے اندر منصورہ کا یہ وفد شیراز گیا ہوگا، اور میرا خیال ہے کہ منصورہ کا وفد ناکام واپس آیا، اور باغیوں نے کچھ حصہ ملک کا دبا لیا، عبدالرحمن بن علی (م ۶) کے بعد اس کا لڑکا محمد تخت نشین ہوا، لیکن نصر، محمد اور ناصر اس کے تین دعویدار پیدا ہوگئے، اور ان سب کی خانہ جنگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے باپ کے زمانہ کے کسی پرانے حریف نے منصورہ پر قبضہ کرکے اس خاندان "ہباری قریشی" کا خاتمہ کر دیا،

یہ باغی حریف کون تھا؟ میرا خیال ہے کہ خفیف کا خاندان (اسماعیلی) تھا، اور چونکہ آل بویہ (عضد الدولہ) فاطمی خلفاء کے طرفدار تھے، اس لیے انھوں نے منصورہ کے حاکم کو قطعاً مدد نہیں دی، بلکہ اس نے یا تو حریف کو فائدہ اٹھانے کا پورا موقع دیا، یا دونوں میں مفتوحہ ملک کو تقسیم کرکے صلح کرا دی،

ان باغیوں کے اسماعیلی ہونے کا یقین اس لیے ہوتا ہے کہ اس عہد میں تمام سندھ، ملتان، اور مکران میں اسماعیلی چھا گئے تھے۔ اور ان تینوں سلطنتوں کے زوال پذیر ہونے کے باعث اسماعیلیوں کا زور بہت بڑھ گیا تھا، چنانچہ بشاری مقدسی کے عہد ۳۷۵ھ میں ملتان پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا، اور حلم بن شیبان (عرب) اس پر قابض تھا، اسی طرح مکران کا علاقہ بھی اسی عہد میں بنو فاطمہ کے زیر اثر آ چکا تھا، اور سندھ یعنی منصورہ کے دو ضلعوں قنبلی اور ارمائیل کو بھی حاکم مکران نے دبا لیا تھا، ممکن ہے اسی زمانہ میں خفیف کے خاندان نے بھی بغاوت کرکے ملک کا کچھ حصہ دبا لیا ہو، اور شاید اسی

کی واپسی کے لیے حاکم منصورہ شیراز وفد لے گیا ہو،

غرض اس عہد میں منصورہ شمال مشرق، اور جنوب مغرب دونوں سمتوں سے بنو فاطمہ مصر کے حاکموں میں گھر گیا تھا عبدالرحمٰن (ملنا) اور اس کے لڑکے محمد (مٹ) نے بمشکل بیس پچیس برس تک منصورہ کے تخت کو سنبھالے رکھا، پھر جس طرح اسپین کے آخری خلیفہ ابو عبداللہ نے اپنے چچا سے خانہ جنگی کرکے اپنی سلطنت کھو دی، اسی طرح محمد نے اپنے چچازاد بھائیوں سے لڑ کر سلطنت کا خاتمہ کر دیا ہوگا، خفیف کے خاندان نے اس موقع سے یقیناً فائدہ اٹھایا ہوگا، خصوصاً ۴۰۱ھ میں جب ملتان پر محمود غزنوی کا قبضہ ہو گیا، تو اس شکست خوردہ لشکر نے خفیف کی ماتحتی میں منصورہ پر فتح کر لیا ہوگا۔

اوپر کے بیان سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ منصورہ کی حکومت ۴۰۱ھ میں ختم ہوئی، اور ۴۱۶ھ میں محمود غزنوی نے منصورہ پر قبضہ کرکے خفیف کے خاندان کا خاتمہ کر دیا، جس کے بعد سومرہ خاندان برسر عروج آیا، مرتب فہرست نے ہباری خاندان کے جو نام تحریر کیے ہیں، اس میں ایک بات قابل غور ہے کہ سکے کے دوسرے جانب بنو عمر ویہ یا بنو علی ویہ" تحریر ہے، یہ لفظ "ویہ" کیا ہے؟ فارسی میں "سیبویہ" ایک مشہور لفظ ہے، جو ایک بڑے نحوی کا نام تھا، جس کے معنی سیب کی طرح کے ہیں، لیکن یہاں یہ معنی بنتے نہیں، اس لیے میرا گمان ہے کہ یہ لفظ صحیح نہیں پڑھا گیا، دراصل یہ لفظ "ولی" ہوگا۔ جو "ل" اور "ی" کے گھس جانے سے "ویہ" کی شکل نظر آتا ہے۔

دوسری بات قابل ذکر یہ ہے کہ آج تک کسی مسلمان حکمران خاندان کی تاریخ میں یہ نظر نہیں آتا کہ اس کے فرمانروا کے ساتھ ابتدا سے آخر تک چچازاد خاندان بحیثیت ولی عہد شریک سلطنت رہا ہو، درآنحالیکہ حکمران کا لڑکا بحیثیت ولی عہد کے بھی موجود ہو، بنو فاطمہ کے ایک سکہ میں البتہ مستنصر باللہ کے لڑکے قاسم ولی عہد اور الحافظ کا نگران ہونے کی حیثیت سے نام موجود ہے، دوسرا سکہ "فیروز شاہ تغلق دہلی" کا نظر سے گذرا جس میں فتح خان ولی عہد کا نام بھی ساتھ ساتھ ہے، اس لیے اگر میں نے صحیح سمجھا ہے تو کم از کم ہندوستان میں یہ پہلا عرب خاندان ہے جو چچا بھتیجوں کی شرکت سے سلطنت کا انتظام کرتا تھا، اور جس کی دوسری مثال ملنی مشکل ہے،

اصلاحاتِ اقبال

از جناب محمد بشیر الحق صاحب دسنوی عظیم آبادی

مین ۱۹۴۵ء کی گرمیون مین کتب خانہ "الاصلاح دسنہ (ضلع پٹنہ) مین بیٹھا منشی و نایک پرشاد طالب بنارسی کا کلام رسالہ "خدنگ نظر" لکھنؤ ماہ مئی ۱۹۰۲ء مین تلاش کر رہا تھا کہ اتفاقیہ اقبال کی نظم "آفتاب سحر" پر نظر پڑی جو رسالہ مذکور مین درج تھی، اس نظم کو "بانگ درا" مین تلاش کیا تو "آفتاب صبح" کے عنوان سے ملی، جب دونون نظمون کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ جو نظم "بانگ درا" مین درج ہے وہ ترمیم و اصلاح کے بعد شائع ہوئی ہے، اس سے مجھے خیال ہوا کہ "بانگ درا" کی اشاعت سے پہلے جو غزلین یا نظمین اخبار زمیندار و رسالہ مخزن لاہور وغیرہ مین شائع ہوئی ہین ان سب مین نظر ثانی کے وقت ترمیم و تنسیخ کے بعد علامہ اقبال نے ان کو بانگ درا مین شامل کیا ہوگا،

کتب خانہ الاصلاح مین رسالہ مخزن سلسلہ قدیم کی مکمل جلدون کے علاوہ دوسرے مشہور رسائل کی بھی مکمل و نامکمل جلدین محفوظ ہین، مین نے سب سے پہلے رسالہ مخزن کی کل جلدون کو دیکھا تو بانگ درا کی غزلون و نظمون کا بہت بڑا حصہ مخزن ہی کے اوراق مین بکھرا ہوا ملا، ان کا مقابلہ بانگ درا مین شائع شدہ غزلون اور نظمون سے کیا تو ان دونون مین بڑا فرق نظر آیا، چنانچہ ان ترمیمون اور اصلاحون کو نوٹ کرتا گیا، اس سے تلاش و جستجو کا حوصلہ بڑھا اور دوسرے رسائل و کتب کی ورق گردانی سے اور بہت سی غزلین اور نظمین دستیاب ہوئیں جو "اصلاحات اقبال" کے نام سے ہدیۂ ناظرین ہین،

"اصلاحات اقبال" کی اشاعت سے یہ فائدہ ہوگا کہ اس سے کلام اقبال کا تدریجی ارتقاء سامنے آ جائیگا،

اور یہ معلوم ہو گا کہ علامہ کو منزل مقصود تک پہنچنے مین کتنے دشوار گذار راستے طے کرنے پڑے، اور پہلے ان کے کلام مین کیا کیا خامیان تھین جن کو انھون نے نظرثانی مین دور کیا، جس سے ان کا کلام کہان سے کہان پہنچ گیا،

اس کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ بانگ درا مین غزل یا نظم کا جو عنوان ہے پہلے اس کو جلی حرفون مین دیا گیا ہے اور اس کے نیچے حوالے درج کرکے اصل اور اصلاحات کو بالمقابل کالمون مین تقسیم کردیا ہے، اصل پرانا کلام پہلے کالم مین ہے اور اصلاح شدہ دوسرے مین، اگر کسی شعر یا مسدس کے صرف ایک مصرع مین اصلاح ہے تو سیاق کلام کو سمجھنے کے لیے پورا شعر اور پورا بند نقل کردیا گیا ہے، اور جس مصرع مین اصلاح ہے اس کے مقابل مین اصلاح دکھا دی گئی ہے، اور بقیہ مصرعون کے سامنے صرف نقطے دیدیے گئے ہیں

ہمالہ

(۱)

رسالہ مخزن، لاہور، ماہ اپریل ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۳
(۱)	(۱)
اے ہمالہ! اے فصیل کشور ہندوستان	...
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسمان	...
تجھ پہ کچھ ظاہر نہین دیرینہ روزی کے نشان	تجھ مین کچھ پیدا نہین دیرینہ روزی کے نشان
نوجوان ہے دورۂ شام و سحر کے درمیان	تو جوان ہے گردشِ شام و سحر کے درمیان
تیری ہستی پر نہین بادِ تغیر کا اثر	ایک جلوہ تھا کلیم طورِ سینا کے لیے
خندہ زن ہے تیری شوکت گردشِ ایام پر	تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے
(۲)	(۲)
امتحان دیدۂ ظاہر مین کوہستان ہے تو	
پاسبان اپنا ہے تو دیوارِ ہندستان ہے تو	...

رسالہ مخزن لاہور ماہ اپریل ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۳
سوئے خلوتگاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو	مطلعِ اول فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو
مطلعِ اول فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو	سوئے خلوتگاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو
برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر	...
خندہ زن ہے جو کلاہِ مہرِ عالمتاب پر	...
(۳)	(۳)
سلسلہ تیرا ہے یا بحرِ بلندی موج زن	تیری عمرِ رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کہن
رقص کرتی ہے مزے سے جس پہ سورج کی کرن	وادیوں میں ہیں تری کالی گھٹائیں خیمہ زن
تیری ہر چوٹی کا دامانِ فلک میں ہے وطن	چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرمِ سخن
چشمۂ دامن میں رہتی ہے مگر پرتوفگن	تو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن
چشمۂ دامن ہے یا آئینۂ سیال ہے	چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیال ہے
دامنِ موجِ ہوا جس کے لیے رومال ہے	...
(۴)	(۴)
ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے	...
تازیانہ دے دیا برقِ سرِ کہسار نے	...
اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی جسے	...
دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لیے	...
ہائے کیا جوشِ مسرت میں چلا جاتا ہے ابر	ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر
فیلِ بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر	...

رسالہ مخزن، لاہور ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۳
(۵)	(۵)
جنبشِ موجِ نسیمِ صبح گہوارہ بنی	
جھومتی ہے کیا مزے لے لے کے ہر گل کی کلی	جھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گل کی کلی
یوں زبانِ برگ سے کہتی ہے اسکی خامشی	یوں زبانِ برگ سے گویا ہے اس کی خامشی
دستِ گلچیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی	
کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا	
کنجِ خلوت خانۂ قدرت ہے کاشانہ مرا	
(۶)	(۶)
نہر چلتی ہے سرودِ خامشی گاتی ہوئی	آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی
آئینہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی	کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی مانند لہراتی ہوئی	آئینہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی
ناز کرتی ہے فرازِ راہ سے جاتی ہوئی	سنگِ رہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی
چھیڑتا جا اس عراقِ دل نشیں کے ساز کو	چھیڑتی جا اس عراقِ دل نشیں کے ساز کو
اے مسافر! دل سمجھتا ہے تری آواز کو	اے مسافر! دل سمجھتا ہے تری آواز کو

گلِ رنگین

(۲)

رسالہ مخزن، لاہور ماہ مئی سنہ ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۶
(۱)	(۱)
تو شناسائے خراشِ عقدۂ مشکل نہیں	اے گلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید دل نہیں
واقفِ افسردگیہائے طپیدِ دل نہیں	...

رسالہ مخزن لاہور ماہ مئی ۱۹۰۱ء

زیبِ محفل ہے شریکِ شورشِ محفل نہین
کیون یہ تسکینِ خموشی ہو مجھے حاصل نہین
سوز بانون پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
راز وہ کیا ہے ترے سینہ مین جو مستور ہے

بانگ درا صفحہ ۶

...

یہ فراغت بزمِ ہستی مین مجھے حاصل نہین
اس چمن مین مین سراپا سوز ساز آرزو
اور تیری زندگانی بے گداز آرزو

(۲)

توڑ لینا شاخ سے تجھ کو مرا آئین نہین
یہ نظر غیر از نگاہِ چشمِ صورت بین نہین
آہ! یہ دستِ جفا جو اے گلِ رنگین نہین
کس طرح تجھ کو یہ سمجھاؤن کہ مین گلچین نہین
آشنائے سوزِ فریادِ دلِ مہجور ہون
پھول ہون مین بھی مگر اپنے چمن سے دور ہون

(۲)

کام مجھکو دیدۂ حکمت کے الجھیڑون سے کیا
دیدۂ بلبل سے مین کرتا ہون نظارہ ترا

(۳)

آہ اے گل تجھ مین بھی جوہر وہی مستور ہے
جو دلِ انسان مین مضمر مثلِ موجِ نور ہے
میری صورت تو بھی اک برگِ ریاضِ طور ہے
ہائے پھر مجھ سے جدائی کیون تجھے منظور ہے
دل مین کچھ آتا ہے لیکن منہ سے کہہ سکتا نہین
اور تکلیفِ خموشی کو بھی سہہ سکتا نہین

(۳)

سوز بانون پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
راز وہ کیا ہے ترے سینہ مین جو مستور ہے

مین چمن سے دور ہون تو بھی چمن سے دور ہے
مطمئن ہے تو پریشان مثلِ بو رہتا ہون مین
زخمیِ شمشیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہون مین

رسالہ مخزن لاہور ماہ مئی سنہ ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۶
(۴)	(۴)
یہ پریشانی مگر جمعیت عرفان نہ ہو	یہ پریشانی مری سامانِ جمعیت نہ ہو
یہ حنا بندکف مجبوبۂ ایمان نہ ہو	یہ جگر سوزی چراغ خانۂ حکمت نہ ہو
یہ خزان اپنی بہار گلشن رضوان نہ ہو	ناتوانی ہی مری سرمایۂ قوت نہ ہو
یہ جگر سوزی چراغ خانۂ انسان نہ ہو	رشک جام جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو
ہے یہ تاریکی مگر اک شمع دل افروز ہے	یہ تلاشِ متصل شمعِ جہان افروز ہے
توسنِ ادراکِ انسان کو خرام آموز ہے	...

عہد طفلی

(۳)

رسالہ مخزن ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۸
(۱)	(۱)
تھے دیارِ نو زمین و آسمان میرے لیے	
وسعتِ آغوشِ مادر اک جہان میرے لیے	
تھی ہر اک جنبش نشانِ لطفِ جان میرے لیے	
خالی از مفہوم خود میری زبان میرے لیے	حرف بے مطلب تھی خود میری زبان میرے لیے
درد اس عالم میں جب کوئی رلاتا تھا مجھے	درد طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے
شورشِ زنجیرِ در میں لطف آتا تھا مجھے	

رسالہ مخزن لاہور ماہ جولائی ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۸
(۲)	(۲)
تکتے رہنا ہائے! وہ پہروں تلک سوئے قمر	.
وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پا اس کا سفر	.
پوچھنا رہ رہ کے اس کے کوہ و صحرا کی خبر	.
اور وہ حیرت دروغِ مصلحت آمیز پر	.
آنکھ وقفِ دید تھی لب مائلِ گفتار تھا	.
دل مرا جامِ شرابِ ذوقِ استفسار تھا	دل نہ تھا میرا سراپا ذوقِ استفسار تھا

مرزا غالب

(۴)

رسالہ مخزن لاہور ماہ ستمبر ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۹
(۱)	(۱)
فکرِ انساں کو تری ہستی سے یہ روشن ہوا	فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تصور کی رسائی تا کجا	ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا
روح تھا تو اور تھی بزمِ سخن پیکر ترا	تھا سراپا روح تو بزمِ سخن پیکر ترا
زیبِ محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا	.
دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے	.
صورتِ روحِ رواں ہر شے میں جو مستور ہے	بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

رسالہ مخزن لاہور ماہ ستمبر ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۹
(۳)	(۳)
معجزِ کلکِ تصور ہے یا دیوان ہے یہ	محفلِ ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
یا کوئی تفسیرِ رمزِ فطرت انسان ہے یہ	جس طرح ندی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار
بارشِ موسیٰ کلامی ہائے ہندستان ہے یہ	تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار
نورِ معنی سے دل افروزِ سخندانان ہے یہ	تیری کشتِ فکر سے اگتے ہیں عالم سبزہ وار
نقش فریادی ہے تیری شوخیٔ تحریر کا	زندگی مضمر ہے تیری شوخیٔ تحریر میں
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا	تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں
(۴)	(۴)
لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں	
ہو تصور کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشین	ہو تخیل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشین
ہائے! اب کیا ہو گئی ہندوستاں کی سرزمیں!	
آہ! اے نظارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں!	
گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے	
شمع یہ جویندۂ دل سوزیٔ پروانہ ہے	شمع یہ سودائی دل سوزیٔ پروانہ ہے
(۴)	(۴)
اے جہان آباد اے گہوارۂ علم و ہنر	
ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در	
تیرے ہر ذرہ میں خوابیدہ ہیں شمس و قمر	ذرے ذرے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر
یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر	

رسالہ مخزن لاہور ماہ ستمبر ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۹
دفن تجھ میں کوئی فخر روزگار ایسا بھی ہے؟	.
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے؟	.

ابر کوہسار

(۵)

رسالہ مخزن لاہور ماہ نومبر ۱۹۰۱ء	بانگ درا صفحہ ۱۱
(۱)	(۱)
ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا	
سر کوہسار پہ دیکھے کوئی جوبن میرا	ابر کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا
غیرت تختۂ گلزار ہے مسکن میرا	کبھی صحرا کبھی گلزار ہے مسکن میرا
کہ گل افشاں ہے سر گوشۂ دامن میرا	شہر و ویرانہ مرا، بحر مرا، بن میرا
کسی وادی میں جو منظور ہو سونا مجھکو	
سبزۂ کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھکو	
(۲)	(۲)
مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے دُر افشاں ہونا	. . . . . .
ناقۂ شاہد رحمت کا حدی خواں ہونا	. . . . . .
غم زدائے دل افسردۂ دہقاں ہونا	. . . . . .
سبزیٔ بخت جوانان گلستاں ہونا	رونق بزم جوانان گلستاں ہونا
بن کے گیسو رخ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں	.
شانۂ موجۂ صرصر سے سنور جاتا ہوں	.

بانگ درا صفحہ ۱۱	رسالہ مخزن لاہور ماہ نومبر ۱۹۰۵ء
(۳)	(۳)
	دور سے دیدۂ امید کو ترساتا ہون
کسی بستی سے جو خاموش گذر جاتا ہون	جب افق پر کبھی چپکے سے چمک جاتا ہون
	سیر کرتا ہوا جس دم لب جو آتا ہون
	بالیان نہر کو گرداب کی پہناتا ہون
سبزۂ مزرعِ نوخیز کی امید ہون مین	وگی کوہ کے چشمون سے مجھے بھاتی ہے
زادۂ بحر ہون، پروردۂ خورشید ہون مین	زندگی اپنی اسی طرح گذر جاتی ہے

پرندے کی فریاد

(۶)

بانگ درا صفحہ ۲۳	رسالہ مخزن لاہور ماہ فروری ۱۹۰۸ء
(۱)	(۱)
(۱) آتا ہے یاد مجھکو گذرا ہوا زمانا	(۱) آتا ہے یاد مجھکو گذرا ہوا زمانہ
وہ باغ کی بہارین وہ سب کا چہچہانا	وہ جھاڑیان چمن کی وہ میرا آشیانہ
(۲)	(۲) آزادیان کہان وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا	اپنی خوشی سے جانا اپنی خوشی سے آنا
(۳)	(۳) لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم
شبنم کے آنسوؤن پر کلیون کا مسکرانا	شبنم کا صبح آکر پھولوں کا منہ دھلانا
(۴) آتی نہین صدائین اسکی مرے قفس مین	(۴) آتی نہین صدائین انکی مرے قفس مین
	ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس مین

خفتگانِ خاک سے استفسار

(۷)

رسالہ مخزن لاہور ماہ فروری ۱۹۰۲ء	بانگِ درا صفحہ ۲۴
(۱) رنگِ خاموشی میں ہے ڈوبی ہوئی موجِ ہوا	(۱) غوطہ زن دریائے خاموشی میں ہے موجِ ہوا
ہاں مگر اک دور سے آتی ہے آوازِ درا	...
(۲) اے مئے غفلت کے پروانو! کہاں رہتے ہو تم	(۲) اے مئے غفلت کے سرمستو! کہاں رہتے ہو تم
کچھ کہو اُس دیس کی آخر جہاں رہتے ہو تم	...
(۳) دل میں بھرتے ہیں اسی صورت سے پیدا ولولے؟	(۳) آدمی واں بھی حصارِ غم میں ہے محصور کیا؟
اس ولایت میں بھی کیا مجبور کہتے ہیں اسے؟	اُس ولایت میں بھی ہے انساں کا دل مجبور کیا؟
(۴) خرمنِ دہقاں کو ہے بجلی کا ڈر ایسا ہی کیا؟	(۴) کیا وہاں بجلی بھی ہے، دہقان بھی ہے، خرمن بھی ہے؟
اُس جہاں میں ہے تبسم پر خطر ایسا ہی کیا؟	قافلے والے بھی ہیں؟ اندیشۂ رہزن بھی ہے؟
(۵) فکر اینٹوں کی وہاں بھی ہے مکاں کے واسطے؟	(۵) تنکے چنتے ہیں وہاں بھی آشیاں کے واسطے؟
تنکے چنتے ہیں وہاں بھی آشیاں کے واسطے؟	خشت و گل کی فکر ہوتی ہے مکاں کے واسطے؟
(۶) باغ ہے جنت، و یا اک منزلِ آرام ہے؟	(۶) باغ ہے فردوس یا اک منزلِ آرام ہے؟
یا رخِ بے پردۂ حسنِ ازل کا نام ہے؟	...
(۷) کیا عوض رفتار کے اس دیس میں پرواز ہے؟	(۷) ...
موت کہتا ہے جسے انساں وہ کیا راز ہے؟	موت کہتے ہیں جسے اہلِ زمیں کیا راز ہے؟
(۸) کیا دلِ انساں کو واں بھی ذوقِ استفہام ہے؟	(۸) جستجو میں ہے وہاں بھی روح کو آرام کیا؟
کیا وہاں بھی جستجو میں روح کو آرام ہے؟	واں بھی انساں ہے قتیلِ ذوقِ استفہام کیا؟

شمع و پروانہ

(۸)

کلیات اقبال صفحہ ۱۳۸	بانگ درا صفحہ ۲۷
۱۔ پروانہ تجھ کو کرتا ہے اے شمع پیار کیوں؟	۱۔ پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع پیار کیوں؟
کرتا ہے اپنی جانکو تجھ پر نثار کیوں؟	یہ جان بیقرار ہے تجھ پر نثار کیوں؟
۲۔ کیوں بیقرار کرتی ہے تیری ادا اسے؟	۲۔ سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اسے؟
آدابِ عشق تونے سکھائے ہیں کیا اسے؟	...

عقل و دل

(۹)

رسالہ مخزن لاہور ماہ مئی ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۲۸

(خطِ منظوم مندرجہ مخزن کا ڈسٹرکٹ)

۱۔ ہوں زمیں پر، گذر فلک پہ مری	۱۔ ہوں زمیں پر، گذر فلک پہ مرا
دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں	...
۲۔ رہبری دہر میں ہے کام مرا	۲۔ کام دنیا میں رہبری ہے مرا
رشکِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں	مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
۳۔ دل نے سن کر کہا کہ سب سچ ہے	۳۔ دل نے سنکر کہا یہ سب سچ ہے
پر مجھے بھی تو دیکھ، کیا ہوں میں	.....
۴۔ ہے تجھے واسطہ مظاہر سے	۴۔ .....
اور باطن کو دیکھتا ہوں میں	اور باطن سے آشنا ہوں میں

رسالہ مخزن لاہور ماہ مئی ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۲۸
۵۔ علم کی انتہا ہے بے چینی	۵۔ علم کی انتہا ہے بے تابی
اس مرض کی مگر دوا ہون مین	...
۶۔ تو ہے وابستۂ زمان و مکان	۶۔ تو زمان و مکان سے رشتہ بپا
اور اس قید سے رہا ہون مین	طائرِ سدرہ آشنا ہون مین

شمع

(۱۰)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۳۲
۱۔ تیری طرح سے مین بھی ہون اے شمع دردمند	۱۔ بزمِ جہان مین مین بھی ہون اے شمع دردمند
فریاد در گرہ صفتِ دانۂ سپند	
۲۔ تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہین	۲۔ .....
دانائے بیقراریٔ محشر اثر نہین	بینا ہے اور سوزِ درون پر نظر نہین
۳۔ یہ امتیازِ رفعت و پستی اسی سے ہے	۳۔ .....
خوشبو ہی گل مین بادہ مین مستی اسی سے ہے	گل مین مہک شراب مین مستی اسی سے ہے
۴۔ بستان و بلبل و گل و بو ہے یہ آگہی	۴۔ .....
اصلِ نظارۂ من و تو ہے یہ آگہی	اصلِ کشاکشِ من و تو ہے یہ آگہی

ایک آرزو

(۱۱)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۳۵
۱۔ آزاد فکر سے ہون عزلت مین دن گزارون	۱۔ .....
دنیا کے غم کا کانٹا دل سے نکل گیا ہو	دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

آفتابِ صبح

(۱۲)

رسالہ خدنگِ نظر لکھنؤ ماہ مئی ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۳۷
"آفتابِ سحر"	
(۱)	(۱)
شورشِ میخانۂ انساں سے بالاتر ہے تو	...
زینتِ بزمِ ملک ہو جس سے وہ ساغر ہے تو	زینتِ بزمِ فلک ہو جس سے وہ ساغر ہے تو
ہو درِ گوشِ عروسِ صبح وہ گوہر ہے تو	...
جس پہ رخسارِ افق نازاں ہو وہ زیور ہے تو	جس پہ سیمائے افق نازاں ہو وہ زیور ہے تو
تو وہ مطلع ہے سرِ دیوانِ عالم کے لیے	صفحۂ ایام سے داغِ مدادِ شب مٹا
خامۂ قدرت نے آبِ زر سے لکھا ہے جسے	آسماں سے نقشِ باطل کی طرح کوکب مٹا
(۲)	(۲)
بستۂ رنگِ خصوصیت نہ ہو میری زباں	...
نوعِ انساں قوم ہو میری وطن میرا جہاں	...
دیدۂ باطن پہ رازِ نظمِ قدرت ہو عیاں	...
ہو شناسائے فلک شمعِ تصور کا دھواں	ہو شناسائے فلک شمعِ تخیل کا دھواں
عقدۂ اضداد کی کاوش نہ تڑپائے مجھے	...
حسنِ عشق انگیز ہر شے میں نظر آئے مجھے!	...
(۳)	(۳)
تو اگر زحمت کشِ ہنگامۂ عالم نہیں	...
یہ فضیلت کا نشاں اے نیرِ اعظم نہیں	...

رسالہ خدنگ نظر لکھنؤ ماہ مئی ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۳۷
ہائے تو اپنی تجلی کا اگر محرم نہین	اپنے حسن عالم آرا سے جو تو محرم نہین
ہمسر یک ذرۂ خاکِ درِ آدم نہین	...
نور مسجود ملک گرم تماشا ہی رہا	...
اور تو منت پذیرِ صبحِ فردا ہی رہا	...
آرزو نور حقیقت کی ہمارے دل مین ہے	...
لیلیٰ ذوقِ طلب کا گھر اسی محمل مین ہے	...
ہائے کیا لذت کشودِ عقدۂ مشکل مین ہے	کس قدر لذت کشودِ عقدۂ مشکل مین ہے
لطف صد مقصد رسی اس سعی بے حاصل مین ہے	لطفِ صد [illegible] ہماری سعیِ بے حاصل مین ہے
درد استفہام سے واقف ترا پہلو نہین	...
جستجوے رازِ قدرت کا شناسا تو نہین	...

دردِ عشق

(۱۳)

کلیات اقبال صفحہ ۱۴۲	[illegible] صفحہ ۳
۱۔ خالی تری شراب سے گلشن کا جام ہو	۱۔ خالی [illegible] سے لالے کا جام ہو
پانی کی بوند گریۂ شبنم کا نام ہو	[illegible]
۲۔ پوشیدہ گنج دل مین کہین راز ہو ترا	۲۔ پنہان درون [illegible] سینہ کہین راز ہو ترا
اشک جگر گداز نہ غماز ہو ترا	[illegible]
۳۔ ہر دم مرے خیال کی مستی سے چور ہے	۳۔ ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے
کچھ اور آجکل کے کلیمون کا طور ہے	...

سیّد کی لوحِ تربت

(۱۴)

رسالہ مخزن ماہ جنوری ۱۹۰۳ء	بانگ درا صفحہ ۴۴
۱۔ ہے خموشی یاں رہینِ لذتِ تقریر دیکھ	۱۔ سنگِ تربت ہے مرا گرویدہ تقریر دیکھ
دیدہ باطن سے تو اس لوح کی تحریر دیکھ	چشمِ باطن سے ذرا اس لوح کی تحریر دیکھ
۲۔ وصل کے سامان پیدا ہوں تری تقریر سے	۲۔ وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ! کوئی دل نہ دکھ جائے تری تحریر سے	دیکھ! کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے
۳۔ ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامۂ معجز رقم	۳۔ ...
دل ترا گیتی نما ہو گر مثالِ جامِ جم	شیشۂ دل ہو اگر تیرا مثالِ جامِ جم
۴۔ پاک رکھ اپنی زبان تلمیذ ربانی ہے تو	۴۔ پاک رکھ اپنی زباں تلمیذِ رحمانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو	...

انسان اور بزمِ قدرت

(۱۵)

رسالہ مخزن ماہ ستمبر ۱۹۰۳ء	بانگ درا صفحہ ۵۴
۱۔ صبح سورج کو جو چڑھتے ہوئے دیکھا میں نے	۱۔ صبح خورشید درخشاں کو جو دیکھا میں نے
بزمِ معمورۂ ہستی سے یہ پوچھا میں نے	...
۲۔ مہر نے نور کا گہنا تجھے پہنایا ہے	۲۔ مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے	...
۳۔ صبح اک گیت سراپا ہے تری عظمت کا	۳۔ صبح اک گیت سراپا ہے تری سطوت کا
زیرِ خورشید نشاں تک بھی نہیں ظلمت کا	...

رسالہ مخزن ماہ جنوری ۱۹۰۳ء — بانگ درا صفحہ ۵۴

۴۔ نور کے واسطے محتاج ہے ہستی میری — ۴۔ نور خورشید کی محتاج ہے ہستی تیری

اور بے منتِ خورشید چمک ہے تیری

پیامِ صبح

(۱۶)

کلیات اقبال صفحہ ۱۲۱ — بانگ درا صفحہ ۷۴

۱۔ صدا دی اس طرح دیوار گلشن پہ کھڑی ہو کر — ۱۔ پکاری اس طرح دیوار گلشن پہ کھڑے ہو کر

چٹک او غنچۂ گل تو موذن ہے گلستاں کا — ...

۲۔ گئی گورِ غریباں کو جو وہ زندوں کی بستی سے — ۲۔ سوئے گورِ غریباں جب گئی زندوں کی بستی سے

تو یوں بولی نظارہ دیکھ کر شہر خموشاں کا — .....

عشق اور موت

(۱۷)

رسالہ مخزن ماہ نومبر ۱۹۰۳ء — بانگ درا صفحہ ۸۴

۱۔ سہانی نمود جہاں کی گھڑی تھی — ....

کہ خودنما خوشی مست جام خوشی تھی — تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی

زہد اور رندی

(۱۸)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۳ء — بانگ درا صفحہ ۸۰

۱۔ لیکن یہ سنا اپنے مریدوں سے جو میں نے — ۱۔ .....

بے لوث ہے جوں نکہتِ گل اس کی جوانی — بے داغ ہے مانند سحر اس کی جوانی

رخصت اے بزم جہاں

(۱۵)

رسالہ مخزن ماہ مارچ ۱۹۰۴ء	بانگ درا صفحہ ۵۶
۱- باغ عالم میں ہے سب کو محفل آرائی پسند	۱- بزم ہستی میں ہے سب کو محفل آرائی پسند
ہے دلِ شاعر کو لیکن کنج تنہائی پسند	...

طفل شیر خوار

(۲۰)

رسالہ مخزن ماہ فروری ۱۹۰۵ء	بانگ درا صفحہ ۶۰
۱- تیرا آئینہ تھا آزاد غبار آرزو	۱- ....
وصل ہستی سے چمک اٹھا شرار آرزو	آنکھ کھلتے ہی چمک اٹھا شرار آرزو

نالۂ فراق

(۲۱)

رسالہ مخزن ماہ مئی ۱۹۰۵ء	بانگ درا صفحہ ۶۷
۱- ذرہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا	۱- ....
شکستہ آئینہ عالم نما ہونے کو تھا	آئینہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا

چاند

(۲۲)

رسالہ مخزن جولائی ۱۹۰۵ء	بانگ درا صفحہ ۶۹
۱- میں رہِ منزل میں ہوں تو بھی رہِ منزل میں ہے	۱- ...
تیری محفل میں ہے وہ سناٹا جو میرے دل میں ہے	تیری محفل میں جو خاموشی ہے میرے دل میں ہے
۲- پھر بھی اے ماہِ مبیں میں اور ہوں تو اور ہے	۲- ...
یعنی میں صیاد ہوں جس کا وہ آہو اور ہے	درد جس پہلو میں اٹھتا ہو وہ پہلو اور ہے

بلالؓ

(۲۳)

رسالہ مخزن ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۸۰
۱۔ نظر تھی مثلِ سلیمان اداشناس تری	۱۔ نظر تھی صورتِ سلمان اداشناس تری
شراب دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری	...
۲۔ خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا	۲۔ ...
خوشا وہ روز کہ دیدار عام تھا اس کا	خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

جگنو

(۲۴)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۸۳
۱۔ پروانہ اک پتنگا جگنو بھی اک پتنگا	...
وہ روشنی کا جویا یہ روشنی سراپا	وہ روشنی کا طالب یہ روشنی سراپا

صبح کا ستارہ

(۲۵)

رسالہ مخزن ماہ دسمبر ۱۹۰۲ء	بانگ درا صفحہ ۸۵
۱۔ ہے چمکنے میں مزہ حسن کا زیور ہو کر	۱۔ ہے چمکنے میں مزہ حسن کا زیور بنکر
زینت تاج سر بانوے قیصر ہو کر	زینتِ تاج سرِ بانوے قیصر بنکر
۲۔ لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں	۲۔ ...
دل سے مانند مئے تند چھلک ہی جاؤں	ساغر دیدۂ پرنم سے چھلک ہی جاؤں

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

(۲۶)

رسالہ مخزن ماہ فروری ۱۹۱۰ء	بانگ درا صفحہ ۸۰
۱- بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا	۱- .....
نوح نبی کا ٹھیرا آکر جہاں سفینا	نوح نبی کا آ کر ٹھیرا جہاں سفینا

نیا شوالہ

(۲۷)

رسالہ مخزن ماہ مارچ ۱۹۱۰ء	بانگ درا صفحہ ۸۸
۱- آ مل کے غیریت کے پردوں کو پھر اٹھا دیں	۱- آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقش دوئی مٹا دیں	...
۲- سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے جی کی بستی	۲- سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں	...
۳- ہے ریت عاشقوں کی تن من نثار کرنا	۳- شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
رونا ستم اٹھانا اور ان کو پیار کرنا	دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

(باقی)

ادبیات

انقلاب

از جناب سید محمود حسن صاحب قیصر امروہوی

اے وقت آ چاہئے کوئی پھر تازہ انقلاب — ہے تیز نبض دہر، عناصر میں پیچ و تاب
مائل ہے جبر و ظلم پہ سرہنگ روزگار — ہر دم ہے قلب سینۂ گیتی میں اضطراب
ہے خار چشم حق میں یہ دنیائے رنگ و بو — تلوار کی بہار ہے انسان کا خون ناب
انکار دین بن گیا معیار اوج فکر — الحاد ہے کتاب شرافت کا ایک باب
ہر دم نیا نظام ہے دنیا کے سامنے — ہر سانس اک پیام ہو ہر دم اک انقلاب

حبل المتین کو دست خرد سے دئے ہوئے
میدان ارتقار میں تمدن ہے رخش تاب

عزم و ضمیر، دلکش آہنگ بربط — تخیل آرزو گنہ اہرمن کا خواب
لطف خرام ساقی و ذوق نوائے چنگ — رقص و سرود و منیچہ و شاہد و شراب
آلودۂ تصور عصیاں دماغ و فکر — ہر سانس اک گنہ و کبیرہ کا ارتکاب
بے آگہی بہ نغمہ، ضمیر و حواس و عقل — رنگین بادہ سبحہ و سجادہ و کتاب
ارزانی متاع نظارہ وہ ہر قدم — رقص صنم وہ دعوت بدمستی و شراب
نذر بتان کئے ہوئے نقد متاع علم — واعظ عبا کی اوٹ میں پینے لگا شراب

اعلانِ فسق ننگ کا موجب نہیں رہا ۔ — معمول روز و شب ہے کبائر کا ارتکاب

جسمِ نفاق و شرک پہ اسلام کی قبا — تہذیبِ نو کے جام میں احکام کی شراب

اُلجھے ہوئے ہیں تار میں اندیشہ و خرد — افکار پر محیط ہے پندار کا سحاب

تنگ آگئی ہے جذبے سے دنیائے آب و گل — لبریز ہو چکا ہے ایاغِ شکیب و تاب

بیدار ہو چکا ہے جہان، دیر ہو گئی — اب چاہتی ہے چشمِ زمانہ سکونِ خواب

اے روحِ جعفرؔ! نہ ہو انتظار کر — بدلا ہی چاہتا ہے سکون سوئے اضطراب

سمجھے ہوئے ہیں جن کو خزان و خزان نہیں — ترتیبِ نو کا ہے چمنستان کا فتحِ باب

ہر ایک برہمی ہے پیامِ نظامِ نو
یعنی کہ انقلاب کو لازم ہے انقلاب

غزل

از جناب ڈاکٹر محمد عزیر صاحب

سوزِ نہاں سے، لذتِ آہ و فغاں سے دور — ہم تجھ سے دور ہو کے رہے لطفِ جاں سے دور

کیا مرتبہ ہے صاحبِ تسلیم و صبر کا — تجھ سے قریب، دسترسِ آسمان سے دور

کیا طرفہ ماجرا ہے محبت کا ماجرا — سود و زیانِ عشق ہے سود و زیاں سے دور

مقتل سہی وہ کوچہ مگر اہلِ شوق نے — پایا اُسے نہ زندگیٔ جاوداں سے دور

پھر سجدہ ہائے شوق میں مصروف ہے جبین — پھر وہ نگاہِ لطف ہے شرح و بیاں سے دور

قرب و حضورِ دوست بہت دور ہے عزیرؔ
جب تک مقامِ دل نہ ہو دونوں جہاں سے دور

مطبوعات جدیدہ

مسلمان شاہی خاندان اور اُن کے سلسلے

مترجمہ جناب عبدالرحمن خان صاحب سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۳۰۰ صفحے، کاغذ،

کتابت و طباعت بہتر، قیمت پانچ روپیے، پتہ ادارۂ ادبیات اردو خیریت آباد حیدرآباد دکن۔

مسلمانون نے اپنے دورِ عروج مین دنیا کے مختلف حصّون مین بہت سی حکومتین قائم کین، اور یکے بادیگرے اُن کے بہت سے خانوادے حکمران ہوئے، ان مین سے بڑی بڑی حکومتین تو عام طور سے معلوم و مشہور ہین لیکن بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتون کے نام سے بھی لوگ کم واقف ہین، عربی مین بھی کوئی ایسی جامع کتاب نہین ہے جس مین چھوٹی بڑی تمام حکومتون کا استقصار کیا گیا ہو، زرق اللہ منقلوطی مصری کی تاریخ دول الاسلام مین بھی جو انیسوین صدی کے آغاز کی تصنیف اور اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع کتاب ہے، بہت سی حکومتون کے حالات نہین ہین، مشہور انگریز مستشرق اسٹینلی لین پول نے جن کو اسلامی تاریخ کے مورخ کی حیثیت سے خاص شہرت حاصل ہے، دی محمڈن ڈائنا سٹیز کے نام سے انگریزی مین ایک کتاب لکھی تھی، مذکورہ کتاب اسی کا ترجمہ ہے اس مین آغاز اسلام سے اٹھارہوین صدی کے آخر تک کے ایک سو اٹھارہ مسلمان حکمران خاندانون اور اُن کی حکومتون کا مختصر ذکر ہے، مصنف کا مقصد صرف ان کا نقشہ مرتب کرنا تھا اس لئے اس مین ان کے سیاسی حالات نہین ہین، بلکہ ہر حکومت کی بقدر تعارف تاریخ اور اُن کے حکمرانون کی فہرست ہے، اس کتاب کی تالیف کے زمانہ یعنی اٹھارہوین صدی سے اس وقت تک اسلامی دنیا مین جو تغیرات ہوئے ہین، اور جو پرانی حکومتین ختم ہو کر اُن کی

نئی سلطنتیں قائم ہو گئی ہین، مترجم نے دیباچہ مین اُن کا مختصر تذکرہ کردیا ہے، اور اب اس کتاب سے خلافتِ عباسیہ سے لیکر اس وقت تک کی تمام اسلامی حکومتون کا نقشہ معلوم ہو جاتا ہے، اس حیثیت سے یہ کتاب قابل قدر ہے،

معدنی دباغت از جناب سید امداد علی صاحب دباغ سیلانوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۹ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ، پتہ مصنف مقام مرار ریاست گوالیار سے ملے گی،

جانورون کی کھال بھی ملک کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اور اس کی دباغت ایک معاشی صنعت اور مستقل فن ہے، اردو مین اس فن پر کوئی کتاب نہین تھی، مصنف نے جو اس فن کے ماہر اور ریاست گوالیار کی لیدر فیکٹری کے منیجر رہ چکے ہین، اس موضوع پر یہ کتاب لکھی ہے، اس مین فنِ دباغت کی مختصر تاریخ کھالون کی حفاظت اور ان کی دباغت کے طریقون، اور اُن سے متعلق جملہ معلومات کو بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور اُن کی عملی تشریح کے لئے بہت سی تصویرین اور نقشے بھی کتاب مین دیدیئے ہین، اردو مین اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے، جس مین بڑے بڑے کارخانون کی اعلیٰ دباغت سے لے کر دیہاتون کے سادہ طریقون تک کے لئے یکسان مفید معلومات ہین جو اس فن کے کاریگرون کیلئے نہایت مفید ہین،

قانون بین الممالک از جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب استاذ قانون بین الممالک جامعہ عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد تین روپے، پتہ احسان بک ڈپو، رسالہ عبداللہ حیدرآباد دکن،

مصنف کی علمی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، عرصہ ہوا انھون نے قانون بین الممالک اور ان کے اصول ونظیرون یعنی مختلف سلطنتون کے باہمی تعلقات کے دستور العمل اور ان سے متعلقہ قوانین پر یہ کتاب لکھی تھی اب مزید ترمیم واضافون کیساتھ اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا ہے، ہندوستان کی آزادی کے بعد خارجہ تعلقات کی بنا پر اب ہندوستان

میں بھی قانون بین الممالک کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور متعدد یونیورسٹیوں میں اس کے شعبے قائم ہو گئے ہیں، اس لئے اردو میں ایسی کتابوں کی ضرورت ہے، طلبہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

تحقیقی مقالے از جناب محمد معین الدین صاحب دردائی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۵ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد چار روپیہ پتہ محمد مظفر الدین بی اے پاکستان کتاب گھر مینا،

یہ کتاب اردو زبان وادب سے متعلق مصنف کے چار مقالوں کا مجموعہ ہے، پہلے مقالہ میں اردو کی تاریخی اہمیت دکھائی گئی ہے، دوسرے میں اس کی پیدائش اور ترقی کی تاریخ بیان کی گئی ہے، تیسرے میں اردو نثر کی سرگذشت ہے، چوتھے میں دکن کے قدیم مثنوی گو شعراء کا مختصر تذکرہ اور ان کی مثنویوں پر تبصرہ ہے، ان مقالوں میں گو کوئی نئی تحقیق نہیں ہے، بلکہ پرانے معلومات کو سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے، تاہم اردو زبان وادب کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے اجمالی معلومات کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے،

حضور انور از مولانا صبغۃ اللہ صاحب فرنگی محلی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت قسم اول ۱۲ر قسم دوم ایک روپیہ، پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ وصدیق بک ڈپو امین آباد لکھنؤ، انصاری لائبریری فرنگی محل لکھنؤ، وانوار بک ڈپو بندر روڈ کراچی،

اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر سیرت پاک قلمبند کی گئی ہے، مصنف کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ مصر کے ایک اہل قلم احمد تاجی کی کتاب النبی الاعظم کا ترجمہ اور کچھ حصہ خود ان کی تالیف ہے، زبان صاف اور سلیس اور انداز بیان شگفتہ اور بچوں کے پڑھانے کے لائق ہے، اگر سوانح نبوی کے ساتھ اسوۂ حسنہ کے کچھ واقعات بھی بڑھا دیئے جاتے، تو کتاب اور زیادہ مفید ہو جاتی،

آئینہ از جناب حاجی اصطفا خان صاحب مالک کارخانہ عطر اصغر علی ومحمد علی لکھنؤ تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد چار روپیہ پتہ حجاب منزل لکھنؤ،

مصنف کو فنون لطیفہ سے خاص ذوق ہے، بعض فنوں میں ان کی مہارت کل ہند شہرت

رکھتی ہے، شعر و سخن سے بھی اُن کو ذوق ہے، آئینہ اُن کے کلام کا مجموعہ ہے، اس کے شروع مین مصنف کے قلم سے اُن کے مختصر حالات اور جناب نکہت شاہجہانپوری کے قلم سے کلام پر تبصرہ ہے، اصل مجموعہ، حمد، نعت، منقبت، غزلیات، نظمون، رباعیات، قطعات، سہرے، تاریخ وغیرہ سبھی اصناف سخن پر مشتمل ہے، جو مصنف کی قدرتِ کلام کا ثبوت ہے، اور ہر صنف مین مشق سخن کی پختگی نمایان ہے، زبان صاف و شستہ انداز بیان شگفتہ، خیالات مین حسن مذاق کے ساتھ تغزل کی رنگینی اور جابجا بادۂ معرفت کی چاشنی بھی ہے، نعت و منقبت اور صوفیانہ مضامین مین اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے، اس لئے مصنف سے بھی کہین کہین بے اعتدالی ہو گئی ہے، مجموعی حیثیت سے آئینہ اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

مفتاح العربیہ از جناب مولانا محفوظ الرحمن صاحب پارلیمنٹری سکریٹری تقطیع اوسط، ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ پتہ:- اکلیل پرنٹنگ پریس، بہرائچ،

آج کل بڑے بڑے تعلیم یافتہ مسلمان تک کلام مجید کے معنی و مطالب کو نہین سمجھ سکتے، مذہب سے بے توجہی کے علاوہ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عربی کی باقاعدہ تعلیم مین بڑا وقت صرف ہوتا ہے، اس لئے جن لوگون کو مذہب کا ذوق بھی ہے ان کو بھی عربی کی تعلیم کا وقت نہین ملتا، اس مشکل کو حل کرنے کے خاص طور سے کلام مجید کی تعلیم اور اسکے ترجمہ کی استعداد پیدا کرنے کے لئے بہت سی کتابین لکھی گئی ہین، اور اس سلسلہ مین لکھنؤ کا ادارۂ تعلیمات اسلامی بڑا کام کر رہا ہے، مصنف نے بھی جن کو عربی کی تعلیم و تدریس کا وسیع تجربہ ہے، اس مقصد کے لئے مفتاح العربیہ لکھی ہے، اس مین صرف و نحو کے ضروری قواعد کو کلام مجید ہی کے الفاظ و فقرون سے سمجھایا گیا ہے اور اسکی مشقین لغات اور جملے فقرے بھی اسی سے دیئے گئے ہین، جس سے بقدر ضرورت عربی کی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ کلام مجید کے ترجمہ کی استعداد بھی پیدا ہوجاتی ہے اور ایک پڑھا لکھا شخص اس کتاب کی مدد سے چند مہینون مین کلام مجید کا معمولی ترجمہ آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے،

"م"

دارالمصنفین کی ونئی علمی و ادبی پیشکش

اقبالِ کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابیں لکھی گئیں لیکن ان سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں اُن کے مفصّل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل کی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری پھر فارسی شاعری پر ان کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصّل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن کے کلام کی تمام ادبی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت، تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت)، فنونِ لطیفہ اور نظامِ اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۔۔ ۴ صفحے، قیمت: للعہ

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہلِ قلم تھا، ہمایوں نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اُٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل مذکورہ بالا کتاب میں ملاحظہ فرمائیے، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے، قیمت: للعہ

منیجر

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

منیجر

رجسٹرڈ نمبر ۱۸۱۱ے ستمبر ۱۹۴۹ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

و

شاہ معین الدین احمد ندوی

قیمت: چھ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

دارالمصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت کے ساتھ اس کی قدردانی کی بعض یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب میں داخل کر لیا، اس لئے چند برسوں کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافوں کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں اور بعض زیر طباعت ہیں، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ، ضخامت ۵۹۶ صفحے، قیمت: سے ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل،

ضخامت ۳۶۳ صفحے،

قیمت سے ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم

(بنی عباس اوّل)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ ۷۵۰ء سے ابو اسحاق متقی اللہ ۳۳۳ھ ۹۴۴ء تک دو صدیوں کی سیاسی تاریخ، (زیر طبع)

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ، ضخامت:- ۳۲۴ صفحے

قیمت:- صر

"منیجر"

جلد ۶۴ ماہ ذیقعدہ ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۹ء عدد ۳

مضامین

مقالات

ادبیات

شذرات

زبان کے بارہ مین گو ابھی دستور ساز اسمبلی مین آخری فیصلہ نہین ہوا ہے، لیکن اس کے قریب قریب کل ہندو ممبر ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط کیلیے مصر ہین، زبان کی مسودہ کمیٹی نے بھی جسکے ایک ممبر مولانا ابوالکلام تھے، ان کے احتجاجی استعفی کے باوجود یہی فیصلہ کیا ہے، اس سے بھی بڑھکر کانگریس کی ورکنگ کمیٹی اور دستور ساز اسمبلی کی کانگریس پارٹی نے بھی جن سے ہندوستانی کی حمایت کی توقع ہوسکتی تھی، ہندی ہی زبان اور دیوناگری رسم الخط کی تائید کی ہے، ان حالات مین دستور ساز اسمبلی کا جو فیصلہ ہوگا وہ ظاہر ہے، اب اس بارہ مین بحث و گفتگو اور شکوہ و شکایت بیکار ہے، ممکن ہے آیندہ حالات موجودہ ذہنیت اور اس فیصلہ کو بدلنے پر مجبور کرین، لیکن اس وقت ہندو تہذیب کی تجدید کے خواب اور قوت و اقتدار کے نشہ مین، ارباب حکومت سے زبان کے مسئلہ مین معقولیت کی توقع رکھنا عبث ہے

لیکن اس فیصلہ سے اردو زبان ختم نہین ہوسکتی بلکہ ایک حیثیت سے یہ فیصلہ خالص اردو کے حق مین مفید ہے، اگر ہندوستانی حکومت کی زبان قرار دیجاتی تو اردو کے حامی بھی اس پر مطمئن ہوجاتے، اور انکی توجہ اردو کی جانب بہت کم رہجاتی، لیکن ہندی کے ملک کی زبان قرار پاجانے کے بعد گو اردو کے حامی بھی اسکو سیکھین گے لیکن ہر حیثیت سے اسکا تعلق منقطع نہوگا، خصوصاً مسلمان تو کسی حال مین بھی اردو کو نہین چھوڑ سکتے، اسکے چھوڑنے کے معنی یہ ہین کہ وہ اپنے کلچر اور جماعتی وجود کو خیرباد کہہ دین، اور اب انھین اردو کو اسکی تمام خصوصیات کے ساتھ زندہ رکھنے کا حق ہے، اسمین شبہ نہین کہ زبان کی ترقی مین حکومت کی سرپرستی کو بڑا دخل ہے، لیکن وہ عام بول چال کی زبان کو نہین مٹا سکتی، اسلیے زندہ اردو کے مٹنے کا کوئی امکان نہین ہے کوئی مصنوعی زبان اسکی جگہ نہین لے سکتی، وہ زیادہ سے زیادہ ایک محدود طبقہ کی علمی و ادبی زبان ہو کر رہجائیگی، اس سے زیادہ اسکی اور کوئی حیثیت نہین ہوسکتی، جو کچھ سوال ہے تو علمی و ادبی اردو کی بقا کا ہے، لیکن اگر اسکے حامی اسکو باقی رکھنا چاہین تو وہ بھی ختم نہین ہوسکتی

اردو میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی فطری صلاحیت ہے، وہ خودرو پودے کی طرح پیدا ہوئی، عوام کی بدولت پھیلی اور عام شاعروں اور اہل علم و قلم نے اسکو علمی زبان بنایا، حکومت سے اسکا تعلق تو اس وقت قائم ہوا جب زبان بن چکی تھی، اور حکومت بھی برائے نام رہ گئی تھی، اسمیں اتنی کشش اور تاثیر ہے کہ دوسری زبانوں کو متاثر کرتی رہی ہے، چنانچہ ہندوستان کی کوئی زبان بھی اسکے اثرات سے خالی نہیں ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ عوام کی زبان ہے اور اسمیں قریب قریب ہندوستان کی ہر زبان کے الفاظ ہیں، اسلیے وہ کم و بیش ہر جگہ سمجھی جاتی ہے، دوسرے اسکا دامن نہایت وسیع ہے، اس نے مختلف زبانوں کے ہزاروں الفاظ و اصطلاحات کو اپنا لیا ہے اور وہ مدتوں سے ایک اعلیٰ اور بلند تمدن کی نمائندہ ہے، اسلیے اس میں حکومت و سیاست کے ہر شعبہ علوم و فنون، اور تہذیب و معاشرت کی ہر شاخ اور اسکے لطیف سے لطیف مظاہر کے متعلق ہزاروں دلکش الفاظ اور اصطلاحیں موجود ہیں جو ہندوستان کی کسی زبان کو نصیب نہیں، اسلیے وہ ان کو لینے پر مجبور ہیں، چنانچہ آج بھی ہندی زبان میں اس قسم کے اردو کے بہت سے الفاظ موجود ہیں جنکو نکال کر ان میں الفاظ گڑھے جا رہے ہیں، لیکن جب اردو کی مخالفت کا بحرانی دور ختم ہوگا تو وہ ہندی کو متاثر کرکے رہیگی، اسلیے اردو کو باقی رکھنے کیلیے بہت تھوڑے سے سہارے کی ضرورت ہے۔

حکومت زیادہ سے زیادہ خود اردو کی امداد اور سرپرستی نہ کریگی، لیکن اس نے اسکی خدمت تو جرم نہیں قرار دی ہے، زبانیں حکومت کے سہارے نہیں بلکہ اپنے بولنے والوں کے بل بوتے پر زندہ رہتی ہیں، اسلیے اگر اردو کے حامی اسکو زندہ رکھنا چاہیں گے تو اسکو کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی، لیکن جو کچھ خطرہ ہے وہ انہی سے ہے، ان میں سے بہتیرے عہدوں کے بھوکے اور ملازمتوں کے دیوانے اردو سے منہ موڑ کر انگریزی کی طرح ہندی کی جانب ٹوٹ پڑیں گے، حالانکہ ہندی کیساتھ اردو سے تعلق قائم رکھنا بہت آسان ہے، جن لوگوں کو اردو سے دلچسپی تھی وہ انگریزی کیساتھ جو بالکل اجنبی زبان تھی، اردو کا تعلق قائم رکھتے تھے، تو ہندی کیساتھ جو اردو سے بہت قریب ہے اور دونوں میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں اردو سیکھنا بہت آسان ہے، لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب اردو کے حامی اسکو زندہ رکھنا چاہیں، اردو کروڑوں ہندو مسلمانوں کی زبان ہے، لیکن اگر بالفرض اس کو تنہا مسلمانوں ہی کی زبان مان لیا جائے تو اگر تین، ساڑھے تین کرور مسلمان مل کر بھی اسکو زندہ نہیں رکھ سکتے تو اردو کیا معنی ان کی ہر چیز کو مٹ جانا چاہیے۔

اردو کی بقا کیلیے کسی بڑی جد وجہد اور ایثار و قربانی کی ضرورت نہین، محض تھوڑی سی توجہ درکار ہے، اسکی چند موٹی تدبیرین یہ ہین کہ اردو کے حامی اپنے بچون کو ہندی کے ساتھ اردو کی تعلیم دلانا بھی اپنا فرض تصور کرین، اگر سرکاری اسکولون مین اس کا انتظام ممکن نہ ہو تو پرانے مکتبی طریقہ کے مطابق گھر پر ابتدائی تعلیم دیجائے، ضروری اور ناگزیر صورتون کے علاوہ تحریر و تقریر اور خط و کتابت وغیرہ مین اردو ہی استعمال کی جائے، اردو اخبارات و کتابون کا مطالعہ کیا جائے، جا بجا اردو کی لائبریریان اور ادبی مجلسین قائم کی جائین، مشاعرون کو ترقی دیجائے، ابتدائی تعلیم کے لیے ایسی ریڈرین تیار کی جائین جن کے ذریعہ بچے کم سے کم وقت مین اور آسانی کے ساتھ اردو لکھنا پڑھنا سیکھ سکین، بالغون کی تعلیم کا نظام قائم کیا جائے، اردو کا ہر حامی کم سے کم ایک ناخواندہ کو اردو سکھانا اپنا فرض بنا لے، اردو کے غیر سرکاری امتحانون کا طریقہ رائج کیا جائے، بلکہ جامعہ اردو آگرہ کو جسکا مرکز اب علی گڈھ ہو گیا ہے اور جو عرصہ سے اس کام کو انجام دے رہی ہے، ترقی دیجائے، اور گورنمنٹ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس کی سندون کو اردو کی سرکاری سندون کے برابر قرار دے، اس کے علاوہ اردو کے تحفظ اور ترقی کی اور بہت سی صورتین ہین، لیکن سب سے پہلی شرط عمل ہے۔

ابتدائی تعلیم کی زبان اور ثانوی اسکولون مین مختلف زبانون کی تعلیم کے بارہ مین وزراے تعلیم کی کانفرنس اور یونیورسٹی کمیشن کا یہ فیصلہ کہ بچون کی ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان مین دیجائیگی اور مادری زبان وہ مانی جائیگی جو بچون کے والدین بتائین گے، اور جس ثانوی اسکول مین چالیس طالب علم یا کسی درجہ مین دس طالب علم کسی زبان کو سیکھنا چاہین گے تو اس کا انتظام کیا جائے گا، تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی نہایت مناسب اور مفید ہے، اور اس سے مختلف صوبون کے باشندون کو بھی اطمینان ہو جائے گا، بشرطیکہ اس پر عمل بھی ہو، درحقیقت بچون کو غیر مادری زبان مین ابتدائی تعلیم دینا تعلیم سے دشمنی ہے، ضرورت ہے کہ جمعیۃ العلما، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور انجمن ترقی اردو مذکورۂ بالا فیصلہ کے نفاذ کی نگرانی کا فرض انجام دین، جہان اس پر عمل نہ ہو رہا ہو وہان کے باشندے ان ادارون کے ذریعہ حکومت تک شکایت پہنچائین، ورنہ جیسا کہ تجربہ ہے محض مقامی کوشش بے سود ہوگی،

مقالات

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے

رفاہِ عام کے کام

از مولانا عبد السلام ندوی

(۲)

نہر رفاہِ عام کی جن چیزون کا ذکر اوپر کیا گیا، اگرچہ ان کا فیض نہایت وسیع و عام تھا، تاہم خاص خاص طبقون تک محدود تھا شفاخانون سے صرف مریض فائدہ اٹھا سکتے تھے، سرایون اور مہمان خانون سے صرف مسافرون کو فائدہ پہنچتا تھا، اور لنگر خانون سے صرف فقراء و مساکین متمتع ہوتے تھے لیکن نہر تالاب، کنوئین، اور پل وغیرہ کا فائدہ کسی خاص طبقے تک محدود نہین ہے، بلکہ اس سے مریض تندرست غریب و امیر سب یکسان طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہین، اور فرمانروایانِ اسلام نے ہندوستان مین اس قسم کے بکثرت آثارِ خیر اپنی یادگار چھوڑے ہین،

ان چیزون مین ہندوستان جیسے زرعی ملک کے لئے نہرین سب سے زیادہ ضروری ہین، اور غالباً سب سے پہلے فیروز شاہ تغلق نے متعدد نہرین جاری کین، چنانچہ اس نے ۷۵۵ھ مین جب دلی کے پاس دریائے جمنا کے کنارے فیروز آباد کو آباد کیا، تو ستلج سے جھجر تک جس کی مسافت ۴۸ کوس ہے، ایک بڑی نہر نکالی، اور ۷۵۶ھ مین دریائے جمنا سے ایک نہر نکال کر اس کے ساتھ سات نہرین اور ملائین، اور ان کو ہانسی تک لے گیا،

اور اس کے بعد حصار فیروزہ کے نام سے ایک حصار قائم کیا، اور اس حصار کے نیچے محل کے پاس ایک تالاب کھدوایا، اور اس کو نہر کے پانی سے پر کیا، آب گھگر سے ایک اور نہر نکالی اور اس کو حصار سرستی سے آگے بڑھا کر نہر سر کھترہ تک پہنچایا، اور اس جگہ فیروز آباد کے نام سے ایک شہر آباد کیا، اور جمنا سے ایک نہر نکال کر اس شہر کے تالاب میں ملایا[۱]، اس کے بعد سلطان زین العابدین نے کشمیر میں نہایت کثرت سے زرعی نہریں جاری کیں، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہے،

"اکثر اوقات او بتعمیر ولایات وتکثیر زراعات دیر آورون آبہا بجائے رود مصروف می گشت[۲]"

"در کالپور وغیر آن آبہا از دور آوردہ جوئیہا میکند، وپہا می بست وزراعتہا بسیاری فرمودہ و

در مملکت کشمیر ہیچ زمینے بے آب وزراعت نماند[۳]"

اس کے بعد تیموری دور میں ایرانی طرز کی نہروں کا رواج ہوا اور اکبر کے دور حکومت میں اس کی ابتدا ہوئی، ایران میں نہریں اور چشمے باغوں اور گھروں میں جاری رہتے ہیں، اور لوگ ان سے بآسانی فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن ہندوستان میں اس قسم کی نہروں اور چشموں کا وجود نہ تھا، چنانچہ بابر تزک میں لکھتا ہے:-

"در باغ و عمارتہا آب روان نے"

یہاں کے لوگوں کا دارو مدار صرف کنووں، تالابوں اور ندیوں کے پانی پر تھا جن کی نہایت کثرت تھی، اور بعض شہروں اور دیہاتوں کے متصل واقع تھیں لیکن ان سے نہریں اور چشمے نکال کر گھروں اور باغوں میں نہیں لائے جاتے تھے، بلکہ لوگ کنووں اور تالابوں کی طرح ندیوں سے پانی نکال کر اپنے گھروں میں لاتے تھے، اور اس کو استعمال کرتے تھے، لیکن دور تیموری میں خانخاناں نے بالکل ایرانی طرز پر برہانپور میں اس قسم کی ایک نہر نکالی اور لعل باغ سے مسجد جامع تک جو برہانپور کے میدان کے پہلو یعنی وسط شہر میں واقع ہے، اس کو پختہ کرایا، اور مسجد میں ایک حوض اور ایک عمارت تیار کرائی، کہ اس میں اس نہر کا پانی جمع رہے، اور لوگ آسانی کے ساتھ وضو کر سکیں، اور وہاں سے اہل شہر اپنے مکانوں میں پانی

۱؎ فرشتہ جلد ۱ ص ۱۴۶
۲؎ ایضاً جلد ۲ ص ۳۴۰
۳؎ ایضاً ص ۳۴۳

لے جاسکیں، اور وہ اہلِ شہر کے اکثر مکانوں میں جاری ہو سکے۔

مولانا فرید الدین منجم دہلوی نے اس نہر کی تاریخ بنا یہ نکالی ہے۔

سپہ سالار گیتی خانخانان — ستونِ بارگاہ و شہریاری

کفِ رادش پلِ رودِ سوال است — نم دستش ز جود ابر بہاری

روان کردہ بشہر اندر قناتے — کزو سیراب گردد سوقی و داری

در ایام جہانگیر جہان بخش — کہ از فرقش بنازد تاجداری

گرفت انجام کار چشمۂ خیر — مبادا انجام جریانش زباری

بود چون دولت نامیش لازال — بود تا دورہائے روزگاری

دلِ دانا ز تاریخش بہ پرسید — جوابش داد ہاتف خیر جاری ۱۰۲۲ھ

اس کے بعد ۱۰۴۹ھ[1] میں علی مردان خان کشمیر سے شاہجہان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ میرے ساتھ ایران کے چند اشخاص ہیں، جو نہروں کے کھودنے میں مہارت رکھتے ہیں، اگر حکم ہو تو دریائے راوی سے ایک نہر نکال کر شہر میں لائی جائے، جس سے شہر کے مزروعات اور باغات سرسبز و شاداب ہوں، اور شہر کی رونق کے ساتھ زمینوں کے محاصل میں بھی اضافہ ہو، شاہجہان نے اس تجویز کو پسند کیا، اور اس کے مصارف کے لئے لاکھ روپیے عطا کئے، علی مردان خان نے اس کام کے لئے ایک معتبر شخص کو مقرر کیا، اور اُس نے ۴۸ کوس جریبی کی مسافت سے کہ راوی اور لاہور میں اسی قدر فاصلہ تھا، نہر نکالنی شروع کی،[2] لیکن چونکہ اس سے لاہور کے آس پاس کے باغوں میں اچھی طرح پانی نہیں پہنچتا تھا، اس لئے شاہجہان نے لاکھ روپیے اور دیئے، لیکن اس سے بھی نہر کی مرمت نہ ہو سکی، اور پچاس ہزار روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اب ملا علاء الملک تونی نے جو فنون ریاضی

---

[1] مآثر رحیمی جلد دوم ص ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳۔ [2] خافی خان جلد اوّل ص ۵۱۱۔

کے ماہر تھے، اور علم آب تمازو سے بھی واقفیت رکھتے تھے، اس نہر کو پانچ کوس تک قائم رکھکر ۲۰ کوس تک اور کھدوایا، اور اس ترمیم واصلاح کے بعد شہر میں کافی پانی آنے لگا۔[۱]

اس کے بعد قطب الملک سید عبداللہ خان نے جو فرخ سیر کے وزیر اعظم تھے ۱۱۲۷ھ میں شاہجہان آباد میں ایک نہر نکالی جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں،

"از آثار ماوست نہر پٹ پر گنج واقع شاہجہان آباد (کہ از بے آبی حکم کربلا داشت) قطب الملک درسنہ (۱۱۲۷ھ) سبع وعشرین ومائۃ والف نہرے از اصل نہر شاہجہانی بریدہ آوردہ آن خطہ را در وفور آب احیا نمود"

میر عبدالجلیل بلگرامی نے اس نہر کے متعلق دو شعر کا ایک تاریخی قطعہ لکھا ہے،

بحر جود وفیض قطب الملک عبداللہ خان	نہر خیرے کرد جاری آن وزیر محتشم
بہر آن عبدالجلیل واسطی تاریخ گفت	نہر قطب الملک مد بحر احسان وکرم[۲]

تالاب | نہروں کی طرح آب پاشی اور دوسری ضروریات کے لئے تالابوں کی بھی ضرورت ہے، اور فرمانروایان اسلام میں سلطان علاؤ الدین خلجی نے سب سے زیادہ اس طرف توجہ کی، اور دوسری عمارتوں کے ساتھ بکثرت تالاب کھدوائے، چنانچہ فرشتہ میں ہے،

"آن قدر عمارت کہ در عہد او بنا یافت از مسجد وخانقاہ وحوض ومنار وحصار در ہیچ عصرے بوقوع نیامدہ"[۳]

اس کے بعد تیموری دور میں شہنشاہ اکبر نے تعمیرات کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا، اور اس کے ذریعہ سے بکثرت تالاب کھدوائے گئے، آئین اکبری میں ہے،

"فراوان آب گیر وچاہ کہ جان دار وے زندگان وآبروے زمین است بروے کار آمد"[۴]

---

[۱] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۵۰۲، [۲] ایضاً ص ۴۸، [۳] فرشتہ جلد اول ص ۱۲۱، [۴] آئین اکبری جلد اول صفحہ ۱۱۰،

اس محکمہ کے علاوہ دورِ اکبری مین انفرادی کوششون سے بھی متعدد تالاب کھودے گئے، چنانچہ امراے اکبری مین شیخ عبدالرحیم لکھنوی نے ایک برہمن عورت کشنا نامی کو گھر مین ڈال لیا تھا، اور جب ان کا انتقال ہوا تو اس نے بہت سے پرتکلف مکانات بنوائے، اور تالاب کھدوائے[۱] اسی دور مین شاہ قلی خان المتوفی ۱۰۰۱ھ نے اپنے وطن نارنول مین ایک بہت بڑا تالاب کھدوایا[۲]،

امراے اکبری مین ایک اور نہایت فیاض بزرگ شیخ فرید مرتضیٰ خان تھے، انھون نے دلّی مین فریدآباد کو آباد کیا تھا، اور اس مین بہت سی عمارتون کے ساتھ ایک تالاب بھی اپنی یادگار مین چھوڑا، چنانچہ مآثر الامرا مین ہے :

"در دہلی فریدآباد با عمارات و تالاب یادگار گذاشت[۳]"

امراے اکبری مین اعتماد خان نے بھی آگرہ سے ۴ کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤن اعتماد پور کے نام سے آباد کرایا، اور اس مین ایک تالاب کھدوایا، اور اسی گاؤن مین اپنا مقبرہ بھی تعمیر کرایا[۴]، جو آج زیارت گاہِ عام و خاص ہے،

ان مثالون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین دیہاتون کی آبادی اور رونق کا ایک ضروری جزو تالاب بھی تھے، اس لئے جو لوگ دیہاتون کو آباد کرتے تھے، وہ وہان اور چیزون کے ساتھ تالاب بھی کھدواتے تھے،

اکبر کے بعد جہانگیر نے تالابون کے کھدوانے کا ایک خاص نظام قائم کیا، اور اپنی تخت نشینی کے ساتھ ہی عام اعلان کیا کہ

"در ممالک محروسہ از کافر و مسلمان ہر کس کہ فوت شود مال و منال او بورثہ او واگذارند،
ہیچ کس دران دخل نسازد و اگر وارث نداشتہ باشد بجہت ضبط آن عمال مشرف و تحویلدار

---

[۱] مآثر الامرا حصہ دوم ص ۶۹۵ [۲] مآثر الامرا حصہ دوم ص ۶۰۰ [۳] ایضاً ص ۶۳۹ [۴] ایضاً حصہ اول ص ۹

علمہ تعیین نمایند تا آن وجہ بمصارف شرعی کہ ساختن مساجد وسراہا ومرمت پلہائے شکستہ و احداث تالابہا وچاہ ہا باشد صرف شود"[1]

اسی زمانے مین ملک عنبر نے دکن مین ایک تالاب کھدوایا، اور اس سے ایک گانون کی رونق وآبادی مین اضافہ کیا، چنانچہ صاحب مآثر الامرار لکھتے ہین،

"باین ہمہ فساد وہنگامہ (کہ پیوستہ با فوج مغل ولشکر دکن زد وخورد داشتہ) موضع کھرکی پنج کروہے دولت آباد (کہ الحال بخجستہ بنیاد اورنگ آباد موسوم است) با حداث تالاب وطرح باغ وعمارات عالیہ معمورۂ عظیم ساخت"[2]

جہانگیر کے بعد شاہجہان نے عمارتوں اور باغون کی رونق وسرسبزی کے لئے متعدد حوض وتالاب بنوائے، چنانچہ حافظ رخنہ نے سرہند مین اکبر کے زمانہ مین ایک نہایت عمدہ باغ لگوایا تھا، ایک بار شاہجہان نے اس مین قیام کیا، تو اس کے متصل ایک نہایت عمدہ تالاب کھدوایا،[3] اسی مقام پر دیانت خان فوجدار سرہند کو حکم دیا کہ ایک نہایت عمدہ عمارت تیار کرائین، جس کے ایک طرف باغ اور دوسری طرف تالاب ہو،[4] کشمیر کے ایک گانون اچول مین جس کا نام شاہجہان نے صاحب آباد رکھا تھا، جہانگیر نے جو شاہی عمارتین تیار کرائی تھین، وہ شاہجہان کو پسند نہ آئین، اس لئے حکم دیا کہ اُن کے بجائے دوسری عمارتین آبشارون اور حوضون کے ساتھ تعمیر کرائی جائین،[5]

شاہجہان کے بعد اگرچہ عالمگیر نے خود کوئی حوض یا تالاب نہین کھدوایا، لیکن امرائے عالمگیری مین خان زمان نے قصبہ نارنول مین ایک عظیم الشان تالاب کھدوایا، جس کے سامنے شاہ قلی خان کے تالاب کی کوئی وقعت نہین رہی، چنانچہ صاحب مآثر الامرا لکھتے ہین،

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۵۳ [2] مآثر الامرا حصہ سوم ص ۳۶۰ [3] بادشاہ نامہ حصہ دوم ص [4] ایضاً

[5] ایضاً حصہ دوم ص ۱۵۱،

"و در ظاہر آن قصبہ خلیل ساگر تالابے بر ساخت کہ تا ل شاہ قلی خان محرم رااپیش او آبرو نماند"[1]

عالمگیر کے بعد محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں حسین علی خان نے اورنگ آباد میں ایک حوض بنوایا جس کو عضد الدولہ عوض خان المتوفی ۱۱۴۳ھ نے اور بھی زیادہ وسیع کیا، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے:

"وحوض آب دخجستہ بنیاد بنا گذاشتہ اوست، اگرچہ عضد الدولہ عوض خان بہادر در وسعت ارتفاع عمارت مسجد افزوده اما اصل بانی بنائے خیر جاری آن حوض دریا موج در ایام تابستان از قلت آب سکنۂ خجستہ بنیاد در عذاب بودند حسین علی خان گردیده"[2]

کنوئیں | فرمانروایانِ اسلام نے ہندوستان میں تالابوں کی طرح نہایت کثرت سے کنوئیں بھی کھدوائے، تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ

.... فیروز شاہ تغلق نے اپنے دورِ حکومت میں ڈیڑھ سو کنوئیں کھدوائے تھے[3]

اس کے بعد شیر شاہ نے بنگال سے لے کر اکبر آباد، مانڈو اور رہتاس تک مسافروں کے لئے راستوں میں پختہ کنوئیں تیار کرائے[4] شیر شاہ کے بعد اکبر نے ایک مستقل محکمہ تعمیرات قائم کیا، اور اس کے ذریعہ بکثرت کنوئیں کھدوائے[5]، خلاصۃ التواریخ میں ہے کہ اکبر نے اجمیر سے فتح پور تک ایک ایک کوس کے فاصلے پر پختہ کنوئیں کھدوائے تھے، تاکہ وہ کوس کی علامت قرار پائیں، اور اسی کے ساتھ منارے بھی بنوائے تھے، اور اُن پر شکار شدہ ہرنوں کی سینگیں لگوائی تھیں، "تا رہروان را اعتقاد سے و دلیلے بودہ باشد"

اکبر کے بعد جہانگیر نے ایک عام قاعدہ مقرر کر دیا کہ جو لوگ لاوارث مر جائیں، اُن کے مال سے سرکاری طور پر مسجدیں اور سرائیں تعمیر کرائی جائیں، ٹوٹے ہوئے پلوں کی مرمت کرائی جائے اور

---

[1] آثر الامراء حصہ اول ص ۲۰۰، [2] خافی خان حصہ سوم ص ۹۳۲، [3] فرشتہ جلد اول ص ۱۵۱ [4] خافی خان جلد اول ص ۱۰۲، [5] آئین اکبری جلد اول ص ۱۱۵،

کنوئین اور تالاب کھدوائے جائین، یہ تو خاص سرکاری انتظام تھا لیکن جاگیرداروں کے لئے یہ حکم تھا کہ جو راستے آبادی سے دور ہون، اور وہان چوریان اور ڈکیتیان ہوتی ہون، وہان سرائے مسجد اور کنوئین تیار کرائین تاکہ کچھ لوگ وہان آباد ہو جائین[۱] اس کے علاوہ جہانگیر نے آگرہ سے لاہور تک ایک ایک کوس پر سنگ میل نصب کرائے، اور تین تین کوس کے فاصلہ پر کنوئین کھدوائے، چنانچہ تزک مین لکھتا ہے:-

"پیش ازین حسب الحکم از دار الخلافہ آگرہ تا دریاے اٹک دو طرفہ درخت نشانیدہ خیابان ترتیب دادہ اند و ہمچنین از آگرہ تا بنگالہ در نیولا حکم کردم کہ از آگرہ تا لاہور بر سر ہر کروہ میلے بسازند کہ علامت کروہ باشد و بفاصلہ سہ کروہ چاہ آبے تا متردد ین آسودہ و مرفہ الحال آمد و رفت نمایند از تشنگی و تابش آفتاب محنت و صعوبت نکشند"[۲]

عالمگیر نے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، راستون مین جو سرائین تعمیر کرائی تھین، اُن کے ساتھ پختہ کنوئین بھی کھدوائے تھے،

حمام | ہندوستان مین حمام صرف اسلامی دورِ حکومت کی تمدنی پیداوار ہے، ہندوؤن کے یہان حمام کا مطلق رواج نہ تھا، چنانچہ ملا عبد الباقی نہاوندی مآثر رحیمی مین لکھتے ہین،

"در ولایت ہندوستان و امصار و بلادآن بجہت آنکہ این وسعت آباد در تصرف کفرہ و ہنود بودہ، در نزد آن گروہ حمام ساختن ظاہرا منع است، ازین سعادت محروم بودند و مسلمانان کہ درین دیار بودہ اند ازین رہگذر مشقت و آزار بسیار میکشیدہ اند"[۳]

بابر نے اپنی تزک مین ہندستان کی تمدنی حالت پر جو اجمالی ریویو کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ تک ہندوستان مین حمام کا وجود نہ تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

"یخ و آب سرد نے در بازار ہاے او طعام خوب و نان خوب نے، حمام نے و مدرسہ نے"

---

[۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۵ [۲] ایضاً ص ۲۰۰ [۳] مآثر رحیمی جلد دوم ص ۶۰۰، ۶۰۱

شمع وشعل نے، وشمعدان نے،

لیکن تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر سے پہلے ہندوستان مین فیروز شاہ دس حمام تعمیر کرا چکا تھا،[۱] تاہم آرام وآسایش کے ساتھ حمام تکلف ونفاست کی چیز بھی ہے، اور تیموری تکلف ونفاست مین اور مسلمان فرمانروایان ہندوستان سے بڑھے ہوئے تھے، اور یہ تکلف بابر ہی کے زمانہ سے شروع ہو چکا تھا، چنانچہ خافی خان ایک موقع پر لکھتا ہے:

"بعدہٗ ہمراہ سلطان جنید بخدمت وملازمت حضرت فردوس مکانی محمد بابر شاہ غازی رفتہ روشناس گشت وچند گاہ درکاب ماندو از اطوار سلطنت مغلیہ واقف ومحرم گشتہ اکثر بزبان می آورد کہ از اندازۂ روش ونسق چنینہ معلوم می شود کہ اینہارا از ہندوستان بیرون کردن چندان کارنیست رفقار تمسخر وہذیان گفتن، اوراطون می ساختند، واو کمر ریزیان می آمد کہ چون مغلان باسباب وتزک وگردآوری اشیاے خودآرائی وتن پروری آن قدر پرداختہ اند کہ ہمہ کارکلی وجزوی بامراو نوکران مرتشی واگذاشتہ اند،"[۲]

اس بنا پر تیموری دور مین حمام کا زیادہ رواج ہوا، اور بکثرت حمام تعمیر ہوئے، چنانچہ اکبری دور مین عبدالرحیم خانخانان نے برہان پور کے میدان مین ایک نہایت عمدہ حمام بنوایا، جس کی نسبت ملا عبدالباقی نہاوندی لکھتے ہین:—

"درایران بصفا وپاکیزگی آن ہم نمی رسد وفقراء ومساکین ازان فیض می برند،"[۳]

جہانگیر نے اگرچہ خود کوئی حمام نہین بنوایا، تاہم اس کے دور مین بھی بعض حمام تعمیر ہوئے، وہ خود تزک مین لکھتا ہے،

"حسب الالتماس آصف خان بمنزل او کہ در کنار جنا اساس یافتہ رفتہ شد حمامے ساختہ

---

[۱] فرشتہ جلد دوم ص ۱۱۵، [۲] خافی خان حصہ اول ص ۱۹، [۳] مآثر رحیمی جلد دوم ص ۶۰۱،

در نہایت صفا و نفاست بغایت محظوظ گشتم"[۵۱]

اس کے بعد شاہجہان نے کشمیر مین شالہ مار یعنی باغ فرح بخش کے متصل شمالی جانب ایک نہایت عمدہ حمام بنوایا[۵۲] اور اس کے ارکان سلطنت مین وزیر خان نے بھی لاہور مین ایک حمام تعمیر کیا[۵۳]، شاہجہان کے بعد عالمگیر کے زمانہ مین نہایت کثرت سے حمام تعمیر ہوئے، چنانچہ اس نے یہ حکم دیا کہ جن راستون مین سرائین نہ ہون، اُن مین سرائین قائم کیجائین، اور ہر سرائے کے ساتھ ایک حمام بھی ہو،[۵۴] امرائے عالمگیری مین امانت خان میرک نے بھی لاہور مین ایک حمام بنوایا، جس کی نسبت صاحب مآثر الامرا لکھتے ہین،

"حمام طرح نمودہ کہ مشہور عالم است"[۵۵]

عالمگیر کے زمانہ مین ایک مشہور حمام تھا جس کو سنجر بیگ نے بنوایا تھا"[۵۶]

پل فرمانروایانِ اسلام کے دورِ حکومت مین ہندوستان مین نہایت کثرت سے پل تیار ہوئے تاریخ فرشتہ مین لکھا ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے ایک سو پل بنوائے تھے[۵۷]، اس کے بعد سلطان زین العابدین نے کشمیر مین نہایت کثرت سے پل بنوائے،[۵۸]

شہنشاہ اکبر نے اگرچہ خود کوئی پل نہین تعمیر کرایا تاہم اس کے امراء مین خانخانان نے جو نپور مین جو پل تعمیر کیا، اس کی شہرت آج بھی قائم ہے، چنانچہ صاحب مآثر الامراء لکھتے ہین،

"از ابنیۂ خانخانان (کہ بر صدد جود دمغی ایام یادگار خواہد ماند) پل جونپور است کہ صراط المستقیم ۹۸۱ھ

تاریخ آنست و از اعاظم ابنیۂ ممالک محروسہ است"[۵۹]

جہانگیر نے جیسا کہ ابھی لکھا جا چکا ہے، لاوارث لوگون کے مال کا ایک مصرف شکستہ پلون کی مرمت

---

[۵۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۳۰۰ [۵۲] بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۲۲ [۵۳] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۹۳۵ [۵۴] عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۴، [۵۵] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۲۴۳، [۵۶] ایضاً ص ۲۶۶، [۵۷] فرشتہ جلد اول ص ۱۵۱ [۵۸] ایضاً جلد دوم ص ۳۴۲ [۵۹] مآثر الامراء حصہ اول ص ۷۲۵

واصلاح قرار دیا تھا، اس کے علاوہ اس نے بذات خود بھی بعض پل تعمیر کرائے چنانچہ تزک مین لکھتا ہے،

"پنج ہزار روپیہ دیگر از زر وزن بجہت تعمیر پل با حسن ابدال و عمارتے کہ دران جا واقع است

حوالہ بواوفا پسر حکیم ابوالفتح شد کہ اہتمام نمودہ پل و عمارات مذکور را در غایت استحکام بہ

انصرام رساند"[1]

جہانگیر کے بعد عالمگیر نے نہایت کثرت سے پل تعمیر کرائے، اور عام حکم دیا کہ

"درہر موضع کہ پل درکار باشد نیز باستحکام تمام بسازند"[2]

عالمگیر کے دور حکومت مین شایستہ خان امیر الامراء نے بھی نہایت کثرت سے پل تعمیر کرائے، چنانچہ

صاحب مآثر الامراء ان کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

"آثار خیر از قبیل رباط و مسجد و جسر (کہ لکہا بصرف آن رفتہ) در چار دانگ ہندوستان

بسیار یادگار"[3]

اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ مین حسین علی خان نے اپنے وطن بارہہ مین پل تعمیر کروائے[4]

اسی دور مین نواب آصف جاہ نے دکن کے ایک مقام مین ایک پل تعمیر کیا چنانچہ مآثر الامراء مین ہے؛

"وآبادی نظام آباد بالائے کتل فرداپور (کہ در ویرانہ محض بود) طرح انداخت ومسجد ودکاکین

سرا و دولت خانہ و پل تعمیر نمود"[5]

پلون کے علاوہ فیروز شاہ تغلق نے پچاس بند بھی بندھوائے تھے[6]

بازار | اسلامی دور حکومت مین بہ کثرت بازار قائم کئے گئے، بالخصوص سکندر لودی نے ان تمام مقامات پر بازار قائم کئے جہان ہندو غسل کرنے تھے[7]، عالمگیر نے ہندوستان کے جن راستون مین سرائین تعمیر

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۰ [2] عالمگیر نامہ ص ۵۰۰ [3] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۵۰۴ [4] بقیہ خافی خان ص ۹۴۲ [5] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۸۳۷ [6] فرشتہ جلد اول ص ۱۵۱ [7] فرشتہ جلد اول ص ۱۸۶

کروائی تھیں، اُن کے ساتھ مینار بھی قائم کئے تھے[۵۱]

اس کے علاوہ رفاہ عام کی اور بھی بہت سی چیزیں وجود میں آئیں، مثلاً فیروز شاہ نے سو مقبرے بنوائے، جہانگیر نے تمام بڑے بڑے شہروں میں ڈھائی تین گز کی بلند دیواریں اس غرض سے بنوائیں کہ جب بوجھ اٹھانے والوں کو سستانے کی ضرورت پیش آئے، تو اپنے سر کے بوجھ کو اتار کر خود اس پر رکھ دیں اور پھر دوبارہ اٹھانے میں اُن کو کسی مددگار کی حاجت نہ پڑے، چنانچہ تزک میں لکھتا ہے،

"روز جمعہ بست و دوم چہار کروہ مسافت طے نمودہ در موضع باریجہ سعادت نزول اتفاق افتاد در این راہ دیوارہا بنظر در آمد از دو نیم گز تا سہ گز بعد از تحقیق معلوم شد کہ مردم بقصد ثواب ساختہ اند کہ چون حمالے در راہ ماندہ شود بار خود بر ان دیوار نہادہ نفسے راست سازد و باز بے مدد غیر بفراغت برداشتہ متوجہ مقصد گردد این تصرف خاصہ اہل گجرات است، بسیار مرا این دیوار ساختن خوش آمد، فرمودم کہ در جمیع شہرہاے کلان ہمین دستور دیوارہا از طرف پادشاہی بسازند"[۵۲]

راستوں اور گلیوں کی صفائی

ہندوستان میں فرمانروایانِ اسلام نے راستوں اور گلیوں کی صفائی اور روشنی کا ضرور کوئی انتظام کیا ہوگا لیکن افسوس ہے کہ تاریخوں میں اس کی تفصیل نہیں ملتی، البتہ بساتین السلاطین میں فرمانروایانِ سلسلۂ عادل شاہیہ کے جو ضوابط سلطنت مذکور ہیں، ان میں اس کا بھی ایک خاص ضابطہ موجود ہے، چنانچہ اس ضابطے کے الفاظ یہ ہیں،

"از دربار بادشاہی راستہاے بازار تا ہر دو دروازہ از دو جانب باتمام کمال برسانند و معمور دارند چہ بازارہا از دو طرف معمور باشد چہ جانب سودا خریدی نزدیک خواہد شد و در میان راستہ بازارہا نگذارند کہ خیمہ و چھپر و دوکانہا بدارند، بجز دو راستہ در میان ہیچ دوکان حاجت نیست، و دربان کوشد کہ بقال و زیات و بزاز و خیاط در یک خیمہ و زرد طباق و ہر قومے

---

۵۱ عالمگیر نامہ ص ۱۰۰۸، ۵۲ تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۱۰

پہلوے یکدیگر یک راستہ بمانند و دوکان داشتہ باشد و تا کہ راستہ و بازار ہا با تمام معمور می شوند محلہ ہا و کوچہ ہا منظور بدارند و بیوستہ شاہراہ ہا و کوچہ ہا و بازار ہا تاکید پاک و صاف نگہداشتہ در مد نظر و سر ہا ے راہ ہیچ جا خس و خاشاک افتادن ندہند و از دو راستہ بازار ہیچ دوکانے ناآباد و خراب نگذارند[۱]"

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہو کہ اس زمانہ مین راستون کی صفائی اور دوکانون کی ترتیب کا انتظام اس زمانہ سے کم نہ تھا،

موذی جانورون کا مارنا موذی جانورون کے حملون سے رعایا کا محفوظ رکھنا رفاہ عام کی ایک صورت ہی، اور بعض فرمانروایان اسلام نے اس مین اس قدر کوشش کی تھی کہ اپنے حدود سلطنت کو موذی جانورون سے بالکل پاک و صاف کر دیا تھا، چنانچہ سلطان محمود خلجی کے زمانہ مین کسی مسافر کو شیر نے پھاڑ ڈالا، اس کی مان اور بیچے اس کے دربار مین آئے اور درندون کے حملون کی شکایت کی، سلطان نے اپنے حدود سلطنت مین ہر جگہ فرمان بھیج دیا کہ تمام درندہ جانور مار ڈالے جائین، اور اس کے بعد اگر کہین درندے نظر آئین تو ان کے عوض وہان کے حاکم کو قتل کر دیا جائے، نتیجہ یہ ہوا کہ

"ازین رہگذر در زمان دولت فرخندہ او و بعد از و سالہا کس در ولایت مالوہ شیر و گرگ و دیگر سباع نمی دید[۲]"

سودی قرض لینے کی ممانعت رفاہ عام کے متعلق اوپر جن جن چیزون کا ذکر کیا گیا، وہ تمامتر مادی صورت مین موجود تھین، لیکن ان کے علاوہ رفاہ عام کی اور بھی بہت سی شکلین ہین جن کی کوئی مادی صورت نہین ہے لیکن وہ ان مادی چیزون سے بھی زیادہ مفید خلق ہین، مثلاً سود خواری ایک ایسی لعنت ہے کہ جو شخص اس کے شکنجے مین گرفتار ہو جاتا ہے وہ بمشکل اس سے رہائی حاصل کر سکتا ہے اس

---

[۱] بساتین السلاطین ص ۲۵۲، [۲] ایضاً ص ۲۵۵، [۳] فرشتہ دوم ص ۲۵۰

وقت ہندوستان نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیا مین یہ وبا پھیلی ہوئی ہے، اور اس کے انسداد کے لئے ہر طرف سے شور و غل کیا جارہا ہے، تاہم اس کے دفعیہ کی کوئی صورت نظر نہین آتی، لیکن سلاطینِ اسلام مین سلطان محمود بیگڑہ نے اپنے سپاہیون کو عام حکم دیا تھا کہ ان مین کوئی شخص سودی قرض نہ لے، صرف یہی نہین بلکہ ایک مستقل خزانہ اس غرض سے قائم کر دیا تھا کہ جس سپاہی کو قرض کی ضرورت پیش آئے وہ ایک میعاد معین کے لئے اس سے لے لے، مرآت احمدی مین ہے،

"وحکم کردہ بود کہ ہیچ کس از لشکریان من قرض ربا نگیرد، وخزانہ علٰحدہ مقرر کردہ بود کہ از سپاہی ہر کس بقرض حاجت داشتہ باشد بادبدہ و بوعدہ بگیرد، می فرمود کہ اگر مسلمانان قرض ربا بخورند از دست ایشان غذا چگونہ آید"[۵]

بیروزگاری کا انسداد | بیروزگاری سے مختلف اخلاقی برائیان مثلاً گداگری، آوارگی، رہزنی، اور چوری وغیرہ پیدا ہوتی ہین، اور اس زمانہ مین تو بیروزگاری سیاسی شورشون کا بھی ایک بڑا سبب بن گئی ہے، موجودہ سلطنتون کو اگرچہ قوم و ملک کے اصلاح اخلاق اور تہذیب نفس کی کوئی پروا نہین لیکن وہ سیاسی شورشون کو ہر ممکن طریقہ سے دبانا چاہتی ہین، بااین ہمہ وہ اس زمانہ کے بیکارون کے برسر روزگار کرنے کی کوئی تدبیر نہین کر سکتین لیکن فرمانروایانِ اسلام مین سب سے پہلے تغلق شاہ نے اس طرف توجہ مبذول کی، اور رعایا کے ہر فرد کو کسی نہ کسی کام مین لگانا چاہا، لیکن اس کا مقصد خود غرضی یعنی کسی سیاسی شورش کا دبانا نہ تھا، بلکہ محض رعایا کی بہبودی مد نظر تھی، چنانچہ تاریخ فیروزشاہی مین ہے،

"وعجب نیکخواہی عام کہ در ذات سلطان تغلق شاہ مجبول بودہ است کہ ہم اہل مملکت خود را آسودہ وغنی خواستے و محتاج و بے نوا نتوانستے دید، و دران کوشیدے کہ رعایا و لشکری و کل طوائف دیگر ہمہ ہمیشہ در فراغ باشند و باراحت زیند و این عادت قدیم و عادت خو

[۵] مرآت احمدی جلد اول ص ۹۰،

سلطان تغلق شاہ بودہ است کہ رعایا و لایت او و ملک او مسلمان و ہندو کارے وکسبے و
ندامتے وحرا شتے کنند کہ ازان کار کسب آسودہ شوند واز احتیاج سوال وبیچارگی ودرماندگی
مضطر نشوند ونیک خواہی عام سلطان درباب رعایا بحدے بودے کہ درباب گدایان درہا
خواستے، کہ ترک گدائی گیرند وبکارے وکسبے مشغول شوند واز خواری سوال وننگ بینوائی
واحتیاج دلہا خلاص یابند وجا بہر طوائف مملکت ازدنبال کسب وکار خود آسودہ وفارغ البال
باشند، وکارے وفعلے وگناہے وتباہی ازیشان در وجود نیاید، [۵]

اس کے بعد فیروز شاہ نے اس صیغہ کو اور بھی ترقی دی اور کوتوال کو حکم دیا کہ شہر میں جس قدر بیکار لوگ ہون، وہ دربار میں حاضر کئے جائیں، اس حکم کے بعد کوتوال شہر نے ہر محلہ دار کو طلب کیا، اور اُن سے ہر ایک کے حالات دریافت کئے، اور محلہ دارون نے بڑے بڑے شرفا کو جو نا داری سے کسی کو منہ تک نہین دکھلا سکتے تھے، کوتوال کے سامنے پیش کیا، کوتوال نے ان لوگون کے نام اور حالات لکھے، اور ان کو دربار مین حاضر کیا، اور فیروز شاہ نے ہر ایک کو کسی نہ کسی کام سے لگا دیا، [۶]

ارزانی | رعایا کی فلاح وبہبود کا تمامتر دارومدار اسباب معاش اور ضروریات زندگی کی ارزانی پر ہے، بالخصوص غلے اور کپڑے کی ارزانی ایک ایسی چیز ہے، جس سے ملک وقوم کا غالب حصہ خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتا ہے، لیکن جب تک اس کے لئے خاص آئین وضوابط نہ منضبط کئے جائین یہ مقصد حاصل نہین ہو سکتا،

سلطان علاء الدین کے زمانے مین مغلون کے حملون کا خوف ہمیشہ لگا رہتا تھا، اور وہ اُن کے انسداد کی ہر ممکن تدبیر سوچتا رہتا تھا، اس کی سب سے موثر تدبیر اس کی سمجھ مین یہ آئی، کہ فوج کی تعداد زیادہ بڑھائی جائے، اور ان کو اسپ وسلاح اور دوسرے فوجی ساز وسامان سے آراستہ کیا جائے،

---

[۵] تاریخ فیروز شاہی جلد اول ص ۴۳۵-۴۳۶، [۶] ایضاً جلد دوم ص ۴۴۳،

لیکن اس کے لئے کافی روپیہ کی ضرورت تھی، اور سلطان کا خزانہ اس عظیم الشان فوجی مصارف کا زیادہ دنون تک متکفل نہین ہو سکتا تھا، اس لئے اُس نے فوجی معاملات مین شان چنگیزی پیدا کرنی چاہی، اُن ترکی ممالک کی طرح فوجی سپاہیون کو بہت کم تنخواہ پر ملازم رکھنا چاہا۔ اُس نے ارکانِ سلطنت کے سامنے اس خیال کو ظاہر کیا، تو سب نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ اگر ضروریاتِ زندگی ارزان ہو جائین، تو تھوڑی سی تنخواہ مین بہت سے مسلح سپاہی ملازم رکھے جا سکتے ہین، سلطان نے یہ رائے پسند کی اور سب سے پہلے غلہ کی ارزانی کے لئے تمام غلون کا حسب ذیل نرخ مقرر کیا،

گیہون	فی من ساڑھے سات جیتل[1]	
جو	"	چار جیتل
چنا	"	پانچ جیتل
چاول	"	"
ماش	"	"
موٹھ	"	تین جیتل

اور اس نرخ کے قائم رکھنے کے لئے چند ضوابط بنائے، جو حسب ذیل ہین،

(۱) غلے کی منڈیون مین سرکاری عہدہ دار جن کو شحنہ کہتے تھے، مقرر کئے کہ وہ نہایت ہوشیاری سے سرکاری نرخ کو قائم رکھین، اور تاجرون کو اس مین کمی بیشی کا موقع نہ دین،

(۲) سرکاری محاصل میں جو غلہ وصول ہو تو اس کو جمع رکھا جائے، تاکہ اگر بازار مین غلہ کی کمی ہو، تو سرکاری غلہ مقررہ نرخ کے موافق فروخت کیا جا سکے، اس غرض سے بعض جگہ مالگذاری مین صرف غلہ لیا جاتا تھا، اور اس طریقہ سے دلی مین اس قدر غلہ آتا تھا کہ کوئی محلہ ایسا نہ تھا جس کے دو تین گھر

[1] جیتل تانبے کا ایک پیسہ تھا، اور اس زمانہ مین من ۴۰ سیر کا اور سیر ۲۴ تولہ کا ہوتا تھا،

سرکاری غلہ سے پر نہ ہون، اگر قحط پڑ جاتا تھا، یا تاجران غلہ کسی وجہ سے غلہ نہین لاتے تھے، تو منڈی مین یہی سرکاری غلہ فروخت ہوتا تھا، اور اس مین غلہ کی کمی نہین ہوتی تھی،

۳۔ ملک کے تمام غلہ فروش شحنہ کی رعایا بنا کر جمنا کے کنارے بسائے جائین، تاکہ اطراف ملک سے غلہ لاکر سرکاری نرخ کے موافق فروخت کرین، اور اس معاملہ مین ان سے تحریری معاہدہ لیا جائے کسی شخص کو احتکار یعنی غلہ کے روک رکھنے کا موقع نہ دیا جائے، اور اس بارے مین اس قدر سختی کی گئی کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ کسی شخص نے غلہ روک رکھا ہے، تو اس غلہ کو سرکاری غلون مین داخل کر لیا جاتا تھا، اور اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا،

۴۔ کاشتکار اپنی ضرورت سے زیادہ غلہ کھیت ہی پر فروخت کر دین، اور اس سے زیادہ ایک دانہ بھی گھر پر نہ لے جائین، اس کے ساتھ عمال رعایا سے مالگذاری کھیت ہی پر وصول کر لین، تاکہ کاشتکار اپنے حصہ سے زائد غلہ گھر مین لے جا کر جمع نہ کر سکین،

۵۔ روزانہ غلہ کے نرخ اور منڈی کے تمام معاملات کی اطلاع بادشاہ کو دیجائے اور قحط کے زمانہ مین ہر شخص صرف اپنی ضرورت کے موافق غلہ خریدے، اور اس پر اس شدت سے عمل کیا گیا، کہ اگر مقررہ ضوابط مین ذرہ برابر بھی خلل پڑتا تھا، تو منڈی کا تمام عملہ سزایاب ہوتا تھا، اور جو لوگ ضرورت سے زیادہ آدھ سیر غلہ بھی خریدتے تھے، وہ معتوب ہوتے تھے، اس کے لئے خاص خاص گماشتے اور جاسوس مقرر تھے، جو شدت سے اس حکم پر عمل کراتے تھے، اور بادشاہ کو خفیہ طور پر تمام معاملات کی اطلاع دیتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ قحط کے زمانہ مین بھی یہی نرخ قائم رہتا تھا، اور غلہ کے انبار مین کوئی کمی نہین ہوتی تھی،

غلہ کی طرح تمام سوتی اور ریشمی کپڑون کی بھی حسب ذیل قیمتین مقرر کی گئین،

چیرہ دہلی	۱۶ تنگہ	چیرہ کونکہ	۲ تنگہ

سرے صاف اعلیٰ	۵ تنگہ[1]	خز دہلی	۱۶ تنگہ
سرے صاف میانہ	۳ تنگہ	خز کوتلہ	۶ تنگہ
سرے صاف ادنیٰ	۲ تنگہ	مشروع شعری عین	۳ تنگہ
سلائی اعلیٰ	۴ تنگہ	برد عین یا دوال لعل	۶ جیتل
سلائی میانہ	۳ تنگہ	برد ادنیٰ	۳۶ جیتل
سلائی ادنیٰ	۲ تنگہ	استر لعل ناگوری	۲۴ جیتل
کرپاس اعلیٰ ۲۰ گز	۱ تنگہ	استر ادنیٰ	۱۲ ر ر
کرپاس میانہ ۳۰ گز	۱ تنگہ	شیرین بافت عین	۵ تنگہ
کرپاس ادنیٰ ۴۰ گز	۱ تنگہ	شیرین بافت متوسط	۳ تنگہ
کرپاس سادہ	۱۰ جیتل	شیرین بافت ادنیٰ	۲ تنگہ

اور اس نرخ کو قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل ضوابط وضع کئے،

۱- دروازہ بداؤن کے قریب ایک وسیع صحرا مین سرائے عدل کے نام سے ایک سرائے قائم کی، اور حکم دیا کہ اطراف وجوانب سے سوداگر جو کپڑے لائین، اُن کو کسی بازار یا کسی کے گھر مین نہ اتارین، بلکہ براہ راست سرائے عدل مین لاکر شاہی نرخ کے مطابق صبح سے ظہر کے وقت تک فروخت کرین، اس ضابطہ کے خلاف اگر کوئی شخص کسی کے گھر یا کسی بازار مین اپنا مال اتار کر نرخ شاہی سے زیادہ قیمت پر فروخت کرتا تھا، یا خرید و فروخت کے مقررہ وقت کی پابندی نہین کرتا تھا، تو اس کا مال بحق شاہی ضبط کر لیا جاتا تھا، اور اس کو سزا دی جاتی تھی،

۲- شہر و اطراف ممالک کے تمام سوداگران پارچہ کے نام درج دفتر کرکے، اور ان کو حکم دیا کہ بدستور

---

[1] تنگہ سونے اور چاندی کا ایک سکہ تھا جس کا وزن ایک تولہ ہوتا تھا، اس جگہ تنگہ سے چاندی کا تنگہ مراد ہے،

معہود کپڑون کو لاکر سرائے عدل مین شاہی نرخ کے مطابق فروخت کرین، اس ضابطہ کا یہ اثر ہوا کہ شاہی کپڑون کی ضرورت باقی نہین رہی، بلکہ خود تاجران پارچہ اس کثرت سے کپڑے لانے لگے جو مدتون سرائے عدل مین پڑے رہتے تھے، اور فروخت نہین ہوتے تھے،

۳- امراء و رؤسا کو حکم دیا کہ جب وہ عمدہ باریک اور قیمتی کپڑے خرید کرنا چاہین، تو رئیس بازار سے پروانہ حاصل کرین، چنانچہ اس ضابطہ کے مطابق رئیس بازار امراء و رؤسا کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق پروانہ دیتا تھا، اور جس شخص کی نسبت معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کپڑے کا تاجر نہین ہے، بلکہ سرائے عدل سے عمدہ کپڑے ارزان قیمت پر خرید کر باہر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا چاہتا ہے، اس کو پروانہ نہین دیتا تھا، اس بندش سے تاجران پارچہ بھی عمدہ کپڑے ارزان قیمت پر خرید کر باہر نہین لیجا سکتے تھے، اور اس طرح ان کو گران قیمت پر ان کے فروخت کرنے کا موقع نہین ملتا تھا،

۴- ۲۰ لاکھ تنگہ ملتان کے تاجران پارچہ کو شاہی خزانہ سے دلوایا تاکہ اطراف ملک سے کپڑے لاکر سرائے عدل مین شاہی نرخ کے مطابق فروخت کرسکین،

غلے اور کپڑے کی طرح گھوڑون کی بھی حسب ذیل قیمتین مقرر کین،

اوّل درجہ کا گھوڑا	سو سے ایک سو بیس تنگہ تک
دویم درجہ کا گھوڑا	اسّی سے ۹۰ تنگہ تک
سویم درجہ کا گھوڑا	پینسٹھ سے ستر تنگہ تک
ٹٹو	دس بارہ سے بیس پچیس تنگہ تک

ان قیمتون کے قائم رکھنے کے لئے بھی چند ضابطے مقرر کئے،

(۱) حکم دیا کہ کیسہ دار (وہ لوگ جو ارزانی کے وقت سستے دام پر چیزین خریدتے ہین، اور گرانی کے زمانہ مین مہنگے دام پر فروخت کرتے ہین) سوداگرون سے گھوڑے نہ خریدین، اور سوداگر بھی ان کے

بجائے بازار میں خرید و فروخت کرین، اور اس معاملہ مین دونون سے معاہدہ لیا گیا، لیکن جو لوگ ارزان خری اور گران فروشی کی لذت سے آشنا تھے، وہ اس سے باز نہین آتے تھے، اس لئے ان کو سخت سزائیں دین، اور بعض کو قتل اور بعض کو جلا وطن کیا،

۲- دلالون پر اس قدر تشدد کیا کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ایک گھوڑا بھی نرخ بادشاہی کے مطابق فروخت نہین کیا گیا ہی، تو تمام دلالان شہر معتوب ہوتے تھے، اور مجرم اور غیر مجرم مین کوئی فرق نہین کیا جاتا تھا،

۳- ہر چالیسوین روز گھوڑون کی جنس اور قیمت کی تحقیقات کرتا تھا، اور اگر اس مین ذرہ برابر بھی فرق و تفاوت معلوم ہوتا تھا، تو تمام دلال معتوب ہوتے تھے،

اسی طرح چھوٹی بڑی تمام چیزون کا ایک خاص نرخ مقرر کیا گیا، فرشتہ لکھتا ہے،

"وہر چہ کہ در بازار بخرید و فروش آن احتیاج می باشد بادشاہ نرخ آن قرار داده ونظر بر اینکہ این چیز محقرات مثل سوزن وشانہ وکفش وکوزہ گلی نیندا ختہ، وبہاے ہمہ چیز از نان تا بریان واز حلواے صابونی تا تُوڑی واز پودینہ تا تنبول بحضور خویش مشخص ساختے"

اس اصول کے مطابق ذیل کی چیزون کے حسب ذیل نرخ مقرر کئے،

مصری	فی سیر دو جیتل
شکر تری	" " ایک "
شکر سرخ	" آدھی "
روغن کنجد	تین سیر ایک "
روغن ستور	ڈیڑھ سیر " "
نمک	پانچ سیر " "

دودھ پانچ سیر ایک جیتل

غرض اسی طرح بھیڑ بکری، گائے، بیل اور بھینس وغیرہ کی بھی مناسب قیمتیں مقرر کی گئیں، اور سلطان علاء الدین نے ان قیمتوں کے قائم رکھنے کے لئے اس قدر اہتمام کیا، کہ سوداگروں کے حالات، اور قیمت کی تحقیقات کے لئے روزانہ تین جگہوں سے اطلاعات حاصل کرتا تھا، ایک تو منڈی کے شحنہ سے دوسرے رئیس بازار سے، تیسرے ان جاسوسوں سے، جو خاص طور پر اسی کام کے لئے مقرر کئے گئے تھے، اس پر تسکین نہیں ہوتی تھی تو کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے بچوں کو جو خرید و فروخت کے معاملات سے ناواقف ہوتے تھے، چند تنکہ دیکر بازار بھیجتا تھا، کہ لڑکوں کے پسند کی چیزیں خرید کر بادشاہ کے پاس لائیں، اگر معلوم ہوتا کہ نرخ یا وزن میں کمی بیشی کی گئی ہے، تو دوکاندار کو کم سے کم جو سزا دیتا تھا، وہ یہ تھی کہ اُن کے ناک کان کاٹ لیتا تھا[۱]۔

سلطان علاء الدین کے بعد یہ نرخ قائم نہ رہ سکا، اور دوبارہ کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی، البتہ اسلامی سلطنت کے دور تنزل میں نواب جعفر خان المتوفی ۱۱۳۹ھ نے اس کی طرف شدت سے توجہ کی، اور اس میں حسب ذیل طریقوں سے کامیابی حاصل کی،

۱۔ متمول لوگوں کے پاس غلہ کے ذخیرے نہیں رہنے دیتے تھے،

۲۔ ہر ہفتہ غلوں کا نرخ دریافت کرتے تھے، اور خود رعایا سے نرخ پوچھتے تھے،

۳۔ اگر بیوپاری ذرہ برابر بھی نرخ میں کمی کرتے تھے، تو ان کو سزا دیتے تھے، اور اُن کی تشہیر کرتے تھے،

۴۔ جہازوں پر ضرورت یعنی خوراک سے زیادہ غلہ لادنے نہیں دیتے تھے، جس سے غلہ

---

[۱] فرشتہ جلد اوّل ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴۔ و تاریخ فیروز شاہی جلد اوّل ص ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴،

کی برآمد بند ہوگئی تھی،

ان بندشون کا نتیجہ یہ ہوا کہ

"در عہد او نرخ برنج فی روپیہ پنج شش من ارزبازار بود و اجناس دیگر ہمین قیاس، چنانچہ بخرج یک روپیہ در ماہ بلاؤ و قلیہ ہر روز می خوردند، ازین عمر فقیر و مسکین مرفہ الحال بودند"[1] (باقی)

---

[1] ریاض السلاطین، ص ۲۴۳

سلسلۂ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد اول

جس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لے کر فتح مکہ تک کے حالات مبارکہ اور غزوات کا ذکر ہے، مع مقدمہ ضخامت ۶۲۲ صفحہ قیمت ســہ

جلد دوم

اس مین اقامت امن، تاسیس خلافت، تکمیل شریعت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات و اخلاق و عادات کا مفصل بیان ہے، ضخامت (زیر طبع)

جلد سوم

اس کے مقدمہ مین نفس معجزہ کی حیثیت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفہ قدیمہ، فلسفۂ جدیدہ، علم کلام اور قرآن مجید کی روشنی مین مفصل بحث و تبصرہ ہے، اس کے بعد خصائص نبوت یعنی ملائکہ الٰہی، نزول ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، (زیر طبع) قیمت سے "منیجر"

حضرت ایوّبؑ علیہ السّلام

از

مولانا ابو الجلال ندوی

(۲)

مصائب آفات حاصل کلام یہ کہ حضرت ایوّب علیہ السلام نبی ابراہیم مین سے تھے، اُن کا زمانہ حضرت یوسف کے بعد ہے، اپنے زمانہ مین وہ شاہ ادوم تھے، اگر وہ یوبب بن زارح تھے، تو اُن کا شہر بصریٰ ہے، اُن پر اُن کے نبی ہو کر مبعوث ہونے سے پہلے کچھ آفتین آئین، جیسا کہ اُن کے عرف ایوب سے ظاہر ہے، پہلی آفت یہ تھی کہ اُن سے اُن کی حکومت چھن گئی، اور وہ بے دینون کے ہاتھ مین اسیر ہو گئے،

سفر ایوب کے حصۂ نظم کے خلاصہ مین بتایا گیا ہے، کہ آفتون مین اُن کے مبتلا ہو جانے کے بعد لوگ اُن کا مذاق اُڑانے لگے تھے، اس بیان کی بھی خداوند عالم نے قرآن مین اس طرح تصدیق کی ہے کہ سورۂ انبیار مین پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ

"منکرین جب آپ کو دیکھتے ہین تو آپ کا مذاق اُڑاتے ہین، (۳ : ۷)

"آپ سے پہلے بھی رسولون کا مذاق اُڑایا گیا (۳ : ۱۲)

اس کے بعد حضرت ایوبؑ وغیرہ انبیار کا ذکر کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ بھی اُن مین سے تھے جن کا مذاق اُڑایا گیا،

سفر ایوب کے حصۂ نظم کے خلاصہ مین دکھایا گیا ہے، کہ حضرت ایوبؑ اُن کا خاندان بچھڑ

گیا تھا، حصۂ نثر کے خلاصہ میں بتایا گیا ہے کہ مکان کے دب جانے سے اُن کے سات بیٹے، اور تین بیٹیاں دیگر مرگئی تھیں، تمہ نویس نے بتایا کہ اللہ جب اُن پر مہربان ہوا تو اُن کے تمام بچھڑے ہوئے بھائی بند اور اقربا اُن سے آملے، اور خدا نے اُن کو از سر نو سات بیٹے اور تین بیٹیاں دیں،

اس بیان پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اللہ نے مہربانیاں تو کیں اور از سر نو سات بیٹیاں اور تین بیٹیاں دیں، لیکن جو بیٹے اور بیٹیاں دب کر مرگئی تھیں، اُن کا غم تو نہ بھولا ہوگا، سورۂ انبیاء کی آیت سے جس میں حضرت ایوبؑ کا نام ہے، یہ سوال خود بخود اٹھ جاتا ہے، کیونکہ خدا نے فرمایا کہ ہم نے فلاں فلاں تمام انبیاء کو دانش اور علم عطا کیا،

وایوب اذ نادیٰ ربہ انی	نیز ایوب کو جس وقت انھوں نے اپنے
مسنی الضر وانت ارحم	رب کو آواز دی کہ مجھے ضرر نے چھو لیا ہے
الراحمین. فاستجبنا لہ فکشفنا	اور تو سب رحم والوں سے بڑا رحیم ہے،
ما بہ من ضر واتینٰہ اھلہ	پھر ہم نے وہ ضرر دور کر دیا جو اُن کو
ومثلھم معھم رحمۃ من عندنا	پہنچا تھا، اور ان کو ان کے اہل دیئے
وذکریٰ للعٰبدین،	اور اتنے ہی اور اپنی طرف سے رحم
	فرما کر اور عبادت گذاروں کے یاد رکھنے
	کے لئے کہ ہم عابدوں کی پکاریوں سنا
	کرتے ہیں، (۲۱: ۸۴)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایت غلط ہے کہ اُن کے بیٹے اور بیٹیاں دب کر مرگئی تھیں، اور اُن کی بجائے خدا نے اُن کو دوسرے بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائیں، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوبؑ کو جو خاص ضرر پہنچا تھا وہ یہ تھا کہ اُن کے اہل جن میں اولاد کے علاوہ اقربا بھی

ہو ن گے، اُن سے بچھڑ گئے تھے، اللہ جب اُن پر مہربان ہوا، تو بچھڑے ہوئے لوگ دوبارہ آ کر ملے،[1]

سورۂ صاد میں خدا نے فرمایا،

واذکر عبدنا ایوب اذ نادیٰ ربہ	اور ہمارے بندہ ایوب کا ذکر کرو جبکہ
انی مسنی الشیطان بنصب وعذاب	انھوں نے اپنے رب کو آواز دی کہ مجھے
(۴۱:۲)	دیا ہے شیطان نے دکھ اور عذاب کے ساتھ

اس آیت میں اور سورۂ انبیاء کی آیت میں جو اس سے پہلے اُتری تھی، دو باتوں کا فرق ہے،

۱۔ انبیاء میں شیطان کا ذکر نہ تھا، اس میں شیطان کا ذکر ہے،

۲۔ انبیاء میں صرف ایک مصیبت کا ذکر تھا، اور وہ بھی اہل و عیال سے بچھڑ جانا، جسے حضرت ایوبؑ کی زبان سے الضر کہا گیا ہے، اس آیت میں نصب اور عذاب … دو طرح کے دکھوں کا ذکر ہے،

قرآنی قصوں میں جو خلا نظر آتی ہیں، ان کو اسرائیلی روایات سے پر کرنے میں بہت خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس آیت میں حضرت ایوبؑ کا جو یہ قول مذکور ہے کہ "انی مسنی الشیطان" اس کی تفسیر میں عموماً مختلف کتابوں سے یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک بار شیطان خدا کے دربار میں حاضر ہوا، اور حضرت ایوبؑ کو آزمانے کی اجازت طلب کی، یہ قصہ بڑے بڑے صحابہ سے بھی مروی ہے مگر اس کہانی کی بنیاد سفر ایوب کے مقدمہ نویس کا خیالی بیان ہے، اس قصہ کو قرآن کی تفسیر قرار دے کر دہرانا ہرگز مناسب نہیں ہے، کیونکہ قرآن پاک میں خدا نے اس کو حذف ہی نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی مخالفت بھی کی ہے،

---

[1] بعض عجائب پسندوں نے قرآن اور سفر ایوب سے ماخوذ روایتوں کو باہم تطبیق دے کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اُن کے اہل اس طرح دگنے ہوئے کہ (ایوب ۱: ۲) میں مذکور بیٹے اور بیٹیاں پھر سے جی اٹھیں، علاوہ بریں (ایوب ۴۲: ۱۳) کے مطابق اتنے ہی بیٹے اور بیٹیاں اور پیدا ہوئیں، یہ بات ناممکن نہیں مگر محض تطبیق ہی تطبیق ہے، اور تطبیق معروف روایت بن گئی ہے، قرآن خود بائبل کی تصحیح کرتا ہے اس لئے بائبل اور قرآن میں تطبیق کی ضرورت نہیں،

حقیقتِ واقعہ یہ ہو کہ نزولِ قرآن کے وقت یہ قصہ مشہور تھا کہ حضرت ایوبؑ پر جو آفتین آئین وہ شیطان نے دربارِ خدا مین حاضر ہو کر اور اس سے اجازت لے کر اُن پر ڈھائین، اور اس لئے حضرت ایوبؑ کہا کرتے تھے کہ خدایا مجھے شیطان نے دکھ پہنچایا ہے، اس قصہ مین جہان تک حضرت ایوبؑ کے قول کا تعلق ہے، خدا نے اس کی تصدیق کی، جہان تک خدا کے دربار مین حاضر ہو کر شیطان کے اجازت لینے کا تعلق ہے قصۂ ایوب مین بزبانِ سکوت اور شیطان کے ذکر مین بصراحت اس کی تردید فرما دی، چنانچہ خدا نے فرمایا،

لقد زینا السماء الدنیا بمصابیح	آسمان دنیا کو ہم نے چراغون سے سجایا
وجعلناها رجوما للشیاطین و	ہے، اور ان چراغون کو شیطانون کے
اعتدنا لهم عذاب السعیر	لئے پتھر بنا دیا ہے، اور اُن کے لئے جہنم
(ملک ع)	کا عذاب مہیا کر رکھا ہے،
و لقد جعلنا فی السماء بروجا و	ہم نے آسمان مین برج بنائے اور اسے دیکھنے والون
زینّاها للناظرین وحفظناها من	کے لئے خوشنما کیا، اور اُسے ہر شیطان رجیم
کل شیطان رجیم الا من استرق	سے محفوظ رکھا ہے، کوئی چپکے سے بات
السمع فاتبعه شهاب مبین،	سُن لینا چاہے گا، تو ایک چمکتا انگارا
(ع ۲ حجر)	اس کا تعاقب کرے گا،
لا یسمعون الی الملأ الاعلیٰ و	ملأ اعلیٰ تک جا کر شیاطین سُن نہین سکتے انکو
یقذفون من کل جانب دحورا	ہر طرف سے ڈھیلے مارے جانے مین بھگانے کو
ولهم عذاب واصب الا	کو اور ان کے لئے عذاب ہے دائمی
من خطف الخطفة فاتبعه شهاب	اگر کوئی بات لے اڑنے کی کوشش کریگا

ثاقب (ع صافات) تو ایک چمکتا ہوا انگارا اس کا پیچھا کریگا،

ان آیتوں کا سفر ایوب سے مقابلہ کرکے دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ یہ آیتیں انہی لوگوں کی تردید کرتی ہیں، جو سفر ایوب کے مقدمہ نویس کے اس بیان کو صحیح تسلیم کرتے تھے کہ شیطان بنی الوہیم کے ساتھ خدا کے دربار میں حاضر ہو کر خدا سے باتیں کرتا ہے، اور اس کے حکم سے دنیا میں شرارتیں کیا کرتا ہے،

(انی مسنی الشیطان) کہنے کی معروف توجیہ کو مسترد کر دینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ایوب نے مسنی الشیطان کیوں کہا، اس سوال کا جواب نہایت واضح ہے،

قرآن میں شیاطین صرف ابلیس اور اس کی ذرّیت ہی کا نام نہیں ہے، شیاطین الانس والجن (انعام) کے لفظ سے ظاہر ہے کہ شریر انسانوں کو بھی شیاطین کہا جاتا تھا (واذا خلوا الی شیاطینھم) میں لفظ شیاطین سے شریر الطبع افراد یہود کے مراد ہیں، عبرانی زبان میں شاطان کے معنی ہیں (دشمن) دشمن اور مخالف کو شاطان کہا جاتا تھا، حضرت ایوب کے قول انی مسنی الشیطان بنصب وعذاب میں الشیطان سے مراد ان کے زمانہ کا ایک شریر النفس انسان ہے، جو ان کا دشمن تھا، حضرت ایوب کی جس دعا کا اختصار کے ساتھ قرآن مجید نے ذکر کیا ہے، اس کے الفاظ سفر ایوب کے نظم نویس نے حسب ذیل بتائے ہیں،

"اس کا غصہ توڑے ڈالتا ہے، اور میرا کینہ تو مجھ پر دانت پیستا ہے، میرا دشمن میرے اوپر اپنی آنکھیں تیز کرتا ہے، وہ اپنے منہ مجھ پر پسارتے ہیں، میری بے عزتی کرتے ہیں، میرے گال پر تھپڑ مارتے ہیں، وہ مجھ پر اکٹھے ہو کر بیٹھتے ہیں، (ایوب ۱۶: ۹ و ۱۰)

حضرت ایوب نے جس شخص کو اپنا دشمن اور کینہ توز کہا ہے اسی کا ذکر قرآن میں الشیطان کے لقب سے آیا ہے، بتایا جا چکا ہے کہ حضرت ایوب ایک بادشاہ تھے، ان پر دشمن نے حملہ کیا، وہ کامیاب رہا، اور یہ اس دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے، دشمن کے تیر اندازوں نے ان کے بدن کو چھلنی کر دیا،

ان کے زخم جو سفر ایوب کے نظم نویس کے بیان کے مطابق جلدی اور ر کے زخم تھے، مگر مقدمہ نویس کے بیان کے مطابق خدا کے دربار میں حاضری دینے والے شیطان کے لگائے ہوئے زخم تھے، جو اس دعا کے وقت اتنے گھناونے ہوگئے تھے کہ حضرت ایوبؑ نے خدا سے عرض کیا،

"لوگ مجھ سے گھن کھاتے ہیں، مجھ سے دور بھاگتے ہیں، میرے منہ پر تھوکنے سے باز نہیں آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک مجھے دکھ دیتا ہے،...... ان کے بچے میرے دہنے ہاتھ کھڑے کرتے ہیں، اور میرے پاؤں کو ٹھیل دیتے ہیں، (ایوب ۳۰ - ۱۰ و ۱۱) مصیبت کے ایام نے مجھے گھیر لیا ہے، (۳۰: ۱۶) مرض کی شدت سے میرا پیراہن اور طرح کا ہوگیا ہے، میری قبا کے گریبان کی طرح میرے گلے پر گرداگرد لگ گیا ہے، (۳۰: ۱۸) میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں اور تو نہیں سنتا، میں تیرے آگے کھڑا ہوتا ہوں، اور تو میری طرف رُخ نہیں کرتا،

تحفلت لاکز رلی بعصمیدلت تشطنی — تو مجھ پر بے رحمی کرتا ہے اپنے ہاتھ کے زور سے مجھے توڑتا ہے، (۳۰: ۲۰ و ۲۱)

سورۂ انبیا اور سورۂ صاد میں انہی دعاؤں کا ذکر ہے، مگر نہایت اختصار کے ساتھ سورۂ انبیا کے اندر (وانت ارحم الراحمین) فرماکر سفر ایوب کے نظم نویس کے اس بیان کی خدا نے اصلاح کردی ہے کہ حضرت ایوبؑ نے کہا تو مجھ پر بے رحمی کرتا ہے"

حضرت ایوبؑ کی اس دعا سے صاف ظاہر ہے کہ الشیطان سے مراد وہ ابلیس نہیں ہے جس کی بابت قرآن میں ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا، بلکہ حضرت ایوبؑ اپنے دشمنوں کے سردار کو الشیطان کہا تھا، ان کی زبان میں شیطان کے معنی دشمن تھے، قرآن میں بھی ہے اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ، یہ آیت نہ صرف یہ بتاتی ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے، بلکہ اس لفظ کے اشتقاقی مفہوم

کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے،

سورۂ انبیاء میں ایک ہی مصیبت کا ذکر تھا، اور وہ مصیبت تھی اُن کے اہل وعیال کا بچھڑ جانا،

سورۂ صاد میں حضرت ایوبؑ کی زبان سے خدا نے مصیبت کے لئے دو لفظ استعمال کئے، (۱) نصب، (۲) عذاب،

نُصب اور نَصب مرادف اور ہم مادہ الفاظ ہیں، نَصَب کا لفظ (فاطر ۴: ۹) میں لغوب کے ساتھ (توبہ ۱۵: ۲) میں ظما و مخمصہ کے درمیان وارد ہے، سورۂ کہف (ع - ۹) میں حضرت موسیٰؑ کی زبان سے سفر کی تکلیف کے معنی میں یہ لفظ آیا ہے، ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ نصب نام ہے ایسی جسمانی تکلیف کا جو بھوک ہے، نہ پیاس ہے، نہ تکان ہے، سفر میں جو تکلیف بھوک پیاس اور تکان کے علاوہ ہوتی ہے، وہ بدن کا دکھنا ہے، نصب کہہ کر حضرت ایوبؑ نے اپنی اس جسمانی اذیت کا ذکر کیا تھا، جس کا تذکرہ صاحبِ سفر ایوب نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ مرض کی شدت سے میرا پیراہن اور طرح کا ہو گیا ہے،

سفر ایوبؑ کے تتمہ نویس نے یہ تو بتایا کہ آخر عمر میں اللہ نے پھر سے اُن کو پہلے سے زیادہ دولتمند بنا دیا، اور پھر سے ان کو بیٹے بیٹیاں دیں، مگر مرض کی بابت کچھ نہیں کہا، سورۂ صاد میں حضرت ایوبؑ کی دعا دہرانے کے بعد خدا نے فرمایا،

ارکض برجلک ھٰذا مغتسل	اپنے پاؤں سے مار، یہ رہا نہانے اور
بارد وشراب،	پینے کا ٹھنڈا پانی،

مطلب یہ ہو کہ ان کو دفع مرض کے لئے ایک صحت بخش چشمے کا پتہ دیا، یہ بیان قرآن کا بالکل اضافہ ہے، اس اضافہ کے بغیر قصہ حضرت ایوبؑ کا نامکمل رہ جاتا تھا،

عذاب کے معنی سب کو معلوم ہیں، عذاب کے لئے جسمانی ہونا ضروری نہیں، روحانی صدمہ، اور

تکلیف کو بھی عذاب کہتے ہیں، حضرت ایوبؑ نے عذاب کا ذکر کرکے اپنے اسی دکھ کا اظہار کیا ہے، جس کا تذکرہ سفر ایوبؑ کے ناظم نے یوں کیا ہے کہ حضرت ایوبؑ نے کہا،

"تو نے میرا سارا خاندان برباد کر دیا ہے" (۱۶ : ۷)

"میرے رشتہ دار مجھ سے جدا ہو گئے ہیں،" (۱۹ : ۱۴)

حضرت ایوبؑ کی اس فریاد کا جواب خدا نے زبانی نہیں دیا ہی، فرمایا،

وَوَهَبْنَا لَهُ اَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ	اور ہم نے اُن کو اُن کے اہل دیدیئے،
رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي	اور اون کے ساتھ اتنے ہی اور
الْاَلْبَابِ ،	اپنی طرف سے رحمت کے طور پر، اور
	سمجھداروں کے یاد رکھنے کے لئے،

یہ وہی بات ہے جو سورۂ انبیاء میں فرمائی تھی، اس آیت میں اور انبیاء کی آیت میں فرق صرف یہ ہو کہ انبیاء میں اولی الالباب کے بجائے عابدین کا لفظ ہے، وجہ فرق یہ ہے کہ سورۂ انبیاء میں قصص انبیاء کے مخاطب اہل ایمان ہیں، چنانچہ قصوں کو ختم کرنے کے بعد خدا نے فرمایا،

"یہ ہے تمھاری امت (یعنی راہ عمل) واحد راہ عمل (جس کے سوا کوئی دوسری راہ نہیں)

اور میں تمھارا رب ہوں سو میری پرستش کرو،" (۲۱ : ۹۲)

برخلاف اس کے سورۂ صاد میں ذکر انبیاء کے ابتدائی مخاطب وہ کفار ہیں جو ان کو اشرار کہتے تھے اس لئے یہاں اولوالالباب کا لفظ استعمال کیا، مطلب یہ کہ عقل سے کام لو، صرف ان مصائب کا خیال نہ کرو جو حضرت ایوبؑ پر نازل ہوئے تھے، ان رحمتوں کا تصور بھی کرو، جو انھوں نے صبر جمیل کے بعد حاصل کیں،

اہل وعیال کے دگنے ہو کر واپس ملنے کا ذکر چونکہ انبیاء اور صاد دونوں میں ہے، اس لئے سورۂ

صاد کی خاص بات یہ ہی کہ حضرت ایوبؑ کو خدا نے مرض کا علاج کرنے کے لئے ایک صحت بخش چشمہ کا پتہ دیا،

ایک روایت مین ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت ایوبؑ کو ایک مقام پر لے جا کر کہا اس جگہ اپنے پاؤن سے ٹھوکر مارو انھون نے ٹھوکر ماری اور چشمہ نکل پڑا، (درمنثور بروایت ابن عساکر)

ظاہر ہے کہ یہ روایت اسرائیلی نہین ہے، کیونکہ صحت بخش چشمہ کا ذکر سفر ایوب کے بیان پر قرآن کا اصلاحی اضافہ ہی، یہ روایت دراصل ارکض برجلک کی قیاسی تفسیر ہے،

سورۂ انبیا مین اذا ھم منھا یرکضون کا فقرہ اس معنی مین آیا ہے کہ " ناگاہ بھاگنے لگے " ارکض برجلک کا صحیح ترجمہ یہ ہی کہ " اپنے پاؤن سے دوڑ جاؤ " لیکن مین نے معروف ترجمہ اور تفسیر کو اپنے ذاتی خیال پر ترجیح دی، میرا اپنا خیال یہ ہے کہ خدا نے ایک صحت بخش چشمہ تک سفر کا حکم دیا تھا لیکن قدیم تفسیر کو غلط قرار دینے کی بھی کوئی وجہ نہین ہی؛

سورۂ صاد مین قصۂ ایوب کے انھی عناصر کو خدا نے دہرایا ہے جو سفر ایوب مین یا تو مذکور نہین یا مذکور ہین مگر قابل اصلاح ہین، جو باتین سفر ایوب مین مذکور ہین، اور قابل اصلاح نہین، اُن کا تذکرہ موجود نہین، سفر ایوب کے ناظم و ناثر دونون نے حضرت ایوبؑ کی بی بی کا ذکر کیا ہے، اور ان کو برے رنگ مین پیش کیا ہے، سفر ایوب کے ناظم نے حضرت ایوبؑ کی زبان سے کہا کہ

" میری جان سے میری جورو کو نفرت ہی "

مقدمہ نویس کے بیان کے مطابق اُن کی جورو نے اُن سے کہا تھا کہ

" تو اب تک اپنے دین پر قائم ہے، خدا کو سلام بول اور مرجا "

سفر ایوب کے بیان کے مطابق حضرت ایوبؑ نے اس کو صرف ڈانٹ دینے پر بس کی تھی، کہا تھا کیا ہم خدا کی رحمتین تو قبول کرین زحمتین رد کر دین؟ سورۂ صاد مین خدا نے

اس بات کو دہرائے بغیر بتایا کہ حضرت ایوب پر جو وحی نازل ہوئی تھی اس مین بھی یہ تھا کہ

وخذ بیدك ضغثا — اور اپنے ہاتھ مین ایک گٹھا تنکون کا لے

واضرب بہ ولا تحنث — اور اس سے مار اور قسم توڑنے کی خطا نہ کر

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ایوب نے کسی کو جھاڑو سے مارنے کی قسم کھائی تھی مگر کسی وجہ سے اس قسم کو پوری کرنے سے ہچکچاتے تھے، خدا نے تاکید کی کہ ہچکچاؤ نہین قسم ضرور پوری کرو،

مفسرین کی روایت ہو کہ حضرت ایوب نے اپنی بی بی کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی خدا نے اس قسم کو پورا کرنے کی یہ ترکیب بتائی کہ سو تنکون کی جھاڑو لے کر مارو، یہ روایت معقول نہین ہے، یہ تو ایک حیلہ کی تعلیم ہوئی صحیح بات یہی ہے کہ انھون نے ایک خطا کی بناپر (اور وہ خطا بھی ہو سکتی تھی جس کا ذکر سفر ایوب کے مقدمہ نویس نے کیا ہے) اپنی عورت کو ضغث (جھاڑو) سے مارنے کی قسم کھائی تھی، خدا نے قسم پوری کرنے کا کوئی آسان حیلہ نہین سکھایا بلکہ جو قسم انھون نے کھائی تھی اسی کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی تھی،

صبر ایوب | اس قسم کی تکمیل کے حکم کے بعد قرآنی قصۂ ایوب ختم ہو جاتا ہے، قصہ ختم ہونے کے بعد خدا نے فرمایا،

انا وجدناہ صابرا — ہم نے اس کو صابر پایا،

سفر ایوب پڑھ جاؤ، عام اثر تم پر یہ ہوگا کہ حضرت ایوب نہایت بے صبری سے اپنے مصائب پر واویلا کرتے تھے، قرآن مجید کی یہ آیت اس کی تردید کرتی ہے، اور اس روایت کی تصدیق کرتی ہے، جس کا تذکرہ حضرت عیسیٰ کے ایک حواری یعقوب نے اپنے خط مین یون کیا ہے، کہ

دیکھو ہم ان کو جو صبر کرتے ہین نیک بخت سمجھتے ہین، تم نے ایوب کا حال سنا ہے اور خداوند کی طرف سے جو انجام ہوا تم جانتے ہو وہ بڑا رحیم اور مہربان ہے (یعقوب ۵: ۱۱)

حضرت ایوبؑ کے صبر کا تذکرہ فرماکر خدا نے فرمایا،

نعم العبد وہ اچھا بندہ تھا،

یہ تردید ہے اُن کی جو حضرت ایوبؑ کو اشرار میں سے بتاتے تھے،

انہ اواب، بے شک وہ اواب تھا،

اوّاب کے معنی ہیں بہت لوٹنے والا گناہ سے باز رہنے والے کو بھی اواب کہتے ہیں، اور اُسے بھی جو گناہ سے تائب ہو جائے، علاوہ بریں اس بے گناہ کو بھی جس کا دل ہمیشہ خدا کی طرف متوجہ رہتا ہے اواب کہتے ہیں،

سورۂ صاد میں چونکہ خدا نے کفار کے قول پر صبر کرکے حضرت ایوبؑ وغیرہ کا قصہ سُنانے کا حکم دیا ہے، اور سورۂ صاد میں اُن کے حالات کے صرف ایسے چند اجزا بیان کئے ہیں، جو پہلے سے مشہور قصہ میں اصلاحیں کرتے ہیں، اس لئے قرآنی اصلاحوں کے ساتھ ان کا پورا قصہ بیان کر دینا ضروری ہے، ماحصل اس ساری تحریر کا حسب ذیل ہے،

حضرت ایوبؑ ایک زمانہ میں شہر بصریٰ میں حکومت کرتے تھے، وہ حضرت عیسو بن اسحاق اور بشامہ بنت اسماعیل کی نسل سے تھے، ان کا زمانہ حضرت یوسفؑ کے بعد اور حضرت موسیٰؑ کے پہلے تھا، وہ نہایت صابر اور خدا سے لو لگانے والے بزرگ تھے، اُن پر خدا نے ایک آفت ڈھائی، دشمن نے اُن پر حملہ کیا، اس حملہ میں انھوں نے شکست کھائی، شریروں نے ان کو قید کر لیا، اپنے اہل و عیال سے وہ بچھڑ گئے، البتہ ان کی بی بی اُن کے ساتھ تھیں، ایام اسیری میں اُن کے بدن کے زخم نہایت گھنونے قسم کا مرض بن گئے، ان مصائب کو دیکھکر اُن کی بیوی نے اُن کو مشورہ دیا، کہ خدا کو سلام بولو اور مر جاؤ، حضرت ایوبؑ نے اس پر ناراض ہو کر اُسے جھاڑو مارنے کی قسم کھائی، مگر ناتوانی نے اُن کو اس کا موقع نہیں دیا، تمام مصائب کو حضرت ایوبؑ نے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا، ایک مدت تک وہ خاموشی

سے دکھ سہتے رہے لیکن بالآخر خدا سے دعا کی اور کہا کہ بارالہا! مین دکھ مین مبتلا ہون، اور تو بڑا رحیم ہے، اس دعا کا اثر جلد ظاہر ہوا، دشمن کی قید سے رہائی پائی، اہل وعیال دونے ہو کر اُن کو ملے، مرض جو پیدا ہو گیا تھا، اس کے علاج کے لئے خدا نے اُن کو ایک صحت بخش چشمہ کا پتہ دیا، اور انھون نے اس مرض سے بھی نجات پائی، بی بی نے مصیبت کے ایام مین چونکہ نہایت وفاداری سے ساتھ دیا تھا اس لئے وہ اس کو مار کر اپنی قسم پوری کرنے سے ہچکچاتے تھے، خدا نے اُن کو تاکید کی کہ ضرور قسم پوری کرو،

(قرآنی کتابین)

ارض القرآن حصہ اول

عرب کا قدیم جغرافیہ عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر، اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق کی ہے،

ضخامت ۲۴۲ صفحہ، قیمت ۱ سے ر

ارض القرآن حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے، ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسماعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تعریف، اور عرب کی تجارت زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث،

ضخامت ۴۰۴ صفحہ، قیمت: ۱۲ر

منیجر

ترکی ادبیات کا نیا رجحان

از

جناب مولوی محمود علی خان صاحب مولوی فاضل بی اے مہتمم جامعہ احمدیہ بھوپال

"مولوی صاحب موصوف علوم مشرقیہ کے عالم، عربی ادب میں تحریر و تقریر پر قادر، اُردو، فارسی، ترکی، پشتو کے ماہر اور انگریزی کے گریجوایٹ ہیں، ہماری زبان میں ترکی کے متعلق بہت کم مواد ہے، موصوف نے میری فرمایش پر یہ مضمون لکھا ہے، امید ہے کہ وہ اپنے قلمی وعلمی فیوض سے کبھی کبھی بہرہ ور فرمائیں گے، س"

ہر قوم کا ادب عکس ہے اس کی ذہنیت کا، اور ذہنیت نتیجہ ہے ایک مسلسل تاریخی واقعات کا، جو اُس قوم پر گذرتے رہتے ہیں، ترکی ادبیات کے قدیم دور میں مذہبی رنگ غالب تھا، اور زبان میں عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت تھی، کیونکہ یہ ایک ایسا زمانہ تھا جب کہ عثمانی سلطنت عراق سے لیکر مراکو کے حدود تک اور آسٹریا سے لیکر سوڈان اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی، ترکی قوم کے علاوہ اُس کے ماتحت فارسی، عربی، یونانی، بلغاری وغیرہ بولنے والی قومیں تھیں، لیکن عثمانی سلطنت کا اقتدار چونکہ خلافت اسلامی، اور بلاد مقدسہ پر حکومت کرنے کی وجہ سے تھا، اس لئے ترکی ادب میں عربی و فارسی کے الفاظ کا کثرت سے استعمال ہونا اس کا ایک قدرتی نتیجہ تھا، قوم میں مذہبی روح، علماء کا احترام، عربی و فارسی سے محبت، علوم دینیہ کا رواج، یہ سب چیزیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے عربی و فارسی الفاظ اور مذہبی وعلمی اصطلاحات کثرت سے ترکی زبان

مین داخل ہوگئی تھین، اور ادبی رجحان فارسی و عربی ادب کی مشترکہ روایات پر مبنی ہوگیا تھا، ذیل مین ایک شعر مثال کے طور پر لکھا جاتا ہے، اس مین سوا ے ضمائر و روابط اور ایک آدھ فعل کے باقی سب فارسی و عربی الفاظ ہین، ان پر ایک خط امتیاز کے لئے کھینچ دیا گیا ہے،

تمام اصفہان اولماز، استانبول شہرینک نصفی اگرچہ جلوۂ نصفِ جہان و صفت صفاہان در

اصفہان کا پورا شہر استانبول کے آدھے کے برابر نہین ہو سکتا، اگرچہ پوری نصف دنیا صفاہان کی تعریف مین بھری پڑی ہے،

اس دور کی تصنیفات مین اسلامی علوم کی کتابین، انبیا و اولیا کے قصے، کچھ تاریخی کتابین شامل ہین، ذیل مین قدیم زمانہ کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے، یہ یازیجی محمد کا کلام ہے، جو سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ (سنہ ۱۴۵۳ء) کے زمانہ مین تھے، بڑے عالم اور صوفی گذرے ہین، ان کے کلام مین عربی اور فارسی الفاظ کی کثرت ملاحظہ فرمایئے،

چو اولدر عالم غیب و شہادت پس اولدر قادر و خلاق و مولیٰ

جب کہ وہ ہے پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، پس وہی قادر ہے، پیدا کرنے والا ہے اور مالک ہے،

جمیع کائناتی قیلدی ابداع دلائل قیلدی ذاتینہ معلّیٰ

اُس نے تمام کائنات کو پیدا کیا، اور اپنی بلند ذات پر دلائل قائم کئے

قموادیانی دینی قیلدی منسوخ انکچون شرعی درخیر و ابقیٰ

تمام دینون کو اُس کے دین نے منسوخ کر دیا، اسی وجہ سے اُس کی شریعت سب سے بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے،

چو مداحی اولہ اللہ اعظم قیاس ایت کیم مداول سلطان اعلیٰ

جب خدا ے بزرگ اُس کا تعریف کرنیوالا ہوا تو قیاس کرو کہ وہ سلطان اعلیٰ کون ہے (صلّی اللہ علیہ وسلّم)

اس کے بعد ہم کئی صدی نیچے اتر کر ایک ادیب کے کلام کا نمونہ پیش کرتے ہین، جو اُس نے بطور قطعۂ تاریخ کے سلطان عبد الحمید خان کی تخت نشینی (۱۲۹۳ھ) کے موقع پر لکھا تھا، ابھی تک عربی و فارسی کی وہی کثرت چلی آرہی ہے، وہ کہتا ہے،

طوغدی خورشید سعادت از سرنو عالمہ   طولدی انوار مسرت ہر کس ایتدی رسم عید

آفتابِ سعادت نئے سرے سے دنیا پر طلوع ہوا، انوار مسرت پھیل گئے، اور ہر شخص نے عید کی رسم ادا کی،

چونکہ تخت عالی عثمانی یہ گیردی بوگون   عدل و انصاف کرملہ مشتہر ذات فرید

اس لئے کہ آج تخت عثمانی پر جلوہ افروز ہوا، (وہ جو کہ) عدل، انصاف، کرم سے مشہور ایک ذات فرید ہے،

اس کے بعد ترکی مین انقلابات کا دور شروع ہوتا ہے، اور شخصی حکومت ختم ہو کر اُس جگہ دستوری حکومت قائم ہوتی ہے، بادشاہ پرستی کے خیالات دماغون سے نکل کر اس کی جگہ وطن پرستی اور قوم پرستی کے جذبات پیدا ہوتے ہین لیکن لفظی اعتبار سے زبان پر کچھ زیادہ اثر نہین پڑا، کیونکہ ابھی تک ترکی مین ایسے لوگ موجود تھے، جو ترکی زبان سے زیادہ عثمانی زبان کے حامی تھے، اور عثمانی زبان اُس ترکی کو کہتے تھے، جو ترکی، عربی اور فارسی الفاظ کا مجموعہ تھی، افعال و ضمائر وغیرہ ترکی کے استعمال ہوتے تھے لیکن بقیہ الفاظ تمامتر عربی و فارسی ہوتے تھے، جیسا کہ آپنے اوپر کے نمونون مین دیکھا، دستوری دور مین اگر کوئی فرق پڑتا ہے، تو وہ صرف مضمون کا، کیونکہ اب وطنی و قومی جذبات روز بروز ترقی اختیار کرتے جارہے تھے، ۱۹۱۱ء کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے،

بز عسکر عثمانیلیلر شیر وغاییز   سرحد دہ سر دشمنہ شمشیر قضاییز

احیاے وطن اوغرینہ ہر لحظہ فداییز

ترجمہ: ہم سپاہی ہین عثمانی ہین شیر و فا ہین سرحد پر دشمنون کے سر پر شمشیر قضا ہین

احیاے وطن کی راہ مین ہر لحظہ فدا ہین

* قورشون یاغیور کن صولدن صاغدن انوار شجاعت صاچیلیر سنجاغمزدن

داہنے طرف بائین طرف سے گولیان برستے وقت انوار شجاعت پھیلتے ہین ہمارے جھنڈے سے،

عثمانی جھنڈے کے متعلق اسی زمانہ کی ایک نظم ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے،

ارطغرل کے خاندان سے بیدار ہوا ہے تو کس طرح دشمنون کے قلعون پر لہرایا ہے تو

شہیدون کے خون سے رنگین ہوا ہے تو تجھ پر سلام اے عثمانی جھنڈے

تیرے بازو ہوا مین لہرا رہے ہین کیا آسمان سے بھی بلند ہوجانیکا قصد ہے تیرا

تیرے سایہ مین ہر عثمانی جان دینا چاہتا ہے تجھ پر سلام ہو اے عثمانی جھنڈے

اے شرافت اور عظمت کے فرمان اور اے لڑائیون والی تاریخ کی داستان

اس ملک کا ہر ہر گوشہ تجھے چاہتا ہے تجھ پر سلام ہو اے عثمانی جھنڈے

اسی زمانہ کی ایک درسی کتاب مین جو بچون کو دوسری جماعت مین پڑھائی جاتی تھی بچون کے لئے چند شعر لکھے ہین، جن کا ترجمہ یہ ہے،

"چھوٹا سپاہی ہتھیارے کر آگے بڑھتا ہے، سارا شہر اس سے کہتا ہے چھوٹے سپاہی زندہ باش" ان ننھے ننھے کاندھون پر کل بندوق رکھی جائیگی" بندوق کیا بلکہ پورے وطن کا بوجھ ان پر رکھدیا جائے گا"

اس کے بعد ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم شروع ہوجاتی ہے، ترک لڑائیون مین شریک ہوتے ہین، حرمین کے عرب جن پر لاکھون ترکی پونڈ صرف ہوتے تھے، باغی ہوجاتے ہین چار سال کی مسلسل جنگ کے بعد ترکون کو شکست ہوتی ہے، ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہین، یونان [illegible]

مین گھس آتا ہے، ترکی سلطان اتحادی قیدی سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا، اور ملک بالکل تباہ ہو جاتا ہے، اسی اثنا مین کمال اتاترک اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور ترکی کو غلامی سے نجات دلاکر اُس کے ہر شعبۂ زندگی مین ایک انقلاب برپا کر دیتا ہے، اس موقع پر اس انقلاب کی تفصیل بیان کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہم صرف اس کے ادبی پہلو پر کچھ لکھنا چاہتے ہین،

ترک اس حقیقت کو بخوبی سمجھ گئے کہ اگر دنیا مین بحیثیت ایک زندہ قوم کے رہنا ہے، تو جدید علوم و فنون کو رواج دینا، فوج کی جدید اصول پر تربیت، جدید اسلحۂ جنگ کا استعمال، صنعتی، زراعتی، اور اقتصادی ترقی بالکل اُنہی اصولون پر لازمی ہے، جن کو مغربی دنیا اختیار کئے ہوے ہے، چونکہ اُن کو قدامت پسند علما سے نفرت ہوگئی تھی، جو ہر اصلاح کے مخالف تھے، اس لئے اس جدید تحریک کا ایسا ردعمل ہوا کہ ترک قوم اسلام کو بھی بڑی حد تک کھو بیٹھی، اور اُس کے خیال مین تقریبًا ہر اسلامی چیز ترقی کی راہ مین حائل ہونے لگی، اگر علما اپنے جمود کو چھوڑ کر ترقی کی رفتار مین قوم کی مدد کرتے، اور یقینًا کر سکتے تھے، کیونکہ اسلام بشرطیکہ اس کو اصلی صورت مین پیش کیا جائے، ہرگز انسانی ترقی کا مخالف نہین، وہ تو یہ کہتا ہے کہ "کائنات کی ہر چیز تمھارے لئے مسخر کر دی گئی ہے" اس سے زیادہ "سائنس" کی تعلیم کی طرف کیا چیز رغبت دلا سکتی ہے، کیونکہ سائنس نام ہے قدرت کے راز معلوم کرنے، اور اُن کو انسان کے نفع کے لئے استعمال کرنے کا، اور یہی اسلامی تعلیمات کا صحیح منشا ہے،

علما نے ایسا کیون نہین کیا، اس کا جواب بھی نہایت صاف ہے، اور وہ یہ کہ جس تعلیمی ماحول میں اُن کے دماغون نے تربیت پائی تھی، وہ سائنس کی دنیا اور موجودہ ٹھوس حقائق سے بالکل الگ تھا، ناقص مذہبی تعلیم، قدیم یونانی منطق و فلسفہ کے خرافات سے اُن کی ذہنیت کی تعمیر ہوئی تھی، اور اگر اُن مین سے بعض جدید حالات سے متاثر ہو کر کچھ سمجھنے بھی لگے تھے، تو وہ قصدًا اپنے مرکز سے ہٹنا نہین چاہتے تھے، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ علمی اعتبار سے دیوالیہ ہوئے جاتے تھے،

اور زندگی کے ہر شعبہ مین قیادتِ عامہ کا منصبِ جلیل جو اُنھین حاصل تھا ختم ہو جاتا تھا،

علما اپنی جگہ پر رہے، اور جدید ترکون نے آگے بڑھ کر اپنی پوری معاشرت مغربی سانچہ مین ڈھالدی تھا اور اپسے بھی آگے بڑھے کہ اپنی مشرقی روایات اور اسلامی تعلیمات کی بعض بنیادی چیزون کو بھی پیچھے چھوڑ گئے، اور اس انقلاب کو اُنھون نے ایسی ٹھوس بنیاد پر قائم کیا، کہ بچہ سے لے کر بوڑھا تک ایک ہی رنگ مین رنگ گیا، انھون نے ابتدا ہی سے بچون کے دماغ مین یہ باتین بٹھانا شروع کرین کہ دنیا مین جمہوریت ہی بہترین طرزِ حکومت ہے، ہمارے پرانے ملا عقل کے دشمن تھے، اور ہم کو ترقی سے روکتے تھے، جمہوریت نے ترکی قوم پر کیا کیا احسانات کئے وغیرہ وغیرہ، ذیل مین ہم ترکی کی پانچوین کتاب سے اسی مضمون کا ایک سبق ترجمہ کرکے پیش کرتے ہین، اس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ کس طرح ابتدا ہی سے بچون کی تعلیم مین قومی تعمیر کی بنیاد رکھی جاتی ہے، سبق کا عنوان ہے: **جمھوریت**،

"میرے بچو! تم جانتے ہو کہ جمہوریت کو ہر شخص پسند کرتا ہے، ہر طرف سے زندہ باد جمہوریت کی آوازین آتی ہین، چھوٹا اور بڑا ہر ایک اپنی جان سے زیادہ اُس کی حفاظت کی قسم کھائے ہوئے ہے، جمہوریت کی بقا ہمارے لئے کیون اس قدر عزیز ہے، ہمارے رہنما اتا ترک اعظم نے نوجوانون کو اس چیز کا انعام دینا کیون ہر شخص پر مقدم سمجھا، مین جمہوریت سے پہلے کا زمانہ بھی دیکھے ہوئے ہون اس لئے اس کے اسباب ایک ایک کرکے تمھین سمجھاتا ہون!

بادشاہت کے تاریک زمانہ مین جو تکلیفین ہم نے اٹھائی ہین، وہ کسی دوسری قوم نے نہین اٹھائین، ہم ایسی حالت مین اپنی آواز تک نہین اٹھا سکتے تھے، اور اپنے کلیجہ پر پتھر رکھے ہوئے تھے، جنگ عظیم (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) مین ہم نے بڑی بڑی قربانیان کرکے اپنا خون بہایا، دوست اور دشمن دونون ہمارے بہادری کو دیکھکر انگشت بدندان تھے جو قومین ہمارے ساتھ متحد تھین، وہ

چار سال لڑنے کے بعد سمجھ گئین کہ آیندہ وہ دشمن کی طاقت کا مقابلہ نہین کرسکتین، انھون نے ہتھیار ڈال دیئے، ہم بھی بہت تھک گئے تھے، کیا ہم اس وقت دنیا کے سامنے اپنا سر اونچا کرسکتے تھے؟ دشمن ہم سے کہتے تھے، اپنے ہتھیار رکھدو، اپنی مادر وطن کی سرزمین، اپنی جان، اور اپنی عزت و ناموس سب کچھ چھوڑ دو، ہم اُس وقت تک اپنی کہی ہوئی بات سے نہ پھرے، اور ایک بہادر قوم ہونے کی وجہ سے دوسری قوم کو بھی اپنی طرح سمجھتے رہے، ہم نے اپنے ہتھیار رکھدیئے، اور اپنے دروازے کھولدیئے،

مگر انسان کو دشمن کی باتون پر یقین نہ کرنا چاہئے، اپنا ہتھیار اپنے ہاتھ سے نہ دینا چاہئے، اپنے دروازون کو (غیرون کے لئے) نہ کھولنا چاہئے، انھون نے اندر داخل ہونے کے بعد ایک دم ہم پر حملہ بول دیا، انھون نے ہمارے سب سے زیادہ زرخیز علاقون کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا، اور ادھر سے اُدھر تقسیم کرنا شروع کر دیا، وہ ہم کو خود ہمارے وطن مین غلامون کی نظر سے دیکھنے لگے، اور ہمارے وجود کو اپنے پیرون کے نیچے کچلنے لگے، سب سے زیادہ دردناک بات یہ تھی کہ بادشاہ بھی اُن کے ساتھ مل گیا تھا، وہ بادشاہ جس کے باپ دادا کو ہم سینکڑون سال سے اپنے سرون پر اُٹھائے ہوئے تھے، اور ہم نے اپنے خونِ دل سے اُن کی پرورش کی تھی،

اتاترک کو یہ باتین برداشت نہ ہوسکین، ملک کے ایک گوشہ مین اُس نے قوم کے نہایت پاکیزہ اور نہایت دلیر فرزندون کو ایک جلسہ منعقد کیا، اور اپنا مقصد سمجھایا، برسون سے دل پر زخم کھائی ہوئی قوم کو اس کا رہنما مل گیا، جوان بڈھے، عورتین، مرد حکم کی تعمیل مین اُس کے آس پاس جمع ہوگئے، اور جیسے کہ پہاڑ کی بلندی سے ایک بڑا برف کا تودہ گرتا ہے، وہ دشمن پر آپڑے، اور صرف دشمن ہی کو نہین بلکہ بادشاہ کو بھی جو اس کے ساتھ اتفاق کئے ہوئے تھا، نکال باہر کیا، جمہوریت، ہماری آزاد اور خود مختار قوم کی قوت اور اُس کے ارادے سے قائم کی ہوئی حکومت ہے، اسی لئے ہم اُسے چاہتے ہین، اور وہ ہمین بیحد پیاری ہے،"

بادشاہی زمانہ میں ہم کس طرح دوسری قومون سے پیچھے رہ گئے، اب مین تم کو یہ سمجھاتا ہون،

بادشاہ ملک کو اُس کھیت کی طرح سمجھتا تھا جو ان کی طرف سے اسے میراث مین ملا ہو، اور

قوم کو اپنا غلام خیال کرکے اس کے افراد کو غلامون کی نظر سے دیکھتا تھا، ترکون سے زیادہ عرب اور

ارناؤطا جیسی اجنبی قومون کے فرزندون سے اس کو زیادہ محبت تھی، اور وہ اُن کی زیادہ پرورش کرتا

تھا، بڑے عہدون کے لئے اکثر اوقات انھی مین سے انتخاب کرلیتا تھا، اگر کبھی کوئی شریف، عقلمند، اور

ذی علم ترک فرزند کسی بڑے کام تک پہنچ جاتا اور ملک کو نجات دلانے کے لئے مفید کام کرنا چاہتا، تو

اُس کی راہ مین پُرانے خیال کے بے علم ملا حائل ہوجاتے تھے،

اب مین تمھارے سامنے ایک نئے خیالات رکھنے والے روشن دماغ ترک افسر اور ایک مُلّا کے درمیان

گفتگو کراتا ہون، تم اُسے غور سے سُنو،

روشن دماغ ترک: کبھی کبھی کسی اجنبی قوم کے ساتھ ہم کو لڑائی کا اتفاق ہوتا ہے، ہمارے سپاہی

اُن کے سپاہیون سے بہت زیادہ بہادر ثابت ہوتے ہین، لیکن اُن کی فوج جدید فنونِ حرب کے مطابق

تربیت یافتہ ہوتی ہے، اور ذی علم افسرون کے انتظام کے ماتحت مشین کی طرح کام کرتی ہوئی حملہ آور

ہوتی ہے، اُن کے ہاتھون مین جدید اسلحہ ہوتے ہین، اور ان کے جسم پر لڑائی کے لئے نہایت موزون اور

آرام دہ لباس ہوتا ہے، اسی لئے وہ بہت کم جانی نقصان اٹھاکر بہت زیادہ کامیابی حاصل کرلیتے ہین،

ہم کو بھی چاہئے کہ اُن کی طرح اپنی فوج کو ترقی دین، اپنی فوج کے ہتھیار اور اس کی وردیان بدل

ڈالین، بڑے اور چھوٹے افسرون کو تعلیم دے کر انھین ماہر بنائین، اور مفید فوجی تربیت گاہین

قائم کرین،

مُلّا: ایسا نہین ہوسکتا، یہ گناہ ہے، ہمارے اسلاف جیسا کرتے تھے، ہم اسی طرح کرین گے،

روشن خیال ترک: یورپ اور امریکہ مین علم نے بہت ترقی کی ہے، انھون نے قانون بنائے

گئے ہین کہ کوئی انسان بے پڑھا لکھا باقی نہ رہے، ہمارے ہان پڑھے لکھے اتنے کم ہین کہ انگلیون سے گنے جاسکتے ہین، ہمارے بچّون کو پڑھانے کے لئے اونچی تعلیم حاصل کئے ہوئے استاد نہین ہین، ہمارے ملک کے گانون اور شہرون کو بارونق بنانے کے لئے اور راستون اور پلون کو تیار کرنے کے لئے انجینیر نہین، تندرستی کی حفاظت کے لئے ہمارے ہان ڈاکٹر نہین، ان سب کو تیار کرنے کے لئے نئے کالج قائم کرنا ضروری ہے،

ملّا: یہ نہین ہوسکتا، یہ گناہ ہے، ہم کافر ہو جائین گے، کیا ہمارے مدرسے ہماری ضروریات کے لئے کافی نہین، ہمارے گانون اور شہرون کو بارونق بنانے سے کیا فائدہ محل مرنے کے بعد جنت مین اللہ ہم کو بہت سے محل عطا فرمائے گا،

روشن خیال ترک: ہم کو چاہئے کہ چند ہسپتال قائم کرین،

مُلّا: یہ بھی نہ ہوگا یہ کافرون کا کام ہے، ڈاکٹر کے علاج سے بیماری نہین جاتی، ہم اپنے بیمارون کی بزرگون سے جھاڑ پھونک کرائین تو یہ زیادہ مفید ہے،

روشن خیال ترک: ہم کو چاہئے کہ ہم اپنے بچّون کو غیر زبانین سکھائین، تاکہ وہ ترقی یافتہ قومون کی مفید کتابین پڑھ سکین،

مُلّا: یہ نہ ہوگا، یہ گناہ ہے،

روشن خیال ترک: اگر یہ بات ہے تو ہم کو چاہئے کہ ہم اپنی مادری زبان ترکی کو اچھی طرح پڑھین،

مُلّا: جس کو ترکی کہین ایسی کوئی زبان نہین ہے، البتہ عثمانی زبان ہے جس مین زیادہ حصہ عربی اور فارسی الفاظ کا ہے، اگر ان زبانون کو حاصل کر لیا جائے تو کافی ہے،

روشن خیال ترک: ہمارے ہم وطنون مین آدھے سے زیادہ عورتین ہین، وہ بیچاری

اندر اور سیاہ نقاب کے نیچے زندگی بسر کرتی ہیں، اور ایسے پھولوں کی طرح زرد ہوکر مرجھا جاتی ہیں جن کو دن کی روشنی نصیب نہ ہو، اور اسی وجہ سے وہ بچے جن کی وہ پرورش کرتی ہیں، روز بروز کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں، ہم کو چاہئے کہ ہم اُن کو آزاد کر دیں، وہ بھی ہماری طرح اپنا منہ کھول کر سورج کی روشنی میں پھریں، مدرسوں میں داخل ہوں، اور اُن کے خیالات ترقی کریں،

ملّا: یہ نہیں ہو سکتا، عورت کو گھر ہی میں بند رہنا چاہئے، اور دنیا سے اُس کو بے خبر رہنا چاہئے،

اس طرح پر مُلّا لوگ ہر وقت دنیوی امور میں دخل دیتے، اور ملک کو ترقی دینے کی نئی چیزوں کے راستہ میں حائل ہوتے تھے، نامکمل عربی جاننے کے علاوہ اُن میں کوئی قابلیت نہ تھی، دین کے نام پر وہ لوگوں کو دھوکا دیتے تھے، اور خود اپنے بھائیوں کو آپس میں لڑایا کرتے تھے، جمہوری حکومت کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ اُس نے ملاؤں کو بیچ میں سے نکال کر دینی امور کو دنیوی اُمور سے علیحدہ کر دیا،

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اِس گیارہ سال کی مدت میں جمہوری حکومت نے کیا کیا کام کئے،

۱۔ بادشاہ رعایا کو غلاموں کی طرح استعمال کرتا تھا، اب ملک کے کاموں سے واقفیت رکھنے والے، اور وطن سے محبت کرنے والے لوگوں کا انتخاب کیا جاتا ہے، اور وہی لوگ حکومت کا کام دیکھتے ہیں،

۲۔ امور مذہبی امور دنیوی سے الگ کر دئیے گئے،

۳۔ پُرانے مدرسے بند کر دئیے گئے، اب ملک کے تمام بچے نئے مدرسوں میں ایک ساتھ پڑھتے ہیں،

۴۔ بادشاہت نے غیر قوموں کو بہت سے حقوق دے رکھے تھے، ان کی علیحدہ عدالتیں تھیں، اُن میں ڈاکخانے تھے، اگر وہ کوئی جرم کرتے تھے، تو ہماری پولیس اُن کو گرفتار کرکے عدالت میں نہیں لا سکتی تھی، ہماری جمہوریت نے ان حقوق کو ختم کر دیا، اب ترکوں کے وطن میں صرف ترکوں ہی کا حکم چلتا ہے،

۵۔ ہمارے ملک مین پرانے زمانہ سے دو علحدہ علحدہ عدالتین ، اور دو علحدہ قانون پائے جاتے ہین ایک دین کا قانون اور ایک دنیا کا قانون، اب یہ دوئی بھی بیچ مین سے اٹھ گئی ، اب لوگ صرف ایک عدالت کو جانتے ہین ، جہان وہ خود اپنی قوم کے بنائے ہوئے ، قانون کی بنا پر اپنے حقوق طلب کرتے ہین ،

۶۔ پرانے زمانہ مین عورت اپنے گھر مین بند رہتی تھی ، کوئی کام نہیں کرتی تھی ، وہ صرف مرد کی دست نگر تھی ، اب اس نے اپنی کمزوریون کو محسوس کر لیا ، اب وہ مرد کی طرح کھلے منہ پھرتی ہے ، محنت کرتی ہے ، اور کماتی ہے ، اس کو میونسپل وغیرہ کی ممبری کا حق بھی دیدیا گیا ہے ، جو اس وقت تک بہت سے ترقی یافتہ ملکون مین بھی اُس کو حاصل نہین ہے ،

۷۔ اس سے پہلے صرف مالدار لڑکے ہی پڑھ سکتے تھے ، اب ہمارے ملک کے تمام بچون کو مفت تعلیم دیجاتی ہے ، اور مدرسون کی تعداد سال بسال بڑھتی جاتی ہے ،

۸۔ پُرانا رسم خط ایک نہایت مشکل رسم خط تھا ، ہمارا اپنا رسم خط آسان ہے ، تم جتنا ایک سال مین پڑھ لیتے ہو اُس کو ہم پانچ سال مین پڑھا کرتے تھے ،

۹۔ آج جس طرح کی صاف اور ستھری ترکی زبان مین نوشت وخواند ہوتی ہے ، اُس زمانہ مین اس کی کوئی قدر نہ تھی ، ہم کو عربی اور فارسی الفاظ سے ملی ہوئی ایک بناوٹی زبان پڑھائی جاتی تھی ، جس کو عثمانی زبان کہا جاتا تھا ، اس مشکل زبان کو سیکھنے مین ہمارے کئی سال صرف ہوجاتے تھے ، اور دوسرے علوم کو ہم بہت دیر مین شروع کرتے تھے ، اور تمھاری طرح جلد ترقی نہین کرسکتے تھے ،

۱۰۔ پہلے ہم اپنے سر پر سرخ کپڑے کی بنی ہوئی ایک مضحکہ خیز ٹوپی لگاتے تھے ، جس کو "فز" کہتے ہین ، گرمی اور جاڑے کے موسم مین یہ ٹوپی ہم کو بہت تکلیف پہنچاتی تھی ، اُس کے اوپر ایک لٹکتا ہوا پھندنا ہوتا تھا ، جسے دیکھ کر ساری دنیا ہم پر ہنستی تھی ، جمہوریت نے اُس کو بھی پھاڑ پھینکا

اور تمام متمدن دنیا جو ٹوپی اپنے سر پر لگاتی ہے، ہم بھی اب وہی استعمال کرتے ہین،

۱۱- پہلے مجسمہ بنانا ممنوع تھا، تصویر اور موسیقی کی بھی کوئی قدر نہ تھی، اب جمہوری حکومت نے ان کو نہایت ضروری خیال کرتے ہوئے، نصاب تعلیم مین اُس کو ایک بڑی جگہ دی ہے،

۱۲- اناطولیہ کے راستون کی طرف بالکل توجہ نہ تھی، ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہونچنے مین مہینے گذر جاتے تھے، جنگ کے زمانہ مین سپاہیون کو اُن کے گاؤون سے نکال کر جب تک میدان جنگ مین پہنچایا جاتا تھا، دشمن سرحد کو عبور کر چکا ہوتا تھا، اب بارہ سال کے عرصہ مین جیسا کہ ہم سب جانتے ہین، اناطولیہ مین کیسے اچھے اچھے راستے بن گئے، اور ریلون کا جال بچھ گیا،

۱۳- پہلے زمانہ مین ہمارے ملک کے ایک گوشہ مین تنہا ایک بڑا شہر استنبول تھا، دوسرے شہرون کی طرف کوئی توجہ نہ تھی، شہرون سے زیادہ وہ بڑے گاؤن سے مشابہ تھے، انقرہ بھی اناطولیہ کے بیچ مین ایک بڑا گاؤن تھا، جمہوری حکومت نے اس مین بارہ سال کی مدت مین نہایت ترقی یافتہ عمارتین بالکل یورپ اور امریکہ سے ملتی ہوئی بنا ڈالین، راستے، مدرسے، عجائب خانے اور کارخانے بنا کر شہر کی رونق بڑھائی گئی، اسی طرح ملک کے دور دراز گوشون مین بھی جو شہر آباد ہین، وہ بھی ترقی کرتے جارہے ہین؛"

یہانتک ترکی کی پانچوین کتاب (مطبوعہ ۱۹۳۶ء) کے ایک سبق کا ترجمہ ہم نے پیش کیا، اس سے آپنے اندازہ کیا ہوگا کہ کس طرح ابتدا ہی سے بچون کی ذہنی تربیت کیجاتی ہے، اور بچون کی ذہنیت کے مطابق عام فہم اور آسان طریقے سے جمہوریت اور جدید تمدن کے فوائد اُن کے ذہن نشین کئے جاتے ہین، ہمارا مطلب اس سے یہ نہین ہے، کہ ہم کو ترکون کی ہر بات سے اتفاق ہے، اور انھون نے مشرقی تہذیب کو چھوڑ کر جو مغربی رنگ اختیار کیا ہے، وہ ہمارے لئے بھی قابل تقلید ہے، کیونکہ اوّل تو یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، اور دوسرے ہمارے ملک کی متنشر حالات اور

مسلمانون کی موجودہ ذہنیت اس بحث کے لئے سازگار نہیں ہے، ہمارا موضوع ترکی ادب کے رجحانِ جدید پر منحصر ہے، اور اسی کو ہم آگے بھی ذرا تفصیل سے بتانا چاہتے ہین،

سیاسی انقلاب کا جو اثر ترکی ادبیات پر پڑا اُس نے ترکی کے قدیم رسم خط کو بھی باقی نہیں چھوڑا، پہلے ترکی زبان عربی رسم خط مین لکھی جاتی تھی، اور اب رومن حروف اختیار کر لئے گئے ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسم خط کی تبدیلی مین ترک بالکل حق بجانب ہین، اس لئے کہ عربی رسم خط مین ترکی زبان صحیح طریقہ پر نہیں لکھی جا سکتی تھی، کیونکہ عربی کے حروف علت اور حرکات یعنی واؤ، الف اور ی، اور زبر، زیر اور پیش ترکی تلفظ کے ادا کرنے سے بالکل قاصر تھے، مثلاً ترکی زبان مین ایک حرکت زیر اور زبر کے درمیان ہوتی ہے، مثلاً "Ben" یعنی "مین" اب اس کو پرانے رسم خط مین یا تو زبر کے ساتھ بَن لکھ سکتے ہین، یا زیر کے ساتھ بِن اور یہ دونون غلط ہین، اسی طرح عربی مین صرف ایک واؤ ہوتا ہے، واؤ معروف، اور اگر فارسی کا واؤ مجہول بھی لے لیا جائے، تو دو قسم کے واؤ ہوئے، حالانکہ ترکی مین اس کے علاوہ دو قسم کے اور واؤ ہین، ایک واؤ ہے جس کا تلفظ واؤ مجہول اور یائے مجہول کے درمیان ہے، مثلاً Ölek متعدی مرض Ölmez غیر فانی، اور ایک واؤ ہے جس کا تلفظ واؤ معروف اور یائے معروف کے درمیان ہے، مثلاً Ülke = سرحد Üfürük = جھاڑ پھونک، پہلے واؤ رومن O پر دو نقطے لگا کر اور دوسرا U پر دو نقطے لگا کر ظاہر کیا جاتا ہے، علاوہ ترکی کے یہ دونون تلفظ جرمن اور ہنگرین وغیرہ زبانون مین بھی ہین، اس کے علاوہ ترکی کا قدیم رسم خط یعنی عربی رسم خط، مرکب ہونے کی وجہ سے نہایت مشکل تھا جس مین ایک حرف کی کئی کئی صورتین ہوتی ہین، زبر زیر اور پیش عام طور پر نہیں لگائے جاتے، محض قرینہ اور حافظہ کی مدد سے لفظ صحیح پڑھا جاتا ہے، ت ط، ز ذ ض ظ، ث، س، ص، کا جھگڑا بھی بچے کے لئے کچھ کم مشکل نہیں، لہذا زبان کے رسم خط کو آسان بنانے اور اُس کو تلفظ کے مطابق کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، کہ اس کو رومن

حروف میں لکھا جائے، بلکہ طوالت کے بچنے کے لئے یہاں تک کیا گیا کہ ش Sh ہے دو حروف لکھنے کے بجائے S کے نیچے ایک نشان اس طرح Ş کا لگا دیا جاتا ہے، C ترکی میں ج کی آواز دیتا ہے اور چ کے لئے بجائے Ch دو حرفوں کے C کے نیچے ایک نشان اس طرح Ç لگا دیتے ہیں، اس اصلاح کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب بچہ نہایت تیزی سے پڑھنے لکھنے لگتا ہے، غیر زبان والے بھی آسانی سے ترکی پڑھنے لگتے ہیں، اب ترکی دنیا کی اُن چند زبانوں میں ہے جو تلفظ کے عین مطابق لکھی جاتی ہیں،

ذیل میں ہم ایک جملہ قدیم اور جدید دونوں رسم خطوں میں لکھتے ہیں، اب آپ تمام مذہبی اور تاریخی تعصب کو چھوڑ کر انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ کونسا رسم خط آسان ہے،

"Yüksek Türk, Seniniçin Yüksekliğin hdudu yoktur. Kemal Atatürk"

"یوکسك ترك، سنك ایچون یوکسکلکك حدودی یوقدر (کمال اتاترك)

ترجمہ: اے بلند ترک، تیرے لئے بلندی کی کوئی حد نہیں ہے، (کمال آتا ترک)

ترکی ادبیات کا مذہبی رنگ تو عرصہ ہوا ختم ہو چکا تھا، اور جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، اُس کی جگہ قومی اور وطنی ادبیات نے حاصل کر لی تھی، ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد جب ترکی کا ہر شعبۂ زندگی تقریباً مغربی سانچہ میں ڈھل گیا تو ادبیات نے بھی وہی رنگ اختیار کرنا شروع کیا، جو مغربی ادب کی خصوصیت ہے، عشق و محبت کے جذبات کا اظہار قدیم روایات اور محدود تشبیہات و استعارات کا پابند نہیں رہا، زبان کی سادگی اور سلاست بڑھ گئی، غیر ضروری عربی اور فارسی الفاظ کی بھرمار نہیں رہی، بیانیہ شاعری نے بھی بڑی ترقی کی، قدرت کے مناظر اور فطرت کی نقاشی کا عکس بھی ترکی ادبیات میں نمایاں طور پر نظر آنے لگا،

ہم کو افسوس ہے کہ جملہ اصنافِ سخن کی مثالیں ہم آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتے، اس لئے کہ

نہ تو ہمارے پاس اس کا کافی ذخیرہ ہے اور نہ مضمون کو زیادہ طول دینے کی گنجایش ہے، لہذا اب ہم جستہ جستہ صرف چند ایسے انتخابات درج کرتے ہین، جو قومی شاعری سے متعلق ہیں، کیونکہ انقلاب کے بعد شاعری کی اسی صنف نے زیادہ ترقی کی ہے، اس انتخاب کا زیادہ حصہ ہم نے ترکی ریڈرون سے ترجمہ کیا ہے، لہذا اس کے پڑھنے مین یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ بچون کی ذہنیت کے مطابق ان کی قومی تربیت کے خاطر لکھی ہوئی چھوٹی چھوٹی نظمین اور عبارتین ہین، آپ اُن کو اپنی تربیت یافتہ ذہنیت سے مطابق کرنے کی کوشش نہ فرمائے،

وطن اور اتاترک "یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ جنگل، یہ باغ، یہ چاندی کی طرح سفید پانی، یہ آبشارین، یہ خوبصورت بے مثل وطن، میرے بچے! یہ تیرا ہے، یہ تیرا ہے،

جب کہ تو گہوارہ مین تھا، تیری ماں لوریان سنا کر تجھے سلاتی تھی، تیرا وطن جو ہر ملک سے اونچا ہے، دشمنون سے بھر گیا تھا، اور وہ ایک قیدخانہ تھا،

جب کہ دشمن ہم کو پیرون تلے روندر ہے تھے، اتاترک آگے بڑھا، اور ایک ایسا سورج نکلا جو کبھی ڈوبنے والا نہین، اُس نے تمام تاریکیوں کو مٹا دیا، اور ملک کو روشن کر دیا، اور ہم سب کو سیدھے راستہ پر لگا دیا،"

سرحد تمھارا باغ ہر جانب سے باڑھ سے گھرا ہوا ہے، باغ مین ایک سرے سے دوسرے سرے تک درخت ہی درخت ہین، جو شخص چوری کی نیت سے اندر گھسنا چاہتا ہے، باڑھ اُس سے کہتی ہے، یہان سے دور ہو، یہ خوبصورت باغ تمھارا نہین ہے" یہ سُن کر بھی اگر وہ اندر گھسنا چاہتا ہے، تو باڑھ اُس کو اپنے کانٹون مین پھنسا لیتی ہے، اور اندر جانے نہین دیتی، تمھارے وطن کی حفاظت کے لئے بھی ایسا ہی باڑھ موجود ہے، لیکن وہ باغ کی باڑھ کی طرح نہین بنائی گئی ہے، سرحدون پر قلعے ہوتے ہین، ہماری سرحدون پر بھی

اسی طرح لوہے کے قلعے موجود ہیں اور ہماری بڑی بڑی توپیں ہیں لیکن سب سے زیادہ
حفاظت کرنے والا قلعہ ترک سپاہی کا سینہ ہے"

جھنڈا "آسمان کا چاند اور ستارہ، تیرے سینہ پر چمکتا ہے"
"اس ملک کے لڑکے اور لڑکیاں، ہر جگہ تجھے ڈھونڈتی ہیں"
"زندہ باش اے اونچے جھنڈے، تو کیا ہی شاندار ہے"
"صرف تیرے ہی سایہ میں، ہمارے دل خوشی محسوس کرتے ہیں"

میرا جھنڈا "میرے باپ دادا نے آسمان سے زمین پر، اتارا چاند اور ستارا"
"اور ایک ابر کے ٹکڑے کو لپیٹ لائے، جس کا رنگ شفق سے بھی زیادہ سرخ ہے"
"آگ کی طرح اُس کا سُرخ رنگ، نہ گلاب کے پھول سے نہ کسی اور سرخ پھول
سے لیا گیا ہے"
"وہ ترک قوم کے فرزندوں کا اپنا خون ہے جس نے اُس کو یہ رنگ دیا ہے"
"اس کا چاند اور ستارہ، آسمان کے چاند تارے سے اونچا ہے"
"ترکوں کی پیشانی پر یہ تحریر ہے، ترک ہی اُسے بلند کرتے رہیں گے"
"میرا فرض ہے کہ اپنے جھنڈے کو، ہر جھنڈے سے بلند رکھوں"
"جان دے ڈالوں، اپنا خون بہاؤں، لیکن اپنے فرض کو ہرگز نہ چھوڑوں"

اصلاحاتِ اقبال

از

جناب محمد بشیر الحق صاحب دسنوی عظیم آبادی

(۲)

۲۸۔ داغ

رسالۂ مخزن ماہ اپریل ۱۹۰۵ء	بانگ درا صفحہ: ۴۹
۱۔ تھی زبانِ داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے	۱۔ .. ..
یعنی یہ لیلا وہاں بے پردہ یاں محمل میں ہے	لیلیٰ معنی وہاں بے پردہ یاں محمل میں ہے
۲۔ آہ! اے بیت الحرامِ مذہبِ اہلِ سخن	۲۔ اے جہان آباد اے سرمایۂ بزمِ سخن
ہو گیا پھر آج پامالِ خزاں تیرا چمن	..
۳۔ وہ گلِ رنگیں ترا رخصت مثالِ بو ہوا	۳۔ ..
یعنی خالی داغ سے کاشانۂ اردو ہوا	آہ! خالی داغ سے کاشانۂ اردو ہوا

۲۹۔ بچہ اور شمع

رسالۂ مخزن ماہ ستمبر ۱۹۰۵ء	بانگ درا ص ۹۴۔
۱۔ محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حسن!	۱۔ ..
دیکھتی ہے آنکھ ہر قطرے میں یاں طوفانِ حسن!	آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن!

۳۰ - غزل

رسالۂ مخزن ماہ فروری ۱۹۰۳ء	بانگِ درا ص ۱۰۲
۱۔ کیا کہوں اپنے وطن سے میں جدا کیونکر ہوا	۱۔ کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا
اور اسیرِ حلقۂ دام ہوا کیونکر ہوا	..

۳۱ - غزل

رسالۂ مخزن ماہ اکتوبر ۱۹۰۳ء	بانگِ درا ص ۱۰۵
۱۔ جرس ہوں میں صدا خوابیدہ ہے میرے رگ و پے میں	۱۔ جرس ہوں نالہ خوابیدہ ہے میرے رگ و پے میں
یہ خاموشی مری وقتِ رحیلِ کارواں تک ہے	..
۲۔ جوانی ہے تو ذوقِ آرزو بھی لطفِ ارماں بھی	۲۔ جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی لطفِ تمنا بھی
ہمارے گھر کی آبادی قیامِ میہماں تک ہے	..

۳۲ - غزل

رسالۂ مخزن ماہ جنوری ۱۹۰۴ء	بانگ درا صفحہ ۱۰۶
۱۔ جنھیں ڈھونڈا تھا میں نے آسمانوں میں زمینوں میں	۱۔ جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں	..

۳۳ - غزل

۱۔ رسالۂ مخزن ماہ مئی ۱۹۰۵ء	بانگ درا، ص ۱۱۲
لطفِ کلام کیا جو نہ ہو دل میں زخمِ عشق	۱۔ لطفِ کلام کیا جو نہ ہو دل میں دردِ عشق
بسمل نہیں ہے تو تو تڑپنا بھی چھوڑ دے	..

۳۴ - محبت

رسالۂ مخزن ماہ جنوری ۱۹۰۶ء	بانگ درا ص ۱۱۵
۱- قرا اپنے لباس نو میں بیگانہ سا لگتا تھا	۱- ..
ابھی واقف نہ تھا گردش کے آئین مسلّم سے	نہ تھا واقف ابھی گردش کے آئین مسلّم سے
۲- سنا ہے عالم بالا پہ کوئی کیمیا گر تھا	۲- سنا ہے عالم بالا میں کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جس کی خاکِ پا میں بڑھکر ساغرِ جم سے	..
۳- لکھا تھا عرش کے پائے پہ اک اکسیر کا نسخہ	۳- ..
چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشم لوحِ آدم سے	چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشم روحِ آدم سے
۴- نگاہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیاگر کی	۴- ..
وہ اک نسخہ کو پڑھ کر جانتا تھا اسم اعظم سے	وہ اس نسخہ کو بڑھکر جانتا تھا اسم اعظم سے

۳۵- پیام

رسالۂ مخزن ماہ فروری ۱۹۰۶ء	بانگ درا ص ۱۱۷
۱- قسمت سے ہو گیا ہے تو ذوقِ تپش سے آشنا	۱- عشق نے کر دیا تجھے ذوقِ تپش سے آشنا
پروانہ وار بزم کو تعلیم سوز و ساز دے	بزم کو مثل شمعِ بزم حاصلِ سوز و ساز دے
۲- اس عشق خانہ سوز کا شانِ کرم پہ ہے مدار	۲- شانِ کرم پہ ہے مدار عشقِ گرہ کشائے کا
با قید کفر و دیں نہیں جس کو وہ بے نیاز دے	دیر و حرم کی قید کیا جس کو وہ بے نیاز دے
۳- مانند شمع نور کا ملتا نہیں لباس اسے	۳- صورتِ شمع نور کی ملتی نہیں قبا اسے
جس کو خدا نہ دہر میں گریۂ جانگداز دے	..
۴- تارے میں وہ قمر میں وہ کلی میں وہ شفق میں وہ	۴- تارے میں وہ قمر میں وہ جلوہ گہ سحر میں وہ
چشم نظارہ کو نہ تو سرمۂ امتیاز دے	

۵ رفعت ہے عجز میں نہاں یعنی نیاز کر شعار	۵۔ عشق بلند بال ہے رسم و رہ نیاز سے
وہ محو ناز ہے اگر تو بھی جواب ناز دے	حسن ہے مست ناز اگر تو بھی جواب ناز دے
۶۔ محفل جو تھی بدل گئی ساقی تجھے خبر بھی ہے	۶۔ تجھ کو خبر نہیں ہے کیا؟ بزم کہن بدل گئی
اب نہ خدا کے واسطے اس کو مئے حجاز دے	..

۳۶۔ طلبۂ علی گڑھ کالج کے نام

رسالہ مخزن ماہ جون ۱۹۰۷ء	بانگ درا ص ۱۱۹
۱۔ اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے	۱۔ ..
غربت کے دردمند کا طرز کلام اور ہے	عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے
۲۔ مرغان زیر دام کے ہنگامے سن چکے ہو تم	۲۔ طائر زیر دام کے نالے تو سن چکے ہو تم
یہ بھی سنو کہ نالۂ طائر بام اور ہے	..
۳۔ تمکین جو ہے سکون سے ہو آئی تھی کوہ کو صدا	۳۔ آتی تھی کوہ سے صدا راز حیات ہے سکون
کہتا تھا مور ناتواں لطف خرام اور ہے	..
۴۔ جذب عرب کے بل پہ ہے انجم قوم کا قیام	۴۔ جذب حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا
یثرب کے آفتاب کا یعنی نظام اور ہے	اس کا مقام اور ہے اس کا نظام اور ہے
۵۔ باقی ہے زندگی میں کیا ذوق نوا اگر نہ ہو	۵۔ موت ہے عیش جاوداں ذوق طلب اگر نہ ہو
حرکت آدمی ہے اور حرکت جام اور ہے	گردش آدمی ہے اور گردش جام اور ہے
۶۔ شمع سحر یہ کہہ گئی ہے ساز زندگی کا سوز	۶ شمع سحر یہ کہہ گئی سوز ہے زندگی کا ساز
اس محفل نمود میں شرط دوام اور ہے	غمکدۂ نمود میں شرط دوام اور ہے
۷۔ عجلت کرو نہ مے کشو بادہ ہے نارسا ابھی	۷۔ بادہ ہے نیم رس ابھی شوق ہے نارسا ابھی

رہنے دو خم کے سر پہ تم خشتِ کلیسا ابھی

۳۷۔ وصال

Iqbal by Atiya Begum — Page - 31 | بانگِ درا صفحہ ۱۲۶

۱۔ عشق کی گرمی سے شعلے بن گئے چھالے مرے | ۱۔ عشق کے کانٹے سے لالے بن گئے چھالے مرے
کھیلتے ہیں بجلیوں کے ساتھ اب نالے مرے | ..

۳۸۔ نوائے غم

رسالہ مخزن ماہ جون ۱۹۱۲ء | بانگِ درا صفحہ ۱۳۲

۱۔ محشرستانِ نوا کا ہے امیں جس کا سکوت | ۱۔ ..
اور شرمندۂ ہنگامہ نہیں جس کا سکوت | اور منت کش ہنگامہ نہیں جس کا سکوت

۲۔ آہ! امیدِ محبت کی بر آئی نہ کبھی | ۲۔ ..
چوٹ اس ساز نے مضراب کی کھائی نہ کبھی | چوٹ مضراب کی اس ساز نے کھائی نہ کبھی

۳۔ چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات | ۳۔ چھیڑ آہستہ سے دیتی ہے مرا تارِ حیات
جس سے ہوتی ہے رہا روحِ گرفتارِ حیات | ..

۴۔ نغمۂ یاس سے دھیمی سی صدا اٹھتی ہے | ۴۔ نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھتی ہے
اشک کے قافلے کو بانگِ درا اٹھتی ہے | ..

۳۹۔ ایک شام

کلیاتِ اقبال (خاموشی) صفحہ ۱۰۰ | بانگِ درا ص ۱۳۶

۱۔ وادی کے صدا فروش خاموش | ۱۔ وادی کے نوا فروش خاموش

کہسار کے سبز پوش خاموش

۲۔ خاموش ہین کوہ و دشت و دریا ۲۔ ..
فطرت ہے مراقبے میں گویا، قدرت ہے مراقبے میں گویا

۳۔ اے دل! خاموش تو بھی ہو جا ۳۔ اے دل! تو بھی خموش ہو جا
آغوش میں غم کو لے کے سو جا، ..

۴۰۔ پیامِ عشق

رسالہ مخزن ماہ اکتوبر ۱۹۰۵ء بانگ درا ص ۱۳۷

۱۔ وجود افراد کا مجازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی ۱۔ ..
فدائے ملت ہو یعنی آتش زنِ طلسمِ مجاز ہو جا فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زنِ طلسمِ مجاز ہو جا

۴۱۔ فراق

کلیاتِ اقبال (کنج تنہائی) ص ۹۵ بانگ درا ص ۱۳۹

۱۔ شگفتہ گیت کے چشموں کی دلبری ہے کمال ۱۔ شگفتہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال
دعائے طفلک گفتار آزما کی مثال ..

۲۔ ہے تختِ لعلِ فلک پر ظہور اخترِ شام ۲۔ ہے تختِ لعلِ شفق پر جلوسِ اخترِ شام
بہشتِ دیدۂ بینا ہے، حسنِ منظرِ شام ..

۴۲۔ صقلیہ

جزیرہ سسلی

رسالہ مخزن ماہ اگست ۱۹۰۸ء بانگ درا ص ۱۴۱

۱۔ یہ محل خیمہ تھا اُن صحرا نشینوں کا کبھی ۱۔ تھا یہاں ہنگامہ اُن صحرا نشینوں کا کبھی

بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی	..
۲۔ زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے	۲۔ ..
شعلۂ جان سوز پنہاں جن کی تلواروں میں تھے	بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
۳۔ آفرینش جن کی دنیائے کہن کی تھی اجل	۳۔ اک جہان تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
جن کی ہیبت سے لرز جاتے تھے باطل کے محل	کھا گئی عصر کہن کو جن کی تیغ ناصبور
۴۔ زندگی دنیا کو جن کی شورش قم سے ملی	۴۔ مردہ عالم زندہ جن کی شورش قم سے ہوا
مخلصی انسان کو زنجیر توہم سے ملی	آدمی آزاد زنجیر توہم سے ہوا
۵ جس کے آوازے سے لذت گیر اب تک گوش ہے	۵۔ غلغلوں سے جس کے لذت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے	کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

۴۳۔ غزل

رسالہ مخزن ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۱ء	بانگ درا ص ۱۴۲
۱۔ ریاض ہستی کے ذرے ذرے سے ہے محبت کا جلوہ پیدا	۱۔ ..
حقیقت گل کو تو جو دیکھے تو یہی سماں ہے رنگ و بو کا	حقیقت گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیماں ہے رنگ و بو کا

۴۴۔ بلاد اسلامیہ

رسالہ مخزن ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۴ء	بانگ درا ص ۱۵۵
۱۔ یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لئے سامان ناز	۱۔ ..
لالۂ صحرائے یثرب یعنی تہذیب حجاز	لالۂ صحرا جسے کہتے ہیں تہذیب حجاز
۲۔ کشور اسلام کا اے مسلمو دل ہے یہ شہر	۲۔ اے مسلمان ملت اسلام کا دل ہے یہ شہر
سیکڑوں صدیوں کی کشت خوں کا حاصل ہے یہ شہر	..

۴۵۔ گورستان شاہی

رسالہ مخزن جون ۱۹۱۰ء	بانگ درا ص ۱۲۰
۱۔ آسمان بادل کا پہنے خرقۂ دیرینہ ہے	۱۔
یعنی دھندلا سا جبینِ ماہ کا آئینہ ہے	کچھ مکدر سا جبینِ ماہ کا آئینہ ہے
۲۔ فطرتِ نظارۂ امکاں سراپا درد ہے	۲۔ باطنِ ہر ذرۂ عالم سراپا درد ہے
اور خاموشی لبِ ہستی پہ آہِ سرد ہے	"
۳۔ گرچہ باغِ زندگی سے گل بداماں ہو زمیں	۳۔ رنگ و آبِ زندگی سے گل بداماں ہے زمیں
سیکڑوں خوں گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمیں	"
۴۔ شورشِ بزمِ طرب کیا عود کی تقریر کیا	۴۔ "
قیدیِ زندانِ غم کا نالۂ شبگیر کیا	دردمندانِ جہاں کا نالۂ شبگیر کیا
۵۔ یہ قمر جو ناظمِ عالم کا اک اعجاز ہے	۵۔ چاند جو صورت گرِ ہستی کا اک اعجاز ہے
پہنے سونے کی قبا محوِ خرامِ ناز ہے	پہنے سیمابی قبا محوِ خرامِ ناز ہے
۶۔ زندگی کی مے سے مینائے جہاں لبریز ہو	۶۔ زندگی سے یہ پرانا خاکداں معمور ہے
منظرِ حسرت بھی ہے کوئی تو حسن آمیز ہو	موت میں بھی زندگانی کی تڑپ مستور ہے

۴۶۔ فلسفۂ غم

رسالہ مخزن جولائی ۱۹۱۰ء	بانگ درا ص ۱۶۸
۱۔ گو بظاہر تلخیٔ دوراں سے آرامیدہ ہو	۱۔ کلفتِ غم گرچہ اُس کے روز و شب سے دور ہو
زندگی کا راز اُس کی آنکھ سے پوشیدہ ہو	زندگی کا راز اُس کی آنکھ سے مستور ہو
۲۔ اے کہ نظمِ دہر کا ادراک ہے حاصل تجھے	۲۔ "

کیون نہ ہو آسان غم و اندوہ کی منزل تجھو   کیون نہ آسان ہو غم و اندوہ کی منزل تجھے

۳- عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے   ۳- ..

ظلمت ہستی مین یہ سورج سدا تابندہ ہے   عشق سوز زندگی ہے تا ابد پایندہ ہے

۴- عقل جس دم دہر کی آفات مین محصور ہو   ۴- عقل جس دم دہر کی آفات مین محصور ہو

یا جوانی کی اندھیری رات مین مستور ہو   ..

۴۷- ایک حاجی مدینے کے راستے مین

کلیات اقبال ص ۱۸۰   بانگ درا ص ۱۷۵

۱- خنجر رہزن اُسے گویا ہلال عید تھا   ۱- ..

"ہائے یثرب" دل مین لب پر کلمۂ توحید تھا   "ہائے یثرب" دل مین لب پر نعرۂ توحید تھا

۲- خوف کہتا ہے کہ یثرب کی طرف تنہا نہ چل   ۲ ..

شوق کہتا ہے کہ مسلم ہے تو بے باکانہ چل   شوق کہتا ہے کہ "تو مسلم ہے بے باکانہ چل"

۴۸- قطعہ

کلیات اقبال ص ۱ (مسافران حرم کو عالم رہ کلیسا بتا رہے ہین)   بانگ درا ص ۱۷۶

۱- غضب ہین یہ مرشدان خود بین خدا تری قوم کو بچائے   ۱- ..

مسافران حرم کو عالم رہ کلیسا بتا رہے ہین   بگاڑ کر تیرے مسلمون کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہین

۴۹- شکوہ

رسالہ مخزن ۱۰ جون ۱۹۱۱ء   (بند ۶)   بانگ درا ص ۱۷۷

۱- تھے ہمین ایک تیرے معرکہ آراؤن مین   ۱- ..

کبھی خشکی مین لڑے اور کبھی دریاؤن مین   خشکیون مین کبھی لڑتے کبھی دریاؤن مین

۵۰- رات اور شاعر

پنجاب ریویو ماہ ستمبر ۱۹۱۰ء	بانگ درا ص ۱۰۰
۱- دریا کی تہ میں چشم گرداب سو رہی ہے	۱- دریا کی تہ میں چشم گرداب سو گئی ہے
ساحل سے لگ کے موج بے تاب سو رہی ہے	ساحل سے لگ کے موج بے تاب سو گئی ہے

۵۱- نصیحت

رسالہ مخزن ماہ مئی ۱۹۱۱ء عنوان "قطعہ"	بانگ درا ص ۱۹۲
۱- کل ملا مجھ سے جو اقبال تو پوچھا میں نے	۱- میں نے اقبال سے از رہِ نصیحت یہ کہا
عاملِ روزہ ہے تو اور نہ پابند نماز	..

۵۲- خطاب بہ جوانانِ اسلام

کلیات اقبال ص ۱۵۰ (خطاب بہ مسلم)	بانگ درا ص ۱۹۰
۱- گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے	۱- ..
کہ منعم کو گدا کے در پہ بخشش کا نہ تھا یارا	کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
۲- مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی	۲- ..
جو دیکھو اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا	جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

۵۳- غرۂ شوال یا ہلالِ عید

رسالہ مخزن ماہ اکتوبر ۱۹۱۱ء	بانگِ درا ص ۱۹۹
۱- تیری پیشانی پہ تحریر پیامِ عید ہے	۱- ..
یعنی تیری شام صبحِ عیش کی تمہید ہے	شام تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تمہید ہے
۲- زندگی تیری جبیں بوسی اسی رات کی ہے	۲- تیری قسمت میں ہم آغوشی اسی رات کی ہے

حُسن روز افزوں سے تیرا آبرو ملت کی ہے

۵۴- شمع اور شاعر

کلیات اقبال ص ۲۰۳ (بند اول) بانگ درا ص ۲۰۱

۱- می تپد صد جلوہ در جان امل فرسود من ۱-

برنمی خیزد ز محفل یک دل دیوانۂ برنمی خیزد ازین محفل دل دیوانۂ

(بند دوم)

۲- قیس ہوں پیدا تری محفل میں یہ ممکن نہیں ۲- قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن نہیں

تنگ ہے صحرا ترا، محمل ہے بے لیلا ترا

(بند نہم)

۳- دیکھ آکر کوچۂ چاک گریباں بھی کبھی ۳- دیکھ آکر کوچۂ چاکِ گریباں میں کبھی

قیس تو لیلا بھی تو، صحرا بھی تو محمل بھی تو

(بند یازدہم)

۴- آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک ۴-

یعنی گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائیگی بزم گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائیگی

۵۵- مسلم

رسالہ مخزن ماہ جولائی ۱۹۱۲ء بانگ درا ص ۲۱۶

۱- نبض موجودات میں رقصاں حرارت اس سے ہے ۱- نبض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے

اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے

آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرارِ حیات ۲-

کلیات اقبال	بانگ درا
کہ نہیں سکتی مجھے مایوس پیکارِ حیات	کہ نہیں سکتے مجھے نومید پیکارِ حیات

۵۶۔ شفاخانۂ حجاز

کلیاتِ اقبال ص ۸۸	بانگ درا ص ۲۱۹
دین اور کو حضور یہ پیغامِ زندگی	۱۔ اوروں کو دیں حضور یہ پیغامِ زندگی
مین موت ڈھونڈتا ہون زمینِ حجاز (مین)	..

۵۷۔ جوابِ شکوہ

کلیات اقبال ص ۱۹۰	بانگ درا ص ۲۲۰
خاک سے اٹھی ہے گردوں پہ گذر رکھتی ہے	
اُڑ کے آواز مری تا بہ فلک جا پہنچی	عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
یعنی اس گل کی مہک عرش تلک جا پہنچی	آسمان چیر گیا نالۂ بےباک مرا
کہیں تہذیب کی پوجا کہیں تعلیم کی ہے	بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خم بھی نئے
قوم دنیا میں یہی احمدِ بے میم کی ہے	حرمِ کعبہ نیا، بت بھی نئے، تم بھی نئے
یعنی ہونے کو ہے کانٹوں سے بیابان خالی	خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستان خالی
گل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی	..
پیرہن کیوں نہ فلک پیر کا عنابی ہو	رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے!	..
ختم کاہے کو ہوا کام ابھی باقی ہے	وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے	..
شوقِ وسعت ہے تو ذرے سے بیابان ہو (جا)	ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیابان ہو جا

نعرۂ موج سے ہنگامۂ طوفان ہو جا	
بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے	قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
اور دنیا کے اندھیرے میں اجالا کر دے	دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے
ہو نہ افسردہ اگر بل گئی تفسیر تری	عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
رازِ توحید حکومت نہیں تفسیر تری	مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
تو وہ سرباز ہے اسلام ہے شمشیر تری	ماسوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری
نظمِ ہستی میں ہے کچھ اور ہی تقدیر تری	

۵۸۔ نویدِ صبح

رسالہ مخزن ماہ جنوری ۱۹۱۲ء	بانگِ درا ص ۲۳۶
۱۔ مسلمِ خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو	
وہ نکل آئی سحر گرمِ تقاضا تو بھی ہو	وہ چمک اٹھا افق گرمِ تقاضا تو بھی ہو
۲۔ دورۂ عالم میں رہ پیما ہو مثلِ آفتاب	۲۔ وسعتِ عالم میں رہ پیما ہو مثلِ آفتاب
دامنِ گردوں سے ناپیدا ہوں یہ داغِ سحاب	
۳۔ تو سراپا نور ہے زیبا ہے عریانی تجھے	۳۔ تو سراپا نور ہے خوشتر ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہے خود افشانی تجھے	

۵۹۔ فاطمہ بنت عبداللہ

کلیاتِ اقبال ص ۹۰ (فاطمہ)	بانگِ درا ص ۲۳۹
۱۔ فاطمہ تو آبروئے ملتِ مظلوم ہے	۱۔ فاطمہ تو آبروئے اُمتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے	

۲- ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر	۲- یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر!
دل کہ برگِ نازکِ گل سے بھی تھا پاکیزہ تر	ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر!
۳- یعنی نورِ امید تاروں کا فضا میں ہے ظہور	۳- تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور	..
۴- جن کی تابانی میں اندازِ کہن بھی نو بھی ہے	۴- ..
اور خونِ بنتِ عبداللہ کا پرتو بھی ہے	اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے!

۶۰- شبنم اور ستارے

کلیاتِ اقبال ص ۱۲۷	بانگ درا ص ۲۴۰
۱- زہرہ نے سنی ہے یہ خبر ایک ملک سے	..
انسانوں کی ہستی ہے بہت دور فلک سے	انسانوں کی بستی ہے بہت دور فلک سے
۲- آتی ہے صبا واں تو پلٹ جانے کی خاطر	۲- آتی ہے صبا واں سے پلٹ جانے کی خاطر
بیچاری کلی کھلتی ہے مرجھانے کی خاطر	..
۳- بنیاد ہے کاشانۂ عالم کی ہوا پر!	۳- ..
فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر!	فریاد کی تصویر ہے قرطاسِ فضا پر!

۶۱- غلام قادر رہیلہ

کلیاتِ اقبال صـ۳ (زوالِ جمیت)	بانگ درا ص ۲۴۳
۱- دلِ نازک لرزتے تھے قدم مجبورِ جنبش تھے	۱- لرزتے تھے دلِ نازک قدم مجبورِ جنبش تھے
رواں دریائے خوں شہزادیوں کے دیدۂ تر سے	..
۲- کرے سے بہرہ وہ تیغ جاں ستاں آتش نشاں کھولی	کرے اٹھ کے تیغ جاں ستاں آتش نشاں کھولی

• سبق آموز تابانی ہو انجم جس کے جوہر سے	سبق آموز تابانی ہون انجم جس کے جوہر سے
۳- رکھا خنجر کو آگے، اور کچھ پھر سوچ کر بیٹھا	۳- ..
تقاضا کر رہی تھی نیند گویا چشم اخگر سے	تقاضا کر رہی تھی نیند گویا چشم احمر سے
۴- بجھائے خواب کے پانی نے اخگر اسکی آنکھون سے	۴- بجھائے خواب کے پانی نے اخگر اسکی آنکھون سے
نگہ شرما گئی ظالم کی درد انگیز منظر سے	..
۵- مرا مسند پہ سو جانا بناوٹ تھا تکلف تھا	۵- مرا مسند پہ سو جانا بناوٹ تھی تکلف تھا
کہ غفلت دور ہے نام صف آرایان لشکر سے	کہ غفلت دور ہے شان صف آرایان لشکر سے
۶- مرا مقصد یہ تھا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی	۶- یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی
مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے •	..

۶۲- صدیق

کلیات اقبال ص ۹۰ (دیباچہ) (ایثار صدیقی)	بانگ درا ص ۲۵۰
۱- اتنے مین وہ رفیق نبوت بھی آگیا	۱- ..
شاہد ہے جس کی مہر و وفا پر حرا کی غار	جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
۲- پروانون کو چراغ عنادل کو پھول بس	۲- پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس	..

۶۳- والدۂ مرحومہ کی یاد مین

کلیات اقبال ص ۱۰۶	بانگ درا ص ۲۵۲
۱- زندگی کی اوج گاہون سے اُتر آتے ہین ہم	۱- ..
سایۂ مادر مین طفلِ سادہ رہ جاتے ہین ہم	محبتِ مادر مین طفلِ سادہ رہ جاتے ہین ہم

۶۴۔ شعاعِ آفتاب

رسالہ زمانہ ماہ جون سنہ ۱۹۲۰ء ص ۲۹۳	بانگ درا ص ۲۶۶
(آفتاب کی پہلی شعاع)	
۱ میں کوئی بجلی نہیں فطرت میں گو ناری ہوں میں	۱۔ برقِ آتش خو نہیں فطرت میں گو ناری ہوں میں
مہرِ عالم تاب کا پیغامِ بیداری ہوں میں	""

۶۵۔ عرفی

کلیاتِ اقبال ص ۵۰	بانگ درا ص ۲۶۸
۱ تغیر آ گیا ایسا۔ مزاجِ اہلِ عالم میں	۱۔ مزاجِ اہلِ عالم میں تغیر آ گیا ایسا
کہ رخصت ہو گئی دنیا سے کیفیت وہ سیمابی	""
۲ صدا تربت سے آئی شکوۂ اہلِ جہاں کم کن	۲۔ صدا تربت سے آئی شکوۂ اہلِ جہاں کم گو
نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی	""

۶۶۔ بلالؓ

کلیاتِ اقبال (نوائے اذان) ص ۱۶۸	بانگ درا ص ۲۷۲
۱ جس کا امین ازل سے ہوا سینۂ بلالؓ	۱۔
محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و وزیر	محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر

۶۷۔ پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

کلیاتِ اقبال (شجرِ ملت) ص ۱۵۶	بانگ درا ص ۲۸۰
۱۔ فصلِ خزاں ہے تیرے گلستاں میں خیمہ زن	۱۔ ہے تیرے گلستاں میں بھی فصلِ خزاں کا دور
خالی ہے جیبِ گل زرِ کامل عیار سے	""

۲- شاخِ بریدہ سے سبق اندوز ہو کہ تو ۲- ..
واقف نہیں ہے قاعدۂ روزگار سے نا آشنا ہے قاعدۂ روزگار سے

۳- مذہب کے ساتھ واسطہ اُستوار رکھ ۳- ملّت کے ساتھ رابطہ اُستوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ ..

۶۸- پھول

کلیاتِ اقبال (گل) ص ۱۳۰ بانگِ درا ص ۲۸۱

۱- تنگ بخشی کو استغنا ہے پیغامِ خجالت سے ۱- تنگ بخشی کو استغنا سے پیغامِ خجالت دے
نہ رہ منت کشِ شبنم نگوں جامِ سبو کر لے ..

۶۹- میں اور تو

کلیاتِ اقبال (ترنم) ص ۸۶ بانگِ درا ص ۲۸۴

(اقبال نامہ ص ۸۲)

۱- تری راکھ میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر ۱- تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری ..

۲- گلۂ وفائے جفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے ۲- گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری ..

۷۰- خضرِ راہ

کلیاتِ اقبال ص ۲۱۲ بانگِ درا ص ۲۸۸

(بند سوم)

- ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو سے بے پروا خرام ۱- ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام

وہ گدا بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ میل . وہ خضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ میل

۷۱۔ غزل

رسالہ مخزن ماہ مئی ۱۹۱۷ء بانگ درا ص ۳۱۸

۱۔ شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی ۱۔ ..

تو ہے ہندوے صنم خانۂ ایام ابھی تو ہے زناری بت خانۂ ایام ابھی

۷۲۔ غزل

رسالہ مخزن ماہ فروری ۱۹۱۷ء بانگ درا ص ۳۱۹

(سحر حلال)

۱۔ نفس گرم کی تاثیر ہے انعام حیات ۱۔ نفس گرم کی تاثیر ہے اعجاز حیات

تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر ..

۲۔ تو بجلی ہے تو یہ چشمک پنہاں کیسی ۲۔ تو بجلی ہو تو یہ چشمک پنہاں کب تک

بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر ..

۳۔ تا کجا طور پہ دریوزہ گری مثل کلیم ۳۔ کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثل کلیم

اپنی مٹی سے عیاں شعلۂ سینائی کر اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

۷۳۔ غزل

رسالہ مخزن ماہ مئی ۱۹۱۲ء بانگ درا ص ۳۲۰

۱۔ نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی ۱۔ ..

مرے جرم ہائے سیاہ کو تری عفو بندہ نواز میں مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

۲۔ نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں

[illegible] وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

۷۴- غزل

کلیاتِ اقبال ص ۲۴	بانگ درا ص ۳۲۱
۱- نہ خدا رہا نہ حرم رہا نہ رقیب دیر و حرم رہا (رہے)	۱- نہ خدا رہا نہ صنم رہے، نہ رقیب دیر و حرم رہے
نہ رہی کہیں اسد اللہی نہ کہیں وہ بولہبی رہی	نہ رہی کہیں اسد اللہی نہ کہیں ابو لہبی رہی
۲- مرا ساز گرچہ ستم رسیدہ زخمہ ہائے عجم رہا	۲- مرا ساز اگرچہ ستم رسیدۂ زخمہ ہائے عجم رہا
میں نہ وہ ہوں شہید وفا کہ مگر کہ نوا مری عربی (رہی)	وہ شہید ذوقِ وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

۷۵- اشعار مثنوی اسرارِ خودی

Iqbal by Aliya Bagum 73	مثنوی اسرارِ خودی طبع چہارم ص ۹
۱- آتش استی بزم عالم بر فروز	۱- ..
دیگران را ہم ازین آتش بسوز	دیگران را ہم ز سوزِ خود بسوز
۲- سینہ را سر منزلِ صد نالہ ساز	۲ خندہ را سرمایۂ صد نالہ ساز
اشکِ خونین را جگر پرکالہ ساز	..
۳- پشت پا بر شورشِ دنیا بزن	۳- بر جگر ہنگامۂ محشر بزن،
موجۂ بیرون این دریا بزن	شیشہ بر سر دیدۂ بر نشتر بزن

۷۶- اشعار مثنوی رموزِ بیخودی

اقبال نامہ ص ۴۱۴	مثنوی رموزِ بیخودی طبع چہارم
۱- ۱ دست او یک ملتِ گیتی نورد	حکمتش یک ملتِ گیتی نورد
بر اساس کلمہ تعمیر کرد،	..

۲۔ پس چرا از مسکن آبا گریخت ۲۔

تو چہ پنداری کہ از اعدا گریخت تو گمان داری کہ از اعدا گریخت

۳۔ صورت ماہی بہ بحر آباد شو ۳۔

یعنی از قید وطن آزاد شو یعنی از قید مقام آزاد شو

۴۔ ہر کہ از بند جہات آزاد شد ۴۔ ہر کہ از قید جہات آزاد شد

چون فلک در شش جہت آباد شد

۷۷۔ دریائے نیئن

اقبال نامہ (مجموعۂ مکاتیب اقبال) ص ۲۹۳

۱۔ لمحہ ہی نیئن ہے اور آرزوے وصال ہے ۱۔

مشق خرام نیئن موسم برشگال ہے موجین ہین زور زور کی موسم برشگال ہے

۲۔ موجین ہین نغمہ زن ادھر اور ہوا اُدھر کبھی ۲۔

دونون کی کشمکش مین آج حسن بھی پائمال ہے دونون کی کشمکش مین آج ذوق بھی پائمال ہے

۳۔ جان کے دل کا راز وہ مجھ سے یہ پوچھتے ہین پھر ۳۔ جان کے بھی وہ رازِ دل مجھ سے یہ پوچھتے ہین پھر

آپ چھپا رہے ہین کیون آپ کا کیا سوال ہے

۷۸۔ شبنم کا قطرہ

(اقبال نامہ ص ۳۰۰۔۳۰۴)

۱۔ دیکھنے کو اک ذرا سا قطرۂ بے رنگ ہون ۱۔ قطرۂ بے رنگ ہون یا قلزم نیرنگ ہون

مختلف رنگون مین لیکن قطرۂ ذی رنگ ہون سننے والے سُن کہ مین بھی اک خروشِ آہنگ ہون

۱؎ ڈاکٹر محمد عباس علی خان لمعہ ۲؎ بمبئی کے ایک دریا کا نام جو لمعہ کی تفریح کا مرکز تھا۔

۲- پر نہیں ہے چین میرے قلبِ مضطر کے لئے	۲- وقفِ بے تابی ہے میری جانِ مضطر کے لئے
میں بنا ہوں چرخ کی مانند چکر کے لئے	..
۳- گردشِ ہفت آسمان پنہاں ہے میرے سینے میں	۳- ..
ہے نہاں رازِ حیات روح میری جینے میں	زندگی کا راز پوشیدہ ہے میرے جینے میں
۴- اک ذرا سنئے مری آوارگی کی داستان	۴- سن ذرا غافل مری آوارگی کی داستان
میں کہاں تھا؟ کس لئے؟ اور کس طرح پہنچا یہاں	..
۵- دیکھ کر اس شعلہ رو کو آگ سی دل میں لگی	۵- ..
آہ! پھر کیا ہوتا؟ میں تھا اور تھی ازخود رفتگی	کیا کہوں پوشیدہ تھی فطرت میں ازخود رفتگی
۶- شام ہونے سے تو بس میرا مقدر سو گیا	شام آئی جس گھڑی میرا مقدر سو گیا
بختِ دنیا کی طرح تاریک منظر ہو گیا	میری قسمت کی طرح تاریک منظر ہو گیا
۷- میں بھی ساتھ اس ابر کے اشکِ چکاں بن کر گرا	مل گیا بوندوں میں اشکِ مضطرب بن کر گرا
اور گرا کس چیز پر میں اک پہاڑی پر گرا	رفعتِ گردوں سے آخر اک پہاڑی پر گرا
۸- اس پہاڑی سے میں بہ کر ہمرہِ دریا ہوا	۸- کوہ میں بھی دل نہ بہلا ہمرہِ دریا ہوا
جوشِ وحشت میں روانہ جانبِ صحرا ہوا	..
۹- اس طرح سے پھرتا پھرتا میں تلاشِ یار میں	۹- اس طرح پھرتا پھراتا جستجوئے یار میں
سرد ہو کر گرا آخر یہاں گلزار میں	تھک کے آخر گر پڑا ہوں گوشۂ گلزار میں
۱۰- ہوں وہی قطرہ جو تھا اک دن محیطِ بیکراں	۱۰- ہوں وہی قطرہ جو تھا اک دن سمندر میں نہاں
ہوں وہی قطرہ جو تھا ہمراہِ دریائے رواں	..

ادبیات

غزل

جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے علیگ

ملی تھی نام کو اک زیست محروم سکون وہ بھی
سوا یا ہے کہ نذر عشوۂ قاتل کرون وہ بھی

ہر اک غم آفت جان ہے غم دنیا ہو دون وہ بھی
مگر ہے شرم عصیان کے مقابل مین سکون وہ بھی

یہ گردن دوش پہ ہے پرچم ملت ہے ہاتھون مین
وہ ہمت دے کہ یارب یہ بھی مین جھکنے نہ دون وہ بھی

غرض کیا تھی ترے طالب کو سیر دیر و کعبہ سے
کہ تھی خاکم بسر اک لغزش گام جنون وہ بھی

ہوئے سب معرکے طے اک مہم تفویض جان کی ہے
مرے مولا وہ ایمان دے کہ مین سر کر سکون وہ بھی

وہان مشق تغافل ہے یہان طعنے رقیبون کے
وفا کا ہے صلہ اچھا کہ مین یہ بھی سہون وہ بھی

ملامت قلب مومن کی شماتت حسن کافر کی
مرے کرتوت کا پھل ہے کہ مین یہ بھی سنون وہ بھی

یہ طعنے سن رہا ہون جان دے کر ان کے قدمون پہ
کہ تھی میری طرف سے ایک تدبیر سکون وہ بھی

وہ فردوس تصور، جو مراد دیدۂ و دل تھا
کھلی آنکھین تو نکلا ان نگاہون کا فسون وہ بھی

کسی سرکش کی گنجائش نہین اس بزم ہستی مین
فلک کو دیکھیے اس اوج پر ہے سرنگون وہ بھی

جنھین دعویٰ تھا صیادی کا عبرت گاہ عالم مین
ہوئے آخر قتیل ناوک چرخ حرون وہ بھی

وہ چشمک دیدۂ و دل کی یہ ٹکر موج و ساحل کی
انھین کا سحر ہے یہ بھی انھین کا تھا فسون وہ بھی

ترے قربانِ غمِ الفت کی وہ دولت عطا کر دی
لے کونین بھی اسکے عوض مین تو نہ لون وہ بھی

نگاہِ نازِ جانان کیا حقیقت اس دل و جان کی
لیےین سو جان و دل ایسے تو مین صدقے کرون وہ بھی

یہ حسن و عشق کیسے زیر و بم ہین ایک نغمے کے
جہان کیا کچھ نہین جز اک نوائے کا فسون وہ بھی

مین جامِ مرگ کو بھی جرعۂ آبِ بقا سمجھون
جو وقتِ واپسین پیشِ نگاہ شوق ہون وہ بھی

ڈراتا کیا ہے واعظ تابشِ خورشیدِ محشر سے
بہت ہوگا تو ہوگا ذرۂ سوزِ درون وہ بھی

دمِ رخصت نئے فتنے اٹھائے اس نے ٹھکرا کر
جو پہلے اٹھ چلے تھے ہو گئے سب جون کے تون وہ بھی

مرے نالون کا ظالم پر اثر ہوتا تو کیون ہوتا
ہے اس کی بزمِ عشرت مین صدائے ارغنون وہ بھی

خرد سے دل نے پوچھی راہ جب تکمیلِ مقصد کی
ہوئی صحرائے وحشت ہی کی جانب رہنمون وہ بھی

یہ سنکر اور غم تازہ ہوا اپنی تباہی کا
سنا ہے رو دیے سنکر مرا حالِ زبون وہ بھی

معاذ اللہ جنابِ شیخ اور الزامِ مے خواری
بس اک دو گھونٹ پی لی تھی بایمائے زبون وہ بھی

مرا کیا پوچھتے ہو حال کیا ہون مین کہان ہون مین
فدا ہون جسکے جلوون پر ہے بے چون و چگون وہ بھی

یہ مانا روح پرور ہے حریمِ صلح و مدارا کا
مگر ملتا نہین ہے بے عبورِ جوشِ خون وہ بھی

سہیل نکتہ دان کو ادعا تھا ہوشمندی کا
ہوا اس دور مین آوارۂ دشتِ جنون وہ بھی

مطبوعات جدیدہ

منصب امامت مترجمہ جناب حکیم محمد حسین صاحب علوی تقطیع اوسط، ضخامت ۱۵۲ صفحے،

کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۱۲؍ غیر مجلد ۹؍ پتہ: مترجم راوی روڈ، موہن پورہ، لاہور،

اسلام میں امامت سب سے بڑا دینی اور دنیاوی منصب ہے، جو دین وملت، حکومت و سیاست، تعلیم و تزکیہ اور اخلاق و روحانیت سب کا جامع ہے، اس کا سب سے بلند درجہ نبوت ہے، جس میں امامت کے سارے کمالات جمع ہوتے ہیں، اور انبیاء کے جانشینوں میں نبوت کے علاوہ دوسرے تمام اوصاف مجتمعاً یا منفرداً پائے جاتے ہیں، اس لیے امامت درحقیقت نبوت کی جانشینی اور اس کا عکس اور پرتو ہے، منصب امامت فارسی میں مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف ہے، اس میں امامت کی حقیقت اس کے اصلی سرچشمۂ نبوت کے اوصاف و کمالات اور امامت کے جملہ دینی و دنیاوی اقسام کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اور ان کے اوصاف وخصوصیات اور اس سے متعلق جملہ امور و مسائل پر دقیق و مشکل بحثیں ہیں، جن سے امامت کی حقیقی عظمت واہمیت ظاہر ہو جاتی ہے، ان مباحث کی قدر و قیمت کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، ایسی کتابوں کا صاف اور سلجھا ہوا ترجمہ بہت مشکل ہے، ترجمہ سے عموماً پورا مفہوم و مقصد ظاہر نہیں ہوتا، اس لیے ترجمہ کے بجائے ہر بحث کو پوری طرح سمجھ کر اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھ دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے، اس کتاب میں بھی ترجمہ کی پابندی کی وجہ سے یہ نقص رہ گیا ہے، کہ جا بجا مطلب سمجھنا مشکل ہے، بلکہ فارسی میں اس کا سمجھنا زیادہ آسان ہے، یہ کتاب پاکستان میں شائع ہوئی ہے، اور وہیں کے لیے کارآمد بھی ہو سکتی ہے، اب دنیائے اسلام میں کہیں بھی منصب امامت کا وجود باقی نہیں ہے،

ہندوستان میں لے دے کر ایک مسجد کی امامت رہ گئی ہے، اس کا بھی یہ حال ہے کہ عموماً ہر بستی یا محلہ کی مسجد کا امام وہان کا حقیر ترین انسان ہوتا ہے، حالانکہ اس کا سلسلہ بھی نبوت ہی کی جانشینی سے ملتا ہے، اسلیے امام صاحبِ علم و وجاہت شخص کو ہونا چاہیے، جو نمازیون کو تعلیم دے سکے اور ان کی غلطیون پر ٹوک سکے، جہان ایسے لوگ نہ مل سکین وہان کم سے کم کسی ممتاز آدمی کو امامت کا فرض انجام دینا چاہیے، اس سے شرمانا یا اس کو اپنے رتبہ سے فروتر سمجھکر محلے کے بیکسون اور جاہل اور کم مایہ لوگون کو امام بنانا امامت کی تحقیر ہے،

اسلامی اصولِ قانون اور نظریہ دستوری کا ارتقاء

مترتبہ جناب محمد حمید اللہ صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۔۔ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت تحریر نہیں،

پتہ:- احسان بک ڈپو رسالہ عبد اللہ، حیدر آباد، دکن،

ایک امریکن مستشرق پادری ڈی، بی میکڈانلڈ نے اسلامی الہیات، اس کے اصول قانون، اور دستوری ارتقاء پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی تھی، مذکورۂ بالا کتاب اس کے دو ابواب کا جو اسلامی اصول قانون اور دستوری ارتقاء پر ہین، اردو ترجمہ ہے، دستوری ارتقاء مین خلفائے راشدینؓ کے عہد سے لے کر خلافت عثمانیہ تک سلسلہ خلافت کی تمام حکومتون کے نظامون پر تبصرہ ہے، اور خلافت کے بارہ میں اہل سنت، خوارج، اثنا عشری، زیدی، اسمٰعیلی وغیرہ شیعی فرقون کے نقطہ نظر بیان کرنے کے بعد خلافتِ راشدہ، اموی، عباسی عثمانی اور فاطمی خلافتون کے زمانہ مین خلفاء کے انتخاب اور خلافت کے اصولون، اور اس کے دستور مین جن جن اسباب کی بنا پر جو جو تبدیلیان ہوئین اور ان کے جو نتائج نکلے ان سب کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

دوسرے حصہ یعنی اصول قانون یا فقہی قوانین کی ترقی مین عہد رسالت مین اسلامی قانون کے سرچشمہ اور آپ کے بعد اس کے ماخذون قرآن، حدیث، سنت، اجماع و قیاس کی وضاحت کرنے کے بعد اجماع و قیاس کے بارہ مین فقہاء و محدثین اور اصحاب رائے و اہل ظاہر کے اختلافات، روایت حدیث، کتب احادیث کی تدوین، ائمۂ اربعہ اور ان کے مذاہب کی پیدائش اور قانون سازی کے بارے مین ان کے

نقطہائے نظر کی تفصیل ہے، ان بحثوں میں فقہ و اصول فقہ کے متعلق بہت سے معلومات آگئے ہیں،
کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی تاریخ پر تو مصنف کی نظر ہے، اس لیے اسلامی دستور
حکومت کے ارتقا و تغیر کی تاریخ تو ایک حد تک صحیح بیان کی ہے، گو وہ بھی اغلاط سے یکسر خالی نہیں
ہے، لیکن فقہ کے تغیرات اور ارتقا کے اسباب و نتائج پر یا مصنف کی نظر نہیں ہے یا عمداً غلط
بیانوں سے کام لیا ہے، اور اس میں ایسی فاش غلطیاں اور تدلیسات ہیں کہ ان کی تاریخ کا
کا معمولی واقف کار بھی نہیں کر سکتا، مترجم نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ حاشیہ میں مصنف کی غلط بیانیوں
پر متنبہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن یہ کوشش دو چار مقاموں سے زیادہ نظر نہیں آتی وہ بھی محض
طالب علمانہ، حالانکہ اس باب کا کوئی صفحہ مشکل سے اغلاط سے خالی ہوگا، سرورق پر مترجم کا نام
نہیں ہے، کتاب کے آخر میں محمد حمید اللہ صاحب کا نام ہے، اگر یہ کوئی طالب علم ہیں تو چنداں
مضائقہ نہیں، لیکن اگر ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہیں، تو ان سے اس قسم کی فروگذاشت
کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

آبگینۂ شعر از بشیر النساء بیگم، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۲۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت
نفیس، قیمت مجلد چھ روپے، پتہ: سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدرآباد دکن،

مصنفہ دکن کی مشہور شاعرہ ہیں، آبگینۂ شعر ان کے کلام کا مجموعہ ہے، جو سات عنوانات
نذر رسالت، افکار و اذکار، حدیث دکن، خانوادۂ آصفی، متاز غزل، یادرفتگان اور متفرقات
کے ماتحت ۲۲۲ منظومات پر مشتمل ہے، گو مصنفہ کی شہرت دکن کے حدود تک محدود ہے،
ان کا کلام اپنے محاسن و خصوصیات کے لحاظ سے ہندوستان کی نسوانی دنیا سے اور
ممتاز حیثیت کا مستحق ہے، اور مذکورہ بالا مجموعے کی تمام نظمیں جذبات و خیالات کی پاکیزگی
زبان و بیان کی صفائی و سلاست ہر لحاظ سے قابل قدر ہیں،

تاریخ سندھ

مؤلفہ مولنا سید ابوظفر صاحب ندوی دسنوی سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

ہندوستان مین مسلمانون کا پہلا قافلہ سندھ مین اترا تھا، اور اُن کی پہلی حکومت یہین قائم ہوئی تھی اور وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہان حکمران رہے، آج بھی سندھ کے ررو دیوار سے اُن کے آثار نمایان ہین، لیکن اس کے باوجود اُردو مین اسلامی سندھ ی کوئی مفصل و محققانہ تاریخ موجود نہین تھی، دار المصنفین نے تاریخ ہندوستان کے سلسلہ ن یہ جامع و محققانہ تاریخ مرتب کرائی ہے، اس مین سندھ کا جغرافیہ، مسلمانون کے حملہ سے یشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافت راشدہ کے زمانہ سے ے کر آٹھوین صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتون کے ماتحت رہا، اُن کی پوری تاریخ ان تمام دورون کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات، اور رفاہ عام کے جو جو کام م پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے، مسلمان اس قدیم اسلامی خطہ کی تاریخ فراموش ے تھے، اب پھر اس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے، یہ کتاب ایسے وقت مین شائع ہے، جب کہ سندھ کی تاریخ کا ایک نیا باب کھل رہا ہے، اور وہان ایک نئی ت کی بنیادین استوار ہو رہی ہین،

ضخامت: ۴۰۰ صفحے   قیمت: چھ روپیے،

"منیجر"

دارالمصنفین کی دینی علمی و ادبی کتابیں

اقبال کامل

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابیں لکھی گئیں لیکن ان سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں اُن کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل کی گئی ہے اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری پھر فارسی شاعری پر ان کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن کے کلام کی تمام ادبی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں، پھر اُن کی شاعری کے اہم موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف (یعنی عورت) فنون لطیفہ اور نظام اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت: [illegible]

بزمِ تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہل قلم تھا، ہمایوں نے شعرو شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاپردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروسِ سخن کے گیسو سنوارے تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل مذکورۂ بالا کتاب میں ملاحظہ فرمائیے، مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے، قیمت: [illegible]

منیجر

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)

منیجر

جلد ۶۴ ماہ ذیحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۹ء عدد ۴

مضامین

مقالات

ادبیات

باب التقریظ والانتقاد

شذرات

بالآخر دستور ساز اسمبلی نے بھی دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو حکومت کی زبان قرار دیدیا اور اردو بلکہ ہندوستانی تک کو ثانوی زبان کی حیثیت بھی نہیں دی گئی اور ہندو رائے عامہ کے سامنے بڑی بڑی آزاد خیال اور حق پسند شخصیتوں کو بھی سپر ڈال دینا پڑی، اور ہندوستانی کی حمایت میں پنڈت جواہر لال نہرو اور مسلمانوں کے علاوہ ایک آواز بھی نہیں اٹھی، اردو زبان پر یہ ظلم تو غلامی کے زمانہ میں اجنبی اور غیر ملکی حکومت نے بھی نہ کیا تھا جو اس دور آزادی میں اپنی قومی و ملکی حکومت کے ہاتھوں ہوا، انگریزوں نے کسی ملکی زبان کو نہیں مٹایا بلکہ اُن کی سرپرستی کی خصوصاً اردو اور ہندی کی ترقی میں اُن کا بڑا حصہ ہے،

زبان بلکہ کلچر کشی کی ایسی مثال دنیا کے کسی ملک میں نہیں مل سکتی، یورپ کے بعض بعض ملکوں میں بہت سی چھوٹی چھوٹی زبانیں رائج ہیں، جن کے بولنے والے چند لاکھ سے زیادہ نہیں، اس کے باوجود وہاں کی حکومتیں، یا ان سب کی حیثیت مساوی مانتی ہیں، یا اگر ان میں سے ایک حکومت کی زبان مانی جاتی ہے تو دوسری زبانوں کو ثانوی درجہ ضرور دیا جاتا ہے، حکومت ان سب کی سرپرستی کرتی ہے، اور تعلیمگاہوں میں اُن کی تعلیمی اہمیت قائم رکھتی ہے، لیکن ہماری جمہوری حکومت میں اردو جیسی وسیع و ترقی یافتہ زبان کے لئے جس کے بولنے والے کروروں ہندو مسلمان ہیں کوئی گنجایش نہیں ہے، یہ ہیں آزادی اور جمہوریت کے کرشمے، یہ ایسی صریح زیادتی اور ناانصافی تھی کہ مولانا ابوالکلام جیسے عالی ظرف اور ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان کو بھی اس کے خلاف سخت احتجاج کرنا پڑا، اور اُن کی خاموش زبان سے بھی اُن کے مسلک کے خلاف تلخ لیکن سچی حقیقتیں نکل گئیں لیکن اب اُن کی بھی کون سنتا ہے ؎

رات کی بات گئی صبح کا افسانہ گیا،

اس سے بھی زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ صوبائی زبانوں کو جو حقوق ملے ہیں، اُن سے بھی اردو کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ ہندوستان کی اور سب زبانیں تو مسلّم ہیں یعنی ان کے بولنے والے

صوبے اور یہان کی حکومتین دونون اُن کو اپنی زبان مانتی ہین، اس لئے صوبائی حکومتون کا کاروبار اسی زبان مین ہوگا، صوبہ کی تعلیم گاہون مین اُن کی تعلیم لازمی ہوگی، ان کے ذریعہ حصول ملازمت مین سہولت ہوگی، اس لئے ان کے صوبون مین اُن کی پوری اہمیت قائم رہے گی، اس کے مقابلہ مین اردو کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کے بولنے والے صوبون دلّی، صوبہ متحدہ اور بہار کے ہندو اور یہان کی حکومتین بھی اس کو اپنی زبان نہین مانتین، اس لئے اب اس کا ٹھکانا کہان ہوگا، اس لئے صوبائی زبانون کو جو حقوق ملے ہین، اردو اُن سے بھی محروم رہے گی، بجز اس کے کہ مسلمان اس کو اپنی زبان کہتے رہین، لیکن اُن کی حیثیت ہی کیا رہ گئی ہے، اگر اس ملک اور یہان کی حکومت مین اُن کا کچھ حق بھی سمجھا جاتا، تو اردو اس طرح یہان سے نہ نکالی جاتی،

یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے، کہ ہندوستان کی تمام چھوٹی سی چھوٹی اور معمولی سے معمولی زبانون کا ایک وطن ہے، ان کو بولنے والی اور اپنی زبان کہنے والی ایک قوم ہے، اُن کی سرپرستی کرنے والی ایک حکومت ہے، لیکن اردو جیسی ہندوستان گیر زبان کا کوئی وطن نہین، اسکی سرپرست کوئی حکومت نہین اور دلّی، صوبہ متحدہ اور بہار کے ٹوٹے اور بچے ہوئے مسلمانون کے علاوہ کوئی اس کو اپنی زبان کہنے والا نہین، یہ ہے ہماری سکولر اسٹیٹ کا کارنامہ جس پر آپ کو فخر بھی ہے،

بہرحال جو کچھ ہونا تھا، وہ ہوچکا، اب اردو کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے حامیون خصوصاً مسلمانون پر ہے، موجودہ ذہنیت مین اردو ہندی سمجھوتے کی امید مین اردو کو ہندی سے قریب لانے کی کوشش بالکل بے کار ہے، اردو کی مخالفت کا جو مقصد اور اس کی دشمنی مین جو جذبہ کارفرما ہے، اس مین جب ہندوستانی بلکہ آسان ہندی تک کی گنجایش نہین ہے، تو اردو کا کیا سوال ہوسکتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ہندی کے نام سے جو زبان رائج کیجارہی ہے، وہ طبعی اسباب کی بنا پر نہ چل سکے، اور یقیناً نہ چلے گی، اس وقت یہ شدت قائم نہ رہیگی اور خود حالات ایک عام مشترک اور آسان زبان کے قبول کرنے پر مجبور کرین، اس کے علاوہ جب اردو ہندی دونون ایک ساتھ چلین گی، تو دونون ایک دوسرے سے لازمی متاثر ہون گی، اور جس طرح عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت، اور ہندوستان کی دوسری زبانون کے میل جول سے اردو بنی ہے، اسی طرح ہندی اور اردو کے میل سے بھی ایک تیسری زبان خود بنے گی، وہی اصلی ہندوستانی زبان ہوگی، اس لئے اردو ہندی کو اپنے اپنے راستے پر چلنے دینا چاہیے، اور نتائج کو فطرت کے حوالہ کردینا چاہیے،

اس وقت ہندوستان خصوصاً دہلی اور صوبہ متحدہ مین اردو کے کئی بڑے ادارے ہین جو اپنے اپنے دائرے مین اردو زبان کی مفید خدمت انجام دے رہے ہین، ان سب کا کام جاری رہنا چاہئے، لیکن اسی کے ساتھ اس وقت اردو کی بقا کے لئے اس کی تعلیمی ضرورتون کی جانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، ورنہ جب بنیاد ہی نہ ہوگی، تو عمارت کس پر کھڑی کیجائے گی، ان مین سے ایک کام سرکاری اسکولون مین اردو کی تعلیم کی نگرانی کا ہے، اس بارہ مین خواہ حکومت اپنے وعدون کو پورا نہ کرتی ہو، یا ماتحت حکام اس کے احکام پر عمل نہ کرتے ہون نتیجہ بہرحال یہ ہے کہ سرکاری تعلیم گاہون مین اردو کی کوئی پرسش نہین ہے، اور ہر مقام پر اور ہر شخص کے لئے متعلقہ حکام تک شکایت پہنچانا دشوار ہے، اگر دو چار شکایتین پہنچ بھی جائین تو اُن کی شنوائی مشکل ہے، اس لئے اس کی نگرانی کا کام اشخاص کے بجائے ادارون کو انجام دینا چاہئے گو موجودہ ذہنیت مین اُن کے ذریعہ بھی پوری کامیابی مشکل ہے تاہم اردو یکسر نظرانداز نہ کیجا سکے گی، اور اس کی کچھ نہ کچھ حیثیت باقی رہے گی،

دوسرا کام نصاب کی ترتیب کا ہے اس وقت دو قسم کے نصابون کی ضرورت ہے، ایک خالص اردو زبان کا نصاب جس کو ہر مذہب و ملت کے طالب علم پڑھ سکین، دوسرے مسلمان بچون کی ابتدائی تعلیم کا جو اسلامی مکاتب مین اور گھرون پر پڑھایا جا سکے، اس مین دینیات اور اسلامی تاریخ کے ساتھ وہ تمام فنون ہونے چاہئین جو پرائمری اسکولون مین پڑھائے جاتے ہین، تاکہ ثانوی اسکولون کے داخلہ مین دقت نہ ہو، اس سلسلہ مین اردو حروف اور اُن کے رسم الخط کی پیچیدگیون کو بھی حل کرنا ہے تاکہ بچے آسانی کے ساتھ اردو لکھنا پڑھنا سیکھ سکین، لیکن ان کامون کو صلاح و مشورہ کے بعد تقسیم کار کے اصول پر اشتراک عمل کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے، اس مین دار المصنفین کے متعلق جو خدمت کیجائے اس کو وہ بخوشی انجام دینے کے لئے تیار ہے،

یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ انجمن ترقی اردو ہند جس کا مرکز اس کی نشاۃ ثانیہ کے بعد علی گڈھ ہوگیا ہے اپنا کام جلد شروع کرنے والی ہے اور اس کا رسالہ بھی عنقریب نکلے گا، اور مرکزی حکومت نے انجمن کے لئے چالیس ہزار سالانہ کی امداد بھی منظور کی ہے، یہ اردو زبان کا خون بہا ہے، یہ بھی غنیمت ہے،

آفرین بر دلِ نرم تو کہ از بہرِ ثواب کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

یقین ہے کہ انجمن ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب اور قاضی عبد الغفار صاحب جیسے اصحاب علم و قلم کی نگرانی مین مرحوم انجمن کی جانشینی کا صحیح فرض انجام دے گی،

مقالات

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے

عمارتین

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۳)

ہندوستان مین اسلامی عمارات کی بنیاد اگرچہ مسلمان فاتحین کی آمد کے پہلے ہی دن سے پڑگئی تھی، اور سب سے پہلے ناصر الدین سبکتگین اور اس کے بعد سلطان محمود غزنوی نے تعمیر مساجد سے اس کا آغاز کیا تھا لیکن اس سلسلے کو سلطان علاء الدین خلجی نے جو ۶۹۵ھ مین تخت نشین ہوا تھا، بہت زیادہ وسعت اور ترقی دی، اور مسجدون کے علاوہ اور بھی نہایت کثرت سے مختلف قسم کی عمارتین بنوائین، چنانچہ تاریخ فرشتہ مین ہے،

"وآن قدر عمارت کہ در عہد او بنا یافت از مسجد و خانقاہ وحوض و منار وحصار در ہیچ عصرے بوقوع نیامدہ"[1]

سلطان علاء الدین کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے بھی اس معاملہ مین نہایت ناموری حاصل کی اور قلعہ تغلق آباد کے علاوہ اور بھی نہایت کثرت سے عمارتین بنوائین، مآثر رحیمی اور تاریخ فرشتہ مین ہے:-

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۱

"وبساختن عمارت رغبت تمام داشت، عمارت قلعہ تغلق آباد و دیگر بناہا فرمودہ، وبغایت عمارت دوست بود، وبیشتر اوقات او صرف عمارت شدے[۱]"

اس کے بعد فیروز شاہ نے نہایت کثرت سے مسجدیں بنوائیں اور سلاطین گذشتہ کی تعمیر کردہ عمارتوں کی مرمت اور اصلاح کروائی، چنانچہ خود لکھتا ہے :۔

"و مساجد بنا نہادم، و دیگر بقاع خیر پادشاہان ماضیہ را از مسجد و خانقاہ، و مدرسہ و چاہ و حوض و پل و مقبرہ کہ مندرس شدہ، در تجدید معمور ساختم، و اہل خدمت بر جمیع مساجد و مدارس و خوانق و حمام و چاہ معین ساختہ وظیفہ قرار دادم"

ان تمام عمارتوں کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں تاہم فرشتہ کو جو تعداد معلوم ہو سکی، وہ حسب ذیل ہے :۔

مسجد	۴۰	شفاخانہ	۵
مدرسہ	۳۰	مقبرہ	۱۰۰
خانقاہ	۲۰	حمام[۲]	۱۰
محل	۱۰۰		

جونپور کی مشہور مسجدیں اسی کی بنوائی ہوئی ہیں۔

فیروز شاہ کے بعد سلطان سکندر نے ۷۹۵ھ میں کشمیر میں ایک نہایت عالیشان مسجد بنوائی لیکن ایک مدت کے بعد یہ مسجد جل گئی، تو سلطان حسین نے اس کو از سر نو تعمیر کروانا شروع کیا لیکن اثنائے تعمیر ہی میں اس کا انتقال ہو گیا، تو اس کے وزیر ابراہیم باکرے نے ۹۰۹ھ میں تعمیر کے کام کو درجہ تکمیل تک پہنچایا، جہانگیر نے اس کی نسبت لکھا ہے :۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۰ و مآثر رحیمی جلد اول ص ۳۴۱

[۲] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۵۱

"الحق از حکام کشمیر اثرے بہتر ازین نماندہ"[1]

فرمانروایان کشمیر مین سلطان سکندر کے بعد اس سلسلہ مین سلطان زین العابدین نے نہایت ناموری حاصل کی، اور کشمیر مین نہایت کثرت سو عمارتین تعمیر کروائین، جو سلاطین تیموریہ کے زمانہ تک قائم تھین چنانچہ جہانگیر ایک موقع پر تزک مین لکھتا ہو :-

"آثار و علامات و عمارات او در کشمیر بسیار است"

ان مین سے جہانگیر نے ایک خاص عمارت کا تذکرہ کیا ہے، جو سلطان زین العابدین کے تعمیری کارنامون مین نہایت اہمیت رکھتی ہو وہ لکھتا ہے کہ "ان تمام عمارتون مین ایک عمارت جس کا نام زینہ لنکا ہے، اولر نامی تالاب کے اندر بنائی گئی ہے، اس تالاب کا عرض و طول تین کوس سے زیادہ ہو، اور اس کا چشمہ ایک گہرے دریا کے اندر ہے، اس عمارت کے بنانے مین اوس نے بڑی کوشش کی، اور پہلی بار کشتی مین بھر کر بہت سے پتھر منگوا کر اس مقام پر گروائے، جہان یہ عمارت تعمیر ہوئی ہے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا، اسی طرح پتھر سے لدی ہوئی کئی ہزار کشتیان ڈبوئی گئین، اور بڑی محنت کے بعد گیارہ سو گز کا ایک قطعۂ زمین پانی سے نکلا جس پر ایک چبوترہ بنایا گیا، اور اس چبوترہ کے ایک کنارہ پر اس نے ایک عمارت بنوائی جس مین وہ عبادت کیا کرتا تھا، کشمیر کے حکام مین سے تین شخصون نے اس چبوترے کے تین ضلعون پر عمارتین بنوائین، لیکن ان مین کوئی سلطان زین العابدین کی عمارت کا مضبوطی مین مقابلہ نہین کر سکتی"[2]

فرشتہ نے بھی کسی قدر اختلاف کے ساتھ اس عمارت کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس چبوترے پر باغ، مسجدین اور دوسرے مکانات بھی بنوائے گئے تھے، اور ان سب کے مجموعہ نے ایک ایسا دلکش منظر پیدا کر دیا تھا کہ فرشتہ کے الفاظ مین

"بدان نزاہت و لطافت و غرابت جائے کم خواہد بود، و فی الواقع عجوبۂ آن عمارت

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۳۰۲، [2] ایضاً ص ۳۰۶-۳۰۷۔

شاید کہ در کم جائے از عالم بودہ باشد"[1]

فرشتہ نے سلطان زین العابدین کی ایک اور عمارت کا ذکر کیا ہے، جو بارہ منزلہ تھی اور اس کی بعض منزلوں پر پچاس حجرے، ایوان اور جھروکے تھے، اور باوجود اس وسعت اور بلندی کے پوری عمارت لکڑی کی تھی،[2]

اس کے بعد سکندر لودی نے نہایت کثرت سے مسجدیں بنوائیں، اور اپنی سلطنت کی تمام مسجدوں میں قاری خطیب، اور جاروب کش مقرر کئے، اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں،[3]

اس کے بعد بابر ۹۳۲ھ میں تخت نشین ہوا تو جو مسجدیں اور خانقاہیں جنگ کے زمانہ میں ویران ہوکر غیر مسلموں کے بیلوں اور گھوڑوں کا استھان بن گئی تھیں، اُن کو نئے سرے سے تعمیر کروایا، اور ان میں موذن اور جاروب کش مقرر کئے، چنانچہ خافی خان ۹۳۲ھ کے واقعات کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

"و مساجد و خانقاہ کہ جائے پائے گاو اسپان و گاوان کافران گشتہ بود ہمہ را صاف و تعمیر نمودہ موذن و جاروب کش مقرر فرمود"[4]

اسی صدی میں سلطان ناصر الدین خلجی نے اس سلسلہ میں نہایت نام پیدا کیا، اور مالوہ میں اس کثرت سے عمارتیں تعمیر کروائیں، کہ مالوہ کے محاصل سے سترہ کروڑ روپئے جو اس کو ملے تھے، اس میں سے پانچ کروڑ روپیے تعمیرات میں صرف ہو گئے، صاحب مآثر رحیمی نے اس کے ایک محل کا جو باغ فیروز میں تعمیر ہوا تھا، ذکر کیا ہے اور لکھا ہے، کہ

"در باغ فیروزہ نعمے طرح انداخت کہ سیاحان ربع مسکون نشان نداوہ اند"[5]

جہانگیر نے بھی اس کی بعض عمارتیں دیکھی ہیں، اور تزک میں ان کا ذکر کیا ہے،[6]

---

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۳۲۵، ۳۴۳ [2] فرشتہ جلد دوم ص ۳۴۵ - [3] ایضاً جلد اول ص ۱۸۲، ۱۸۷، [4] خافی خان حصہ اول ص ۴۳، [5] مآثر رحیمی جلد اول ص ۱۶۱، [6] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۰،

قلعہ رہتاس بھی جس کی بنیاد شیر شاہ نے ڈالی تھی، اور سلیم شاہ نے اس کی تکمیل کی، اسی صدی کی یادگار ہے، جہانگیر نے اس قلعہ کو دیکھا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کے تمام دروازون پر تعمیر کا خرچ ایک پتھر پر کندہ ہے جس کی مجموعی تعداد سولہ کروڑ دو لاکھ دام یعنی ہندوستان کے حساب سے ۴۰ لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہے،[1]

ان سب کے بعد ۹۶۳ھ سے اکبر کا دور سلطنت شروع ہوا، اور اس دور کی تمدنی ترقیون نے ہندوستان قدیم کو بالکل بدل کر ایک نیا ہندوستان پیدا کر دیا، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے

"و رسیدن صاحب کمالان ایران و توران و روم درجرگہ جان نثاران این سلسلہ عالیہ داخل گردیدن و ہندوستان را زینت تغیر و تبدیل از وضع سابق دادن مخصوص عہد سلطنت عرش آشیانی بود"[2]

اور اس دور ترقی کا جو اثر عمارات وغیرہ پر پڑا، اُن کے متعلق خافی خان لکھتا ہے،

"در تمام سواد اعظم ہندوستان عمارات عالی و لباسہاے فاخرہ و منازل خوش و بساتین دلکش و دیگر ایجاد لذت زندگانی در عہد آن واضع آئین دولت و بانی نسق سلطنت[3] رواج گرفت"

لیکن اس تمدنی انقلاب کے زمانہ مین جو عمارتین تعمیر ہوئین، ان کی مختلف قسمین تھین،

۱- عام رعایا نے عمدہ پاکیزہ اور بلند عمارتین بنوائین،

۲- خود اکبر نے شاندار عمارتین تعمیر کروائین،

۳- امرا نے اس مین بادشاہ کی تقلید کی، اور عمدہ عمارتین تعمیر کروائین،

لیکن تاریخون مین پہلی قسم کی عمارتون کا کوئی ذکر نہین ہے، البتہ خود اکبر اور اس کے امراء نے جو عمارتین تعمیر کروائین، ان مین مشہور عمارتون کا ذکر مورخین نے کیا ہے، جن مین سب سے مشہور قلعہ آگرہ ہے جسکو سب سے پہلے سکندر لودھی نے پتھر اینٹ اور چونے کا تعمیر کرایا تھا، لیکن اکبر نے ۹۷۳ھ مین سنگ سرخ سے اس کی تعمیر

---

[1] تزک جہانگیر [2] خافی خان حصہ اول ص ۱۸۹ [3] ایضاً ص ۲۳۶،

کروائی، اس کے اندر سنگ مرمر کی ایک مسجد اور دوسری عمارتیں بنوائیں، اور ۹۸۰ھ میں ۴۰ لاکھ روپیے کے خرچ سے تیار ہو گیا[1] لیکن صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ یہ قلعہ آٹھ سال میں قاسم خان میر بحر کے اہتمام میں سات کروڑ تنکہ یعنی ۳۵ لاکھ روپیہ کے صرف سے تیار ہوا، اور ۹۷۲ھ میں دریائے جمنا کے کنارے شہر کے مشرقی جانب پہلے قلعہ کی جگہ جو بوسیدہ ہو گیا تھا، اس کی بنا ڈالی گئی، اس کی دیوار کا عرض ۳۰ گز اور بنیاد سے کنگرہ تک کی بلندی ساٹھ گز ہے، سنگِ سرخ کو تراش کر باہم اس طرح جوڑا ہے کہ اس کی درز میں ایک بال کی بھی گنجایش نہیں ہے، اسکی بنیاد ہر جگہ پانی کی تہ تک پہنچائی گئی ہے، اور مزید احتیاط کے لئے آہنین حلقے لگا کر پتھروں کو ایک دوسرے پر بٹھایا ہے[2]،

اکبر نے جب الٰہ آباد کو آباد کیا تو وہاں بھی دریائے گنگا و جمنا کے درمیان ایک نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کروایا[3]،

اکبری دور کی ایک اور مشہور یادگار فتحپور سیکری کی مسجد ہے،

جہانگیر نے تزک میں لکھا ہے:

"یکے از اعاظم آثار کہ در عہدِ دولت و زمانِ خلافت حضرت عرش آشیانی بظہور آمدہ این مسجد و روضہ است، مثل این مسجد در ہیچ بلادے نیست عمارتش ہمہ از سنگ در کمالِ صفا اساس نہادہ پنج لک روپیہ از خزانۂ عامرہ صرف شدہ[4]"

اس کے بعد اس کے تمام جزئیات کی تفصیل کی ہے،

مورخین نے اس دور کی انہی تین مشہور عمارتوں کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے، اُن کے علاوہ اکبر نے اور جو عمارتیں تعمیر کروائیں ہیں ان کا ذکر ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں اجمالاً کیا ہے، چنانچہ آئین عمارت میں لکھتا ہے :-

---

[1] خافی خان حصہ اول ص ۱۹۵، [2] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۹۳ [3] خلاصۃ التواریخ و خافی خان حصہ اول ص ۲۳۶، [4] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۶۴،

ازین رو گیتی خدیو پیوستہ عالی بنا ہا طرح فرماید۔

لاہور کے متعلق لکھا ہے،

چون چندگاہ پائے تخت شد والا کاخہا بر افراختہ آمد۔[۵۱]

اکبر کے علاوہ اس دور مین امرائے اکبری نے بھی متعدد عمارتین تعمیر کرائیں، چنانچہ اعتماد خان نے آگرہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر اعتماد پور کے نام سے ایک گاؤن آباد کیا، اور اس مین ایک تالاب، ایک عمارت اور اپنا مقبرہ بنوایا[۵۲] آج بھی یہ مقبرہ موجود ہے، اور اعتماد الدولہ کے نام سے مشہور ہے،

خداوند خان دکنی نے قصبہ روہنکھیرہ مین ایک مسجد بنوائی جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہو کہ باوجود امتداد زمانہ کے اب تک شکست و ریخت سے محفوظ ہے[۵۳]

یہ ایک عجیب بات ہو کہ اس دور مین بعض ہندو امراء نے بھی مسجدین بنوائین، چنانچہ راجہ بھگونت داس نے لاہور مین ایک جامع مسجد بنوائی جس مین اکثر لوگ نماز جمعہ پڑھتے تھے[۵۴]

شاہ قلی خان محرم نے نارنول مین توطن اختیار کیا، تو وہان بہت سی شاندار عمارتین بنوائین، اور ایک تالاب کھدوایا[۵۵]

صادق محمد خان ہروی نے دھولپور کو جو آگرہ سے ۲۰ کوس کے فاصلہ پر تھا وطن بنایا تو وہان ایک سرائے، ایک عمارت اور ایک شاندار مقبرہ بنوایا، اور آس پاس کے دیہات کو آباد کیا[۵۶]

اسلامی دور مین فن تعمیر کی ترقی نے کتبہ نویسی کا ایک مستقل فن پیدا کر دیا تھا، اور دور اکبری مین میر معصوم بھکری نے اس مین خاص نام پیدا کیا تھا، وہ نہایت خوشخط کتبہ نویس تھے، اور ہندوستان (طرف) سے لیکر تبریز و اصفہان کے راستون اور منزلون مین ہر جگہ مسجدون اور عمارتون کے پتھرون پر اپنے اشعا

---

۵۱ آئین اکبری جلد دوم ص ۱۶۵ ۵۲ مآثر الامراء جلد اول ص ۹۰ ۵۳ ایضاً جلد اول ص ۶۵۹ ۵۴ ایضاً جلد دوم ص ۱۳۱
۵۵ ایضاً ص ۶۰ ۵۶ ایضاً ص ۶۲۹

کندہ کئے تھے، قلعۂ آگرہ اور جامع مسجد فتحپور کے دروازے کے کتبے انہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، کتبہ نویسی کے ساتھ انھوں نے نیک کاموں کے لئے بہت سی عمارتیں بھی بنوائیں، بالخصوص شہر سکھر میں جوان کا مولد تھا، اس قسم کی بہ کثرت عمارتیں تعمیر کروئیں، پنجاب میں بھکر کے گرد جو دریا واقع تھا، اس میں ایک عمارت ستیا سر نامی بنوائی جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

"از نوادر روے زمین است، گنبد دریائی تاریخ آنست"[۱]

اسی زمانہ میں یوسف عادل شاہ نے بیجاپور میں قلعۂ ارک، عیدگاہ و قدیم اور گلبرگہ میں شیخ محمد سراج جنیدی کا روضہ اور اس کے منارے بنوائے[۲]

اس کے بعد جہانگیر کا دور حکومت شروع ہوا، جو اگرچہ تعمیری حیثیت سے کچھ زیادہ شہرت نہیں رکھتا، تاہم اس دور کی سب سے زیادہ مشہور عمارت سکندرہ یعنی اکبر کا مقبرہ ہے جس کو جہانگیر نے ۱۵ لاکھ کے صرف سے تعمیر کروایا تھا، اس کے علاوہ متفرق عمارتیں ہیں جو اُس نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں تعمیر کروائیں، مثلاً اجمیر میں ایک تالاب آناساگر نامی تھا، جہانگیر نے اُس کے کنارے متعدد عمارتیں بنوائی تھیں، اور شاہجہان نے اجمیر کے سفر میں انہی میں قیام کیا تھا[۳]

ایک سفر میں باباحسن ابدال کے پل اور اس کے پاس کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے نذر فدوی سے پانچ ہزار روپئے دیئے، اور حکم دیا کہ پل اور یہ عمارتیں نہایت مستحکم طور پر بنوائی جائیں[۴]

ایک بار سیر و شکار کے موقع پر خواجہ جہان کو حکم دیا کہ ایک ایسی عمارت تیار کروائے جو اس کے ٹھہرنے کے قابل ہو چنانچہ خواجہ جہان نے تین مہینے میں ایک عالی شان عمارت تعمیر کروادی جو جہانگیر کو نہایت پسند آئی[۵]

---

[۱] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۳۲۸ – [۲] بساتین السلاطین ص ۲۲-۲۳ – [۳] بادشاہ نامہ حصہ اول صفحہ ؛ [۴] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ، [۵] ایضاً ص ۹۳ –

جہانگیری دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانہ میں نئی عمارتوں کے ساتھ شاہانِ ماضیہ کی عمارتوں کی مرمت و اصلاح بھی ہوئی مثلاً مانڈو میں سلاطینِ غوریہ اور خلجیہ کے جو آثار باقی تھے، جہانگیر نے اُن کی مرمت کروائی، اور وہاں جانے سے پہلے عبدالکریم معموری کو حکم دیا کہ وہاں جاکر کچھ نئی عمارتیں بنوائے اور سلاطین ماضیہ کی عمارتوں کی مرمت کروائے[۵۱]، اس حکم کے مطابق اس نے چند روز میں بعض قدیم عمارتوں کی مرمت کرائی اور بعض مقامات پر نئی عمارتیں بنوائیں تقریباً تین لاکھ روپیہ صرف ہوا، اور نہایت دلکش عمارتیں تیار ہوئیں، چنانچہ خود جہانگیر لکھتا ہے،

"در ہیچ جا بدان نزاہت و لطافت عمارتے معلوم نیست، بایستے کہ این عمارت رفیع در شہر ہائے رفیع کہ قابلیت نزول اجلال می داشت، واقع می بود[۵۲]"

صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں،

"دوران سال درماندو بحکم بادشاہی عمارات دلکش ترتیب یافتہ نشیمنہائے سلاطینِ ماضیہ ترمیم پذیرفت[۵۳]"

گجرات میں کاکریہ ایک تال ہے جس کو سلطان احمد بانی شہر احمد آباد کے نواسے قطب الدین محمد نے بنایا تھا، اور اس تال کے درمیان ایک باغیچہ اور ایک عمارت تعمیر کروائی تھی، اور آمد و رفت کے لئے تال کے کنارے سے اس عمارت تک ایک پل بندھوایا تھا، چونکہ امتدادِ زمانہ سے یہ عمارت گر پڑی تھی، اس لئے جب جہانگیر احمد آباد کی طرف روانہ ہوا تو صفی خاں بخشی گجرات نے شاہی خزانہ سے اس کی مرمت کروائی اور ایک جدید عمارت جس کا رُخ تال کی طرف تھا تعمیر کروائی، اور ایک باغیچہ لگوایا[۵۴]

احمد آباد میں سلاطین گجرات نے جو عمارتیں بنوائی تھیں، چونکہ وہ بالکل ویران ہوگئی تھیں، اس لئے

---

[۵۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۱۳۰۔ [۵۲] ایضاً ص ۱۰۰۔ [۵۳] مآثر الامرا جلد دوم ص ۳۰۸۔ [۵۴] تزک جہانگیر مطبوعہ نولکشور ص ۲۱۰،

جہانگیر کے زمانہ میں مقرب خان نے اُن کو نئے سرے سے بنوایا، اور اس کے ساتھ دوسری ضروری عمارتیں بھی تعمیر کرائیں، چنانچہ جہانگیر تزک میں لکھتا ہے:

"منازل سلاطین گجرات کہ در درون بدر واقع بود درین پنجاہ شش سال خراب شدہ واثرے ازآنہا نماندہ غایتہ جمعے از بندہائے ما کہ بحکومت این ملک تعین بودند، عمارات ساختہ اند درین ولا کہ از ماندو متوجہ احمد آباد شدم مقرب خان منازل قدیم را از سرنو تعمیر نمودہ نشیمنہا و دیگر کہ ضروری بود مثل جھروکہ عام وخاص وغیرہ ترتیب داد"[1]

جہانگیر نے کشمیر کے راستوں اور منزلوں میں بھی بہت سے مکانات بنوائے تاکہ خیمہ وغیرہ کی ضرورت نہ ہو، چنانچہ تزک میں منزل نوراباد کے متعلق لکھتا ہے:

"از گھاٹ بھٹ تا کشمیر بدستوریکہ تا پیر پنجال در راہ منزل بہ منزل خانہا و نشیمنہا ساختہ اند درین راہ نیز اساس یافتہ و اصلا بخیمہ و سائر رخوت فراشخانہ احتیاج نیست"[2]

کشمیر میں ایک چشمہ آصف آباد تھا، جو مچھی بھون کے نام سے مشہور تھا، اس جگہ یمین الدولہ نے جہانگیر کے حکم سے بہت سی عمارتیں، حوض، نہر اور باغات تیار کرائے تھے، اور شاہجہان نے کشمیر کے سفر میں اسی جگہ قیام کیا تھا،[3] جہانگیر نے کشمیر کی رونق وآبادی بڑھانے کے لئے جو عمارتیں تعمیر کرائیں اس کا اندازہ بادشاہ نامہ کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے،

درزمان حضرت جنت مکانی کہ در اواخر سلطنت پنج مرتبہ تشریف فرمودند، چون توجہ والا مصروف تربیت این سرزمین نشاط آگین با فراختن عمارات و اصلاح درختان میوہ دار بہ پیوند دجز آن داشتند ازآنکہ بود بسیار بیش آمد"[4]

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۱۲ [2] ایضاً مطبوعہ نولکشور ص ۳۰۴ [3] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۵۰، [4] ایضاً ص ۵۵۔

جہانگیر کا یہی تعمیری ذوق ہے جو اس کو سلاطینِ ماضیہ کی عمارتوں کی سیر پر آمادہ کرتا ہے، اور وہ نہایت ژرف نگاہی سے اُن کو دیکھتا ہے، اور ان کے ایک ایک جزئیات کی تفصیل کرتا ہے، چنانچہ تزک میں اس نے اس قسم کی متعدد عمارتوں کا تذکرہ کیا ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے،

"مانڈو مدتوں اس ملک کے بادشاہوں کا پایہ تخت رہا ہے، اور گذشتہ بادشاہوں کے آثار و عمارات وہاں اب تک موجود ہیں اور ان کو اب تک کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے، میں ان بادشاہوں کی عمارت کی سیر کے لئے روانہ ہوا، اور پہلے مسجد جامع میں جو سلطان ہوشنگ غوری کی تعمیر کردہ ہے، آیا نہایت عمدہ عمارت ہے، اور تمام تر پتھر تراش کر بنائی گئی ہے، اور باوجود یکہ ایک سو اسی سال اس کی تعمیر پر گذر چکا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گویا آج ہی معمار نے اس کی تعمیر کا کام ختم کیا ہے، اس کے بعد میں حکام خلجیہ کے مقبرے میں آیا[1]"

اسی طرح گجرات میں جامع مسجد کے دیکھنے کے لئے گیا ہے، اور اس کے ایک ایک جزئیات کی تفصیل کی ہے اور لکھا ہے کہ

"این مسجد از آثار سلطان احمد بانی شہر احمد آباد است، و الحق این مسجد بناے ایست بغایت عالی[2]"

تیموری دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس دور سے ہندوستان میں ایک جدید طرز تعمیر کا رواج ہوا، اور وسیع اور پر فضا عمارتیں تعمیر ہوئیں، جہانگیر اگرچہ ہندوستان کا دلدادہ ہے، اور یہاں کی بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے تاہم اس کو ہندوانہ طرز کی تنگ و تاریک عمارتیں پسند نہیں، بلکہ وہ عمارات میں وسعت اور فضائیت تلاش کرتا ہے، چنانچہ تزک میں ایک موقع پر لکھتا ہے،

"چون منازل و عمارات درونِ حصار بروشِ ہندوان اساس یافتہ و فضا ندا بے ہوا

---

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۱۸۱، [2] ایضاً ص ۲۱۲-۲۱۳،

وکم فضا ساختہ اند دلنشین نیفتاد و خاطر نیز بتوقف راضی نشد، حمامے بنظر درآمدہ کہ یکے از نوکران
رستم خان متصل بحصار قلعہ ساختہ باغچہ و نشیمنے مشرف بہ صحرا خالی از فضائے و ہوائے نیست[۵۱]

جہانگیر کے زمانہ مین امرار اور وابستگان دولت نے بھی بہت سی عمارتین بنوائین، چنانچہ ہلال نامی خواجہ سرانے جو ابتدا مین جہانگیر کا میر تزک تھا، قصبہ رنگتہ مین جو آگرہ سے ۶ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے، (یہ قصبہ اس کی جاگیر مین تھا) ایک چھوٹا سا قلعہ تعمیر کیا، اور ایک پختہ سرائے بنوائی، اور اس کا نام ہلال آباد رکھا، اس نے آگرہ مین دار دروازہ کی جانب بھی ایک بلند اور عمدہ عمارت بنوائی[۵۲]

امرائے جہانگیری و اکبری مین شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری نے جو نہایت فیاض تھے،

۱- احمد آباد مین ایک محلہ آباد کیا جس کا نام بخارا تھا،

۲- شاہ وجیہ الدین گجراتی کا روضہ اور مسجد تعمیر کیا،

۳- دلی مین فرید آباد کو آباد کیا، اور اس مین تالاب اور عمارتین اپنی یادگار چھوڑین

۴- لاہور مین ایک محلہ آباد کیا،

۵- لاہور کے چوک مین ایک بڑا حمام بنوایا[۵۳]

اس عہد مین ملک عنبر نے موضع کھرکی مین جو دولت آباد یعنی اورنگ آباد سے پانچ کوس کے فاصلہ پر واقع تھا، تالاب، باغ اور بہت سی بلند عمارتین تعمیر کرائین، اور اس طرح اس کی آبادی مین غیر معمولی اضافہ ہوگیا[۵۴]

جہانگیر کے بعد شاہجہان کا دور حکومت شروع ہوا، جو تعمیری حیثیت سے خاص طور پر امتیاز رکھتا ہے، اس دور مین جو عمارتین تعمیر ہوئین، ان مین تاج محل جو شاہجہان کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم

---

۵۱ تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۵۴ ۵۲ مآثر الامراء حصہ دوم ص ۴۰۷ ۵۳ ایضاً جلد دوم صفحہ ۶۳۹،
۵۴ ایضاً حصہ سوم ص ۹۔

الخاطب بہ ممتاز محل کا مقبرہ ہے نہایت مشہور ہے، ممتاز محل نے ۱۰۴۰ھ میں بہ مقام برہان پور انتقال کیا تھا، اور اُن کی لاش وہین باغ زین آباد مین بطور امانت کے دفن کی گئی تھی، اس کے ۶ مہینے کے بعد شاہزادہ محمد شجاع وزیر خان اور ستی خانم صدر النسا اس کو اکبر آباد مین لائے، اور دریائے جمنا کے جنوبی کنارہ پر دفن کیا، اور وہین یہ مقبرہ مکرمت خان کے اہتمام مین ۱۲ سال کی مدت مین پچاس لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر کیا گیا، اور حویلی اکبر آباد اور پرگنہ نگر چند کے ۳۰ گانون جن کی مالگذاری ایک لاکھ روپیہ تھی، اور مقبرہ کے آس پاس کی دوکانین اور عمارتین جن کا کرایہ دو لاکھ تھا، اس کے مصارف کے لئے وقف کئے گئے،[۱۰]

شاہجہانی عہد کی مشہور عمارتون مین دوسرا درجہ قلعہ شاہجہان آباد کا ہے، جو ساٹھ لاکھ روپیہ کے صرف سے آٹھ سال کی مدت مین تیار ہوا، تعمیر کا کام پہلے غیرت خان کے اہتمام مین شروع ہوا، پھر الہ وردی خان کی دارو غگی مین اس کی تعمیر ہوئی، اور مکرمت خان کے اہتمام مین تکمیل کو پہنچا،[۱۱]

اس قلعہ و شہر کی فصیل کی تیاری کے بعد قلعہ کے متصل شاہجہان نے ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کا حکم دیا، جس کی نظیر ابتدائے اسلام سے ہندوستان مین موجود نہ تھی، یہ مسجد دس لاکھ روپیہ کے صرف سے ۶ سال کی مدت مین تین چار امرا یعنی خلیل اللہ خان جعفر خان، سعد اللہ خان اور روح اللہ خان کے اہتمام میں تعمیر ہوئی،

ع "قبلۂ حاجات آمد مسجد شاہ جہان"

اس کی تکمیل کی تاریخ ہے،[۱۲]

اس قسم کی دوسری مسجد آگرہ کی جامع مسجد ہے، جو قلعہ اکبر آباد کے متصل ۳ لاکھ روپیہ کے صرف سے سات سال کی مدت میں سنگ سُرخ سے تعمیر کی گئی،[۱۳]

شاہجہان نے خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کے روضہ کی زیارت کی تو روضے کے مغربی جانب ایک

---

[۱۰] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۰۰، وخافی خان حصہ اول ص ۵۹۶ [۱۱] خافی خان حصہ اول ص ۶۸۱، [۱۲] ایضاً حصہ اول ص ۵۷۴، [۱۳] ایضاً صفحہ ۷۲،

نہایت عمدہ مسجد سنگ مرمر کی بنوائی،[1]

اکبر کے زمانہ سے لیکر جہانگیر کے زمانہ تک قلعہ اکبر آباد کے جھروکہ دولت خانہ خاص وعام کے سامنے کوئی ایسا ایوان نہ تھا، کہ اس مین تمام متوسلین سلطنت بیٹھکر بارش اور دھوپ سے محفوظ رہ سکین، بلکہ اس کے لئے کپڑے کا ایک ایوان کھڑا کر دیتے تھے، اور اسی مین تمام متوسلین سلطنت بیٹھتے تھے، لیکن شاہجہان کے حکم سے اس کے سامنے ۷۰ گز کا لمبا اور ۲۲ گز کا چوڑا ایک ایوان ۴۰ دن کی مدت مین تیار ہوا، اور اس کے تین طرف چاندی کے کٹھرے بنوائے گئے، اور ان مین تمام متوسلین سلطنت کیلئے جیسا کہ بادشاہ نامہ مین بہ تفصیل مذکور ہے، حسب مراتب جگہین مقرر کی گئین، طالب کلیم نے یہ رباعی اسی ایوان کے وصف مین لکھی ہے،

این تازہ بنا کہ عرش ہمسایہ اوست | رفعت حرفے ز رتبت پایۂ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبزش سروست | کا سایش خاص وعام در سایۂ اوست

شاہجہان نے اسی قسم کا ایک ایوان دار السلطنت لاہور اور برہان پور[2] مین بھی جھروکہ دولت خانہ خاص وعام کے سامنے بنوایا، اور عمارت شاہ برج کی تکمیل کرائی، جس کے تفصیلی حالات بادشاہ نامہ مین مذکور ہین، اور ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مین ہر قسم کے نقش و نگار کے ساتھ مختلف شہرون اور اُن کے باغون کی تصویرین بھی بنی ہوئی تھین،[3]

لاہور مین دولت خانہ خاص اور آرام گاہ دولت خانہ عالی کی جو عمارتین جہانگیر نے تعمیر کروائی تھین چونکہ وہ شاہجہان کو پسند نہ تھین، اس لئے زمانۂ سفر کشمیر مین اُن کی جگہ نئی عمارتین بنوائین، اور ان کا نقشہ تیار کرکے وزیر خان اور عمارات شاہی کے دوسرے عہدیدارون کے سپرد کیا، اور حکم دیا کہ کشمیر کی واپسی کے زمانہ تک تمام عمارتین مکمل ہو جائین،[4] کشمیر مین ایک موضع کا نام دہ اچول تھا، جہان جہانگیر نے دولت خانہ

---

[1] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۰۰، [2] خافی خان حصہ اول ص ۴۰۴،

[3] بادشاہ نامہ حصہ اول ۲۲۲ - تا ۲۲۵ [4] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۱۲، ۱۳

خاص تعمیر کروایا تھا لیکن یہ عمارت پرانی ہوگئی تھی، اور اس کا نقشہ بھی شاہجہان کے پسند کے موافق نہ تھا، اس لئے اثنائے سفر کشمیر مین حکم دیا کہ خاص شاہی قیام کے لئے دوسری عمارتین جن مین آبشار اور حوض ہون تعمیر کرائی جائین، اور اُن کے علاوہ دولت خانہ خاص وعام بھی تعمیر ہو، چنانچہ اس جگہ پہلے سے بہتر عمارتین تعمیر ہوگئین،[1]

شاہان تیموریہ کو شکار کا نہایت شوق تھا، اور اس غرض سے خاص خاص مقامات شکار کے لئے مخصوص کرلئے گئے تھے، اور وہان کئی کئی دن قیام ہوتا تھا، اس لئے ان شکارگاہون مین قیام کرنے کے لئے لازمی طور پر عمارتین تعمیر کروانی پڑتی تھین، دارالسلطنت لاہور کے اطراف مین ایک شکارگاہ تھی جس کا اصلی نام جہانگیرآباد تھا لیکن ہرن منارہ کے نام سے مشہور تھی، جہانگیر نے اپنے عہد حکومت مین اس جگہ ایک عمارت تعمیر کروائی تھی لیکن وہ شاہجہان کو پسند نہ آئی، اس لئے حکم دیا کہ اس جگہ دوسری عمارت تعمیر کروائی جائے، چنانچہ ایک سال مین اسی ہزار روپیہ کے صرف سے نہایت عمدہ عمارت تیار ہوگئی،[2]

دارالسلطنت اکبرآباد کے پاس ایک اور شکارگاہ باری نامی تھی جس کے تالاب کے کنارے دو سال کی مدت مین ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کے صرف سے شاہجہان نے عمارتین تعمیر کروائی تھین چونکہ یہ عمارتین سنگ سرخ سے تعمیر ہوئی تھین، اس لئے ایک شکار کے سفر مین شاہجہان نے ان مین قیام کیا تو ان کا نام لال محل رکھا،[3]

اودے پور مین رانا اودے سنگھ نے پہاڑ کے اوپر اور تالاب بجولہ اور تالاب اودے ساگر کے درمیان جو عمارتین تعمیر کرائی تھین، چونکہ وہ بالکل ہندوون کے طرز تعمیر کے مطابق تیار ہوئی تھین، اس لئے وہ شاہجہان کو پسند نہ تھین، اس کے ساتھ بعض لڑائیون مین ویران بھی ہوگئی تھین، اس لئے شاہجہان کے

---

[1] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۵۱ [2] ایضاً ص ۱۴ [3] ایضاً ص ۲۳

حکم سے ان کھنڈروں کی جگہ تیموری طرزِ تعمیر کے مطابق نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں، اور پہاڑ کے اوپر بھی تال کے سامنے عمدہ عمارتیں بنوائی گئیں، اور امرار و متوسلین نے بھی دولت خانہ کے اردگرد بلند عمارتیں بنوائیں[1] اور اس طرح گویا ایک پورا شہر جدید طرزِ تعمیر کے مطابق آباد ہو گیا،

اس دور میں ایرانی طرزِ تعمیر کے مطابق پشاور میں جو عمارتیں تیار ہوئی تھیں، وہ اگرچہ اثنائے سفر کابل میں شاہجہان کو پسند نہ آئیں لیکن علی مردان خان نے اصفہانی طرزِ تعمیر کے مطابق بازار میں جو مسقف راستے بنوائے تھے، اور بازار کے چاروں طرف کوٹھن بغدادی کے طریقہ پر آراستہ کیا تھا، وہ اس کو نہایت پسند آئے اس لئے ان کو دیکھا تو حکم دیا کہ اس کا نقشہ مکرمت خان ناظم دہلی کے پاس جس کے اہتمام میں شاہجہان آباد کا نو تعمیر قلعہ میں رہا تھا، روانہ کیا جائے[2]،

شاہجہانی عہد میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، اُن کے مصارف کی تعداد ہمارے مورخین نے ڈھائی کروڑ بتائی ہے، اور ان کی تقسیم اس طرح کی ہے،

تاج گنج	۵۰ لاکھ
آگرہ کی دوسری عمارتیں	۵۲ لاکھ
قلعہ شاہجہان آباد	۵۰ لاکھ
جامع مسجد دہلی	۱۰ لاکھ
عمارات و باغاتِ لاہور	۵۰ لاکھ
عماراتِ کابل	۱۲ لاکھ
کشمیر کی سیرگاہیں	۸ لاکھ
قندھار کی عمارتیں	۸ لاکھ

---

[1] عمل صالح جلد اوّل ص ۴، [2] خافی خان حصہ اوّل ص ۶۰۰

احمد آباد اور اجمیر وغیرہ کی عمارتیں[1] ۱۰ لاکھ

بادشاہ نامہ کے مصنف نے اگرچہ مجموعی تعداد یہی رکھی ہے، لیکن تقسیم میں کسی قدر اختلاف کیا ہے، اوس کی تصریح کے مطابق اس کی تقسیم یہ ہے:

عماراتِ آگرہ	ایک کرور دس لاکھ	اس میں سے ساٹھ لاکھ روپئے، اندرونِ قلعہ کی مسجد پر جو سنگ مرمر کی ہے، اور دولت خانہ اور دوسری عمارتوں اور باغوں پر صرف ہوئے اور پچاس لاکھ تاج محل پر،
عماراتِ شاہجہان آباد	پچاس لاکھ	جامع مسجد کی تعمیر کے مصارف اس سے الگ ہیں،
عمارات و باغاتِ لاہور	"	
عماراتِ کابل	۱۲ - لاکھ	
عماراتِ کشمیر	۸ - لاکھ	
حصار قندھار و بست زمینداور	۸ - لاکھ	
عماراتِ اجمیر و احمد آباد،[2]	۱۲ - لاکھ	

لیکن اکثر یورپین مورخ اور یورپین سیاح اس تعداد کو صحیح نہیں سمجھتے اور سلاطین تیموریہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے معماروں اور مزدوروں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا، اور ان سے بطور بیگار کے کام لیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں غلہ کی ارزانی کی وجہ سے معماروں اور مزدوروں کی شرح اجرت بہت

---

[1] مآثر الامراء جلد دوم ص[illegible] [2] بادشاہ نامہ حصہ دوم صفحہ ۱۲[illegible]،

کم تھی، اور غالبًا تاریخون اور کتبون مین صرف معمارون اور مزدورون اور مصالح کے اخراجات کی تعداد دی
ان کے علاوہ جو مصارف تھے وہ ان سے الگ ہین، مثلًا تعمیرات کے اسٹاف یعنی اعلیٰ عہدہ دارون کی تنخوا
اس سے الگ ہے، پتھر شاہی کانون سے لائے جاتے تھے، لکڑی بھی شاہی جنگلون سے آتی تھی، طور او جو
کا بار خزانہ عامرہ پر تھا لیکن بہرحال اگر مصارف کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو اس کو تسلیم کر لینے مین ہمارا کوئی
ہرج نہین بلکہ اس سے سلاطین تیموریہ کی بلند حوصلگی اور فیاضی کا مزید ثبوت ملتا ہے،

(باقی)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ

چراغ دہلی

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب، ایم - اے

نام و نسب | اسم مبارک محمود، نصیر الدین محمود گنج اور چراغِ دہلی القاب تھے، آپکے جدِ بزرگوار شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے، حضرت نصیر الدین محمود کے والد بزرگوار شیخ محمود یحییٰ اسی شہر میں پیدا ہوئے، اور سنِ شعور میں اودھ منتقل ہو گئے تھے[1] یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے، جس میں اُن کو بڑا فروغ حاصل ہوا، ان کے پاس بہت سے غلام تھے،[2]

حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت باسعادت اسی خطہ میں ہوئی، بعض تذکرہ نگاروں نے مقامِ پیدائش اجودھیا، اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے، اسی لئے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے، خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ نسباً سادات حسنی میں سے تھے،[3]

ابتدائی تعلیم | نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تعلیم و تربیت کا فرض والدۂ ماجدہ نے انجام دیا، اُن کے زہد و تقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے، جو کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی تھی، خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب بزودی قاضی محی الدین کاشانی سے

---

[1] سیر العارفین ص ۸۰، [2] سیر الاولیا ص ۲۳۰، [3] خزینۃ الاصفیا ص ۳۵۳،

پڑھی[۱۱]، لیکن سیر العارفین میں ہے کہ ابتدا میں "مولانا عبدالکریم شیروانی علامۂ زمان سے ہدایہ اصول بزدوی کو پڑھا، بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کئے" (جلد ۲ ص ۸۰)

ترک و تجرید | پچیس سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار فرمائی، اور مجاہدۂ نفس میں مشغول ہوئے، گرد و نواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے، اس صحرا نوردی میں بھی نماز با جماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے، برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے،

بیعت | سیر العارفین اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ ۴۳ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی قیام گاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بالاخانہ سے نیچے اتر رہے تھے، کہ شیخ محمود پر اُن کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بلا کر دل کی کیفیت پوچھی، عرض کیا درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں، اس جواب سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے شیخ محمود میں سچی طلب محسوس کر کے اُن کی جانب توجہ فرمائی، اثنائے گفتگو میں فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا، تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا تمہارا یہ کیا حال ہے؟ اگر تم اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی

---

[۱۱] مجلس چہل و ششم میں ہے، (اردو ترجمہ ص ۱۰۹)

"جناب خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ بالخیر قاضی محی الدین کاشانی کے ذکر میں تھے، فرمایا میں نے بزدوی انہی سے پڑھی ہے، پھر ان کے طبع رسا اور وقت نظر کا بیان کیا کہ بڑے محقق تھے، اس مجلس میں ایک مرید جناب سلطان المشائخ کا حاضر تھا، اس نے یہ قصہ بیان کیا، کہ ایک بار قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہوئے کہ یاروں نے ان کی صحت دشوار جانی، حضرت سلطان الاولیا سُن کر اُن کی عیادت کو تشریف لائے وہ دیکھ کر اٹھے اور اپنے آپ کو سنبھال کر شیخ کی تعظیم کی، اسی وقت سے مرض میں تخفیف ہو گئی، جب حضرت شیخ لوٹ گئے تو کہا شیخ بظاہر میری عیادت کو آئے تھے، مگر دیکھو کس طرح در پردہ سلب مرض کر گئے،

تمھین فارغ البالی ہوجاتی،مین نے اس کا کوئی جواب نہین دیا، اور مرشد کی خدمت مین حاضر ہوا،آپ نے دیکھ کر فرمایا نظام الدین! اگر تمھارا کوئی دوست تمھارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہو؟ تعلیم دینے سے تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی، اس کو کیون ترک کردیا، تو اس کا کیا جواب دوگے، مین نے عرض کیا جوارشاد ہو، فرمایا یہ شعر جواب مین پڑھ دینا،

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو

ترا سعادتے باد و مرا نگون ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے کہا اس کو سر پر رکھ کر جہان تمھارا دوست ہے وہان لیجاؤ، مین نے ایسا ہی کیا، دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا تحقین یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو،[1]

حضرت شیخ محمود نے یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی زبانی سُنا تو دل مین عشقِ الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہوگئی، اور بیعت کے بعد بڑی دل سوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرتے رہے، اسی لئے تمام درویش اُن کو نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے اور بہت محبوب رکھتے تھے،[2]

حضرت نصیر الدین محمود کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی، اس کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ مین حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گازرونی آکر مقیم ہوئے، وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تو جماعت خانہ مین کپڑے رکھ کر وضو کرنے گئے، واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے، اُن کی تلاش مین شور و شغب کرنے لگے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود خانقاہ کے ایک گوشہ مین عبادت مین مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس شور و شغب سے مرشد کی عبادت مین خلل پڑے گا، اس لئے خواجہ محمد گازرونی کے پاس پہنچے اور اپنے کپڑے اتار کر ان کو دیدیئے،صبح کو

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۲۳۰،۲۴۰، [2] سیر العارفین جلد ۲ ص ۲۰،

جب یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی کو معلوم ہوا تو حضرت نصیر الدین محمود کو بالاخانہ پر طلب کرکے اپنی خاص پوشاک عطا کی، اور اُن کے لئے دعاے خیر کی[1]

ریاضت | بیعت کے بعد مرشد کی ہدایت کے بموجب ریاضت و مجاہدہ کا سلسلہ جاری رکھا، دس دس روز گذر جاتے اور کچھ نہ تناول فرماتے، اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتے،[2]

سیر العارفین میں ہے کہ کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس چلے گئے،[3] لیکن یہاں خلق اللہ کے ہجوم سے یادِ الٰہی میں سکون میسر نہیں ہوتا، اس لئے حضرت امیر خسرو کے ذریعہ مرشد کی خدمت میں عرض حال کرکے جنگل میں جاکر عبادت کرنے کی اجازت مانگی، حکم ملا کہ وہ خلق کے درمیان ہی میں رہیں، اور خلق کی جفاؤں کو برداشت کریں، اس ایثار کا بدلہ ان کو ملے گا، اسی سلسلہ میں حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مختلف افراد مختلف کاموں کے لئے موزوں ہوتے ہیں، اسی لئے میں کسی سے تو یہ کہتا ہوں کہ اپنے لب کو بھی بند رکھے، اور اپنے دروازے کو بھی، کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مریدوں کی تعداد بڑھائے، اور کسی کو یہ حکم دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہے، اور اُن کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہوئے اُن سے حُسن سلوک سے پیش آئے، یہی مقام انبیاء و اولیا ہے،[4]

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی، اور آبادی میں رہ کر عبادت و ریاضت کو جاری رکھا، ملفوظات خیر المجالس (مرتبہ حمید شاعر معروف بہ قلندر) میں ہے :

---

[1] سیر الاولیا ص ۲۳۶، بعض تذکروں میں یہ روایت کسی اور موقع پر درج ہے، لیکن سیر الاولیا میں یہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے "در ابتداے بہ نظرِ خاص سلطان المشائخ ملحوظ گشتہ بود......" اور روایتوں میں بھی کہیں کہیں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے، اگر عاجز راقم ..... سے بھی روایتوں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو تو ناظرین سے معذرت کا خواہاں ہے [2] سیر الاولیا ص ۲۴۱، اخبار الاخیار ص ۸۰، [3] سیر العارفین ص ۸۶

[4] سیر الاولیا ص ۲۳۸،

"سالہا سال مجکو یہ آرزو رہی کہ ایک تہبند وکرتہ پہن کر کلاہ سر پر رکھ کر کوہ و بیابان یا کسی مسجد و مزار مین جا بیٹھون، پھر شہر کو یاد کرکے فرمایا کہ وہان بہت حظیرے دلپسند ہین، وہان مجکو خلوت سے بہت راحت و تسکین ہوتی تھی، ان دنون وہ مزار اور حظیرے نہین رہے، سنتا ہون کہ وہ سب مقامات دلکش خراب و برباد ہوگئے ہین، پھر فرمایا کہ خواجہ محمود والد معین الدین جو بھانجا مولانا کمال الدین کا ہے، میرے ہمراہ ہوا کرتا، ہمیشہ نماز صبح مسجد مین پڑھ کر ہم نکلتے اور وظیفہ پڑھتے جاتے، راہ مین جب کسی مزار پر پہنچتے، تو مین محمود سے کہتا اب تم جا ہو مکان جاؤ، جا ہو کسی اور مزار پر تنہا مشغول ہو، وہ میرا کہنا قبول کرکے جدا کسی مزار پر ظہر تک جاکر مشغول ہو جاتا، پھر ہم نماز کے وقت طہارت کو نکلتے، اذان کہتے، دس بارہ درویش اپنے مقام مشغولی سے آکر جمع ہو جاتے، نماز باجماعت پڑھتے، اور مجکو امام بناتے، پھر باقی روز ذکر و شغل مین گذرتا، یہان تک کہ نماز مغرب و عشا زمین صحرا مین ہوتی، پھر وظیفہ پڑھتے ہوئے گھر آتے، اور جب جنگل مین دن کو قیلولہ کرتے، تو گرد چند درختون کے رستی گھیر دیتے اور درمیان مین سو رہتے، نہ درندے کا ڈر ہوتا، نہ چور کا، کہ بدھنا یا جوتا لیجائیگا، شب کو گھرون مین ایک جگہ مقرر تھی، وہان مشغول رہتے، اسی راحت و آرام مین چند سال گذر گئے، جناب خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کا ذکر بڑے ذوق و شوق سے بیان فرماتے تھے، پھر کہا کہ اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا کہ تو مخلوق کے درمیان رہنا، جفا و قفائے خلق گوارا کرنا"، تو کہان مین تھا، اور کہان یہ شہر، کسی کوہ و بیابان مین روپوش رہتا، مین نے عرض کی کہ حق وہی ہے جو حضور ارشاد فرماتے ہین، مگر آپ کو یہان رہنے کی تاکید اس واسطے فرمایا کہ ہم لوگ سعادت حاصل کرین"[1]

---

[1] دیکھو مجلس پنجاہ و خیر المجالس کا اردو ترجمہ سراج المجالس کے نام سے مولانا احمد علی صاحب ٹونکی نے کیا ہے

حضرت شیخ نصیر الدینؒ مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً وطن سے دہلی آتے رہتے تھے، یہان ہر جگہ اُن کی بڑی پذیرائی ہوتی، یاران طریقت جس لطف و کرم سے ان کے ساتھ پیش آتے، اس کو اپنی زندگی کے آخری ایام مین بڑے ذوق و لذت سے یاد فرماتے ہین،

"جب مین اودھ سے آیا کرتا، تو اکثر یار میری دعوت کیا کرتے، مولانا برہان الدین غریب طاب ثراہ اور امیر خسرو اور امیر حسن وغیرہ احباب جب میرا آنا سنتے، تو دعا گوکی چند روز تک متواتر دعوت کیا کرتے، اور شیخ سے استدعا کرتے کہ فلانے کو اجازت دعوت کھانے کی ہو، اور ایک دن پہلے مجھ سے کہدیتے کہ کل ہمارے یہان دعوت ہو کہ اگر اسی دن غیاث پور سے شہر کو جاؤن تو تھک جاؤن تو اس روز مولانا برہان الدین کے گھر مین رہا کرتا، دوسرے دن اُن کے ہمراہ جاتا اور دعوت ظہر تک ہوا کرتی، کبھی عصر تک بھی رہنا ہوتا، جب لوٹتا تو بے وقت ہوجاتا تھا، غیاث پور تک پہنچا نہ ہوتا، اس رات بھی مولانا برہان الدین کے گھر مین رہنا ہوتا، کبھی تیسرے دن بھی صبح کو کوئی یار آجاتا، اور کہتا ذرا توقف کرو ناشتہ لاتا ہون، غرض چاشت تک ٹھہرنا ہوتا، غرض دوپہر کو غیاث پور پہنچتا، پھر اس دن بھی شیخ کی زیارت کو نہ جاسکتا"

جب مرشد کی زیارت نہ ہوتی، تو بڑی تکلیف محسوس کرتے، فرماتے ہین :-

"ان دنون مین ایسا ہی ہوا کہ متواتر تین دعوتین ہوئین، اور ہر دعوت مین تین تین دن شہرون مین رہنا پڑا، اور نو روز تک زیارت شیخ میسر نہ ہوتی، ہر جگہ سے پیام دعوت آتا، اور شیخ سے واسطے اجازت کے عرض کرتے، شاید ان دنون یاد ہوتا ہے کہ خادم نصیر الدین تھا،"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷) جو مسلم پریس دہلی مین چھپا تھا، یہ ترجمہ اگرچہ پرانے طرز کا ہے، لیکن عاجز راقم کو اس مین بڑی کیفیت و تاثیر نظر آئی اسلئے اسی کو بغیر کسی ترمیم کے ہر جگہ نقل کر دیا ہے،

فرمان شیخ پہنچا کہ فلان جا دعوت مین جا، مین نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ خدمت مین عرض ہے، اس پر مجھکو طلب فرمایا، مین خدمت مین حاضر ہوا تو فرمایا کیا کہتا ہے، مین نے عرض داشت کی کہ غلام مدت سے اس اشتیاق مین آتا ہے کہ چند روز زیر قدم خواجہ رہے، اور ہر روز آپ کو دیکھون، یہان ہر کوئی دعوت کرتا ہے اور حضرت شیخ کی خدمت مین عرض کرتا ہے مجھ کو حکم آتا ہے کہ دعوت مین جا، صبح سے جاتا ہون اور مولانا برہان الدین غریب کے گھر مین شب کو رہتا ہون، دوسرا دن دعوت کا ہوتا ہے، اس دن بھی حضرت کی خدمت مین آ نہین سکتا، تیسرے دن بھی لوگ روکتے ہین کہ ذرا ٹھہرو، ناشتہ کر لو، دوپہر کو یہان آنا ہوتا ہے، اس دن بھی زیارت نصیب نہین ہوتی، تین دن مفت جاتے ہین یہ سُن کر شیخ نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے اُسے لوٹا دو، اور کہدو کہ یاران شہر کی دعوت کرین، اور اُن کو معذور رکھین[۵۱]"

خود مرشد کو اپنے مرید کی راحت اور خاطر داری کا بہت خیال رہتا تھا، فرماتے ہین:-

"ایک بار مین اودھ سے آیا تھا، اور بھائی یعنی پدر خواجہ یوسف بھی ہمراہ تھے، اور ان دنون مین نے تقلیل طعام کی تھی، بھائی نے مبشر سے کہدیا کہ فلانے نے کھانا چھوڑ دیا ہے اُسے مقرض تلف مین پڑا ہے، خدمت شیخ مین عرض کر دے، مبشر نے خدمت شیخ مین اور بڑھا کر عرض کی کہ جب رکابی بھر کر فلانے کے واسطے لیجاتا ہون تو بلا کم و کاست ویسے ہی لوٹ آتی ہے، جناب شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص قریب دو سیر کا مجھے دیا، اور بہت سا حلوا اس پر رکھا تھا، جن یارون کا صوم دوام ہوتا، ان کو حضرت شیخ کے یہان سے سوائے رمضان شریف سحری ملا کرتی، چنانچہ مولانا فخر الدین زرادی اور مولانا حسام الدین ملتانی اور مولانا شہاب الدین کو کہ یہ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے، مگر مولانا برہان الدین غریب کو

۵۱؎ مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۶۱-۱۶۲،

بسبب ضعف جسم کے روزے سے معذور تھے، ان کو ماہ رمضان میں سحری بھی اور سحری کو کھچڑی روغن پڑی ہوئی آیا کرتی، بار ہیچ ہوتے، اور ہاتھ دھو کر کھچڑی کھاتے، غرض جب شیخ نے مجھکو وہ قرص دیا تو میں حیران ہوا کہ اسکو کس طرح کھاؤں گا، بیمار نہ ہو جاؤں، یہ قرص تو میرے بیس دن بلکہ زائد کو کافی ہے، بعد عشا وہ قرص میں نے روبرو رکھا اور کچھ کچھ کھانا شروع کیا، بعد آدھی رات کے تھوڑی آنکھ لگی تھی کہ فی الفور اٹھ کر وضو کیا اور تہجد کی نماز پڑھی، پھر وہ قرص لے کر کھانے بیٹھا، برکت ولایت شیخ سے صبح تک سب کھالیا، اور کوئی زحمت نہیں ہوئی"[1]

قیام دہلی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے، اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی، یہ حجرہ جماعت خانہ میں تھا،[2] مرشد کی صحبت میں فقر صبر تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفتیں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں، چنانچہ جیسا کہ سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے،

"حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفا اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے" (ص ۹۲، ج ۲)

مرشد کی جانشینی جب حضرت محبوب الٰہی نے حضرت شیخ نصیر الدینؒ میں وہ تمام باتیں بدرجۂ کمال پائیں جو جانشینی کے لئے موزوں تھیں، تو اُن کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا، اور وفات کے وقت آپ کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں، اُن کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی،[3] حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا، اس لئے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیامگاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی، جہاں آپ کی ابدی خوابگاہ ہے،

تنگی معاش جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گذرا، اپنے ملفوظات میں ان ایام کا

---

[1] خیر المجالس مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۲۲ - ۱۲۱، [2] سیر العارفین ج ۲ ص ۹۰، [3] ایضاً ص ۹۳ - ۹۲،

ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا، دو دن گذر گئے لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا، میرا ایک آشنا نخفو نامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا، اس حال میں اس کھانے نے جو مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا، اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چند دن متواتر چولھا نہ سلگتا، میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے لیکن میں ان کو کرنے نہ دیتا، وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے کہ میں مشقت اور بے سرو سامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لئے میرا خیال چھوڑ دیا، اگر کوئی دنیا دار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب وہ چلا جاتا، تو کھاروے کا لباس پہن لیتا، جامۂ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا[1]،

فارغ البالی | کچھ دنوں کے بعد یہ تنگی جاتی رہی، اور اچھے دن آئے، مگر حضرت خواجہ نصیر الدین ان عسرت بھرے دنوں کو یاد برابر کرتے تھے، دو دن کے فاقہ کے بعد ان کو جو روٹی اور ترکاری ملی تھی، اس کے مزے کو یاد کرکے سر ہلاتے اور فرماتے سبحان اللہ یہ فقر بھی کیا نعمت ہے، اس کے اول اور آخر دونوں خوب ہیں وہ کیا عمدہ دن اور پر ذوق زمانہ تھا، یہ کہہ کر روتے، گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے[2]،

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمانوں اور مریدوں کے لئے دسترخوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے، خود تو صائم الدہر ہوتے لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے، کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے، ایک بار دسترخوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس مجمع پر پیش کئے، حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نے اُن کی خاطر افطار کرلیا، اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی[3]،

تلقین | مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، ایک بار دسترخوان پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ برتنوں

---

[1] خیر المجالس مجلس شصت و نہم [2] خیر المجالس [3] ایضاً مجلس ہفتاد و یکم

مین ڈالتے جاتے، اور تاکید فرماتے یار و خوب کھاؤ، جب لوگ کھا چکے تو فرمایا کہ طعام حلال و طیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدائے تعالیٰ دیکھتا ہے، خدا کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی، وہ طاعت و عبادت مین صرف ہوگی، تو وہ شخص عین عبادت و نماز مین ہوگا، فرمایا ایک دن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے خدمتِ نبوی مین حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہین مگر ہمارا پیٹ نہین بھرتا، آپنے فرمایا شاید تم تنہا کھاتے ہو، عرض کیا، ہان ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے آپ نے فرمایا اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو اور پہلے بسم اللہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ برکت دیگا،[1]

ایک بار عید الضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے کو آئے، اُن کی خاطر دسترخوان بچھایا گیا جس پر اچھے کھانے اور اچھے حلوے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے اس موقع پر یہ حکایت سُنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مین حاضر ہوا اُن کے سامانِ امارت مین بارگاہ شاہی، طنابہائے ریشمی اور میخ ہائے زرین دیکھکر دل مین سوچنے لگا کہ یہ کیسی درویشی ہے، یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہین، حضرت ابو سعید نے اُس کے خیال کو نورِ باطن سے معلوم کر لیا، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے درویش ہم نے خیمہ کی میخ دل مین نہین نصب کی ہے، زمین مین گاڑی ہے، یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال تیرے سایہ کی ہے اگر اس کی طرف تو رُخ کرے، تو تیرے پیچھے ہوگا، اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا،

ایک اور موقع پر حضرت چراغ کے معتقدین آپکے سامنے پالودہ (فالودہ) نوش کر رہے تھے حضرت نے حسب دستور پند و موعظت شروع کی اور فرمایا کہ ایک بار حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور مین پیش کئے گئے[2]، بادشاہ نے اُن کے لئے کھانا منگوایا، ایک آراستہ دسترخوان پر پہلے ان کے سامنے پالودہ کا پیالہ رکھا گیا، حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا، مگر اس مین سے

خیر المجالس مجلس بست و نہم

[1] ...

[2] حضرت ابراہیم بن ادہم ایک شہر کی مسجد مین مقیم تھے، رات کو دروازہ کھول کر باہر نکلے، چوکیدار نے چور سمجھ کر پکڑ لیا اور کوتوال نے بادشاہ کے حضور مین پیش کیا،

کچھ کھانا پسند نہ کیا، بادشاہ نے پوچھا پالودہ کو آپ دیکھتے ہیں لیکن کھاتے نہیں ہیں، حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا، پالودے سے قیامت یاد آتی ہے، بادشاہ نے پوچھا کس طرح فرمایا، اس دن دو گروہ ہونگے، ایک پالودہ اور ایک آلودہ، فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر کا اشارہ اسی طرف ہے، جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا، وہ تو بہشت میں جائیں گے، اور جو آلودہ معصیت ہیں اُن کو آتشِ دوزخ میں پاک وصاف کرکے بہشت لے جائیں گے، بادشاہ نے یہ سُن کر کہا کہ اے درویش آپ کی باتوں سے میرا دل مل گیا، [1]

چراغ دہلی کا لقب رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدین کے رشد و ہدایت کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیلی جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے، تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اُٹھ گئے، تاہم اُن کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود رہے، اُن کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدین بخاری نے جب یہ سُنا تو اُن کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے، اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدمبوسی کرکے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اس کو بیان کیا، اسی کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی بھی ہوگیا اور اسی لقب سے مشہور ہوئے، [2]

رشد و ہدایت جسمانی و روحانی استفادہ کے لئے ہندو بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آتے، اور حضرت چراغ دہلی حسب مراتب ان کی تربیت فرماتے،

ایک مرتبہ ایک صاحب علم بیعت کے لئے آئے، یہ ہدایہ، بزدوی اور کشاف پڑھ چکے تھے بیعت کے

---

[1] مجلس ہفتادوم، [2] سیر العارفین جلد دوم ص ۴۰

دفعتہ حضرت چراغ دہلی نے ارشاد فرمایا جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے اور سر منڈائے، آستین چھوٹی کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے تاکہ اس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے، دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنا پاؤں قطع کر لیا ہے تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے، جو بری ہو، اور جہاں معصیت ہوتی ہو، سر منڈانے کے یہ معنی ہیں کہ راہ حق میں اس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے، اور اس سے کوئی بات خلاف شرع ظہور میں آئے[۱]

ایک بزرگ بیعت کے لئے آئے، جو نسباً سید اور جوہری بازار کے دار وغہ تھے، حضرت چراغ دہلی نے کلاہ منگائی، دست مبارک بیعت کے لئے آگے بڑھایا، اقرار لیا، دوگانہ نماز پڑھوائی، نماز کے بعد مخاطب کر کے فرمایا ہر بات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنی چاہئے، اور تمھارے لئے اور ضروری ہے کہ تم آل رسول سے ہو، رسول کی متابعت دو چیزوں میں ہے، جو کچھ خدا اور رسول نے کہا اس کو کرنا، اور جس سے خدا اور رسول نے منع کیا اس سے بچنا، پھر فرمایا خرید و فروخت میں ہرگز جھوٹ بات زبان پر نہ آنی چاہئے، مثلاً ایک چیز پانچ درم کی خریدی ہوئی ہے، جب کسی خریدار کو اس کے لینے پر آمادہ دیکھے، تو یہ نہ کہے کہ میں نے چھ درم میں لی ہے، سات درم میں دوں گا، اس سے کچھ برکت نہیں ہوتی ہے، بلکہ نقصان ہوتا ہے، ہاں اگر یہ کہے کہ پانچ درم ایک دانگ میں دوں گا تو اس کے ایک دانگ میں برکت ہوگی، اور اس کا مال اس طرح بڑھے گا کہ اس کو خود خبر نہ ہوگی کہ کہاں سے بڑھا[۲]

ایک مرتبہ ایک عالم موضع سہانے سے آئے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کہاں سے آتے ہو، عالم نے کہا سہانے سے، جہاں کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہیں، اور وہاں کی عورتیں بھی ہیں سے بیعت رکھتی ہیں، اور وہ مردوں سے زیادہ صالح ہیں، پھر پوچھا کیا شغل رکھتے ہو، عالم نے کہا لڑکوں کو پڑھاتا ہوں، فرمایا یہ عمدہ کام ہے، مطالعۂ کتب میں مشغول رہنا اور دوسروں کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے،

[۱] خیر المجالس پانزدہم [۲] خیر المجالس بست وہشتم،

لیکن جو دوسرون کو کلام پاک پڑھائے اُس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے، [1]

ایک درویش یمن سے آیا، حضرت چراغ دہلی نے اس کو اپنا پیراہن عطا کیا، اور اپنے پاس بٹھایا، درویش نے کہا آج مین نے خواب مین دیکھا تھا کہ کوئی مجھکو پیراہن پہناتا ہے، اور کہتا ہے یہ جامہ شیخ محمود کا ہے، اسی موقع پر مریدون کو مہمان نوازی کی تلقین کی، اور فرمایا مہمانون کی تعظیم و تکریم سے اُن کے دلون مین یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے، [2]

ایک مرتبہ ایک خاتون آئین اور ایک شخص کی معرفت مرید ہونے کا پیام کہلا بھیجا، حضرت چراغ دہلی نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا، اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس مین اپنی انگشت شہادت ڈبوئی، اور اس شخص کو کوزہ دیکر کہا کہ اس کو خاتون کے پاس لیجاؤ، اُن سے سلام کہنا، اور کہنا کہ اپنی شہادت کی انگلی پانی مین ڈال کر کہین کہ مین فلان کی مرید ہوئی، اسی کے ساتھ خاتون کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہتین اور ایام بیض کے روزے رکھین، غلام و لونڈی کو نہ ستائین نہ مارپیٹ نہ کرین، اور اپنون اور بیگانون سے اخلاق سے ملتی رہین، [3]

ایک مرتبہ ایک کاشتکار آیا، تو اس سے پوچھا کیا کرتے ہو، اس نے عرض کیا زراعت کرتا ہون، فرمایا لقمۂ زراعت اچھا لقمہ ہے، اور بہت سے کاشتکار صاحبِ حال گذرے ہین، اس کے بعد ایک کاشتکار کی حکایت بیان فرمائی جس مین یہ نصیحت تھی کہ تخم ریزی کے وقت دل شاکر اور زبان ذاکر ہونی چاہئے، اسی سلسلہ مین فرمایا کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا درست نہین، اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہین تو اس کی نماز روا نہین، اور بعض کے نزدیک وہ کافر ہوجاتا ہے کہ اس نے عبادتِ خدا مین اور کو بھی شریک کیا، [4]

ایک مرتبہ شادی پور سے ایک بزرگ آئے، حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت و توکل کی زندگی

---

[1] مجلس سی و دوم ص ۸۵، [2] مجلس سی و نہم ص ۸۶، [3] مجلس چہلم، [4] مجلس چہل و ہشتم،

بسر کرتے ہین، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا ایک درویش کو چاہئے، کہ اگر اس پر فاقہ گذرے تو بھی اپنی حاجت غیرون سے نہ بیان کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس آئے، تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گالون کو سُرخ کرلے کہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ سے مطلع نہ ہو، بیان کیا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہٗ کرام کے ساتھ بیٹھے تھے، فرمایا ہے کوئی جو ایک بات کی ذمہ داری لے تا کہ مین اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لون، ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! وہ مین ہون، رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا، ثوبان رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کر لیا، ایک روز وہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا، دوسرے سے اٹھا کر نہ مانگا، خود اتر کر اٹھایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا، اس موقع پر حضرت چراغ دہلی کی مجلس مین ایک درویش نے پوچھا جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو منع کیا ہو وہ امر کیا اورون کے لئے بھی لازم ہو جاتا ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، ہان سب کے حق مین حکم ممانعت ہوتا ہے[1]،

ایک درویش آیا اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تحمل سے کام لو اگر ا در جفا کرے تو بھی معاف کر دو کیونکہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے[2]،

ایک جوان عرب آیا اُس نے ایک کنگھی نذر کی، حضرت چراغ دہلی نے دست مبارک سے شانہ دان اٹھا کر پرانی کنگھی نکالی، اور اس مین نئی رکھی، اور جب رکھ لی، تو حاضرین سے پوچھا کہ کنگھی پہلے کس طرف سے رکھی، پھر خود ہی فرمایا دندانون کی طرف سے پہلے رکھنا چاہئے، کیونکہ وہ بالون کی تفریق کا باعث بنے پس جو چیز باعثِ تفریق ہو اس کو دور رکھنا مناسب ہے[3]،

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کیا کام کرتے ہو، عرض کیا مقنع بافی کرتا ہون، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا شیخ احمد نہرو الہ رحمۃ اللہ علیہ بھی

---

[1] مجلس چہل و نہم [2] مجلس پنجاہ و دوم [3] ایضاً

قربانی کیا کرتے تھے، کبھی کبھی گرگرہ پر کام کرتے ہوئے ان پر ایسا حال طاری ہو جاتا کہ غائب ہو جاتے، اور جب موجود ہوتے تو کپڑا بنا ہوا تیار پاتے، اس کے بعد کچھ حکایتیں بیان کیں اور فرمایا کسب و ہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے، ابدال اللہ جو کوہستان میں رہتے ہیں، پہاڑ سے لکڑی گھاس جنگلی دوائیں، پہاڑی میوے وغیرہ لاکر شہر میں بیچتے ہیں، اور کھانا مول لے کر واپس جاتے ہیں[1]۔

حضرت چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے، ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے خراب و پریشان ہیں[2]، اور اس کا اعادہ بار بار کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قول اور فعل صادر ہوا، وہ سزاوار تابعت ہے۔ فرمایا ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے، جو خدا اور رسول نے فرمایا ہوا اس کی متابعت کرے، اور جس سے منع کیا ہے، اس کو ترک کردے[3]۔

تارک نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت دی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں، اور سلام کے جواب میں علیک نہ کہیں تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرمائے[4]، نہ صرف نماز بلکہ نماز باجماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے، خود بھی تمام عمر نماز باجماعت کے پابند رہے، ایک مجلس میں یہ حکایت بیان کی، کہ ایک بزرگ بڑے اچھے واعظ تھے، ان کے وعظ سے لوگ بکثرت تائب ہوتے، اور کپڑے پھاڑ کر بیہوش ہو جاتے، وہ بزرگ زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر ان کا وعظ سننے کے لئے لوگ اور بھی ذوق و شوق سے جمع ہوتے، لیکن اُن کے وعظ میں پہلی سی تاثیر مطلق نہ تھی، لوگوں نے اُن سے کہا کہ زیارت کعبہ کے بعد ہم تو متوقع تھے، کہ وعظ میں صد گونہ تاثیر اور بھی بڑھ گئی ہوگی، وہ بولے، سفر حج میں مجھ سے ایک قصور ہو گیا تھا، جب ہی جان لیا تھا، کہ مجھ سے یہ نعمت چھین لی جائے گی، وہ قصور یہ تھا، کہ راستے

---

[1] مجلس نود و سوم، [2] مجلس سی و نہم [3] مجلس ہشتاد و یکم، ہنر دکیو مجلس ہشتاد و ہشتم [4] مجلس پنجاہ و یکم، [5] مجلس پنجاہ و ششم

مین مجھ سے ایک بار نماز با جماعت فوت ہوگئی تھی، یہ محرومی اسی شامت کی بنا پر ہے، اس حکایت کو بیان کرکے حضرت چراغ دہلی اس قدر روئے کہ حاضرین بھی رونے لگے، اور جب آنسو رکے تو فرمایا کہ لوگ جماعت مین بالکل نہین جاتے، ان کا کیا حال ہوگا، وہ کتنی نعمتون سے محروم رہتے ہونگے، اور پھر ایک اور حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے پاس لوگون کا ہجوم رہا کرتا تھا بزرگ نے دل مین خیال کیا کہ خداوندا! مجھ مین نہ کچھ طاعت ہے، اور نہ عبادت ہے، پھر میرے پاس لوگون کا اژدحام کیون رہتا ہے؟ آواز آئی کہ اس کا یہ سبب ہے کہ تو جماعت مین شریک ہونے کی کوشش کیا کرتا ہے، اور اس خیال سے پریشان رہتا ہے کہ مبادا فوت نہ ہو جائے، یہ بات ہم کو پسند آئی، اور اسی لئے تجھکو یہ مقبولیت عطا کی[۱]

نماز کے متعلق فرمایا یہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے وقت اعضا کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے، اگر اعضا اس طرف نہ ہون تو نماز درست نہین ہوتی، اسی طرح دل کا قبلہ ذات پاک حق تعالیٰ ہے، اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی،[۲] (باقی)

---

[۱] مجلس ششم، [۲] مجلس ہشتاد و ششم،

سنگِ شبام

یہود اور حمیر کی تاریخ کا ایک مشترکہ ورق

از

جناب مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

کتبِ سابقہ | ہنود، یہود، نصاریٰ، غرض کسی پرانی ملت کے مقدس نوشتوں پر نظر ڈالو، تو اُن میں برحق و دلکش باتوں کے ساتھ کچھ ناپسندیدہ باتیں بھی ملیں گی، اس کی توجیہ قرآن مجید کے اندر خدا نے یہ کہکر فرمائی ہے کہ

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُوْلٍ	تم سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول یا نبی بھیجے،
وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ	اُن میں سے کسی نے جب بھی کوئی بات کہی
فِىْ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى	تو مخالف نے اس کی بات میں کچھ نہ کچھ ملا دیا،
الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ	اللہ اب مخالف کی ملاوٹ کو مٹاتا ہے، پھر
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ٥	اللہ اپنی آیتوں کو بے آمیز کرتا ہے، اور
(حج)	اللہ دانا ہے، دانشمند ہے،

توراۃ | توراۃ کی موجودہ تالیف ایسی ہے کہ مدینہ کے یہود کی بابت خدا نے فرمایا:-

يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ	وہ کتاب کے ساتھ اپنی زبانیں مروڑتے ہیں

مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ، (آلِ عمران)

تاکہ تم اُسے بھی کتاب میں سے خیال کرو، حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹا الزام لگاتے ہیں،

اس سے ظاہر ہے کہ اہلِ مدینہ توراۃ کے ایک حصہ کو ایک خاص لحن سے، اور دوسرے حصہ کو دوسرے لحن سے پڑھتے تھے، موجودہ توراۃ کو غور سے پڑھو تو زبان، گرامر، مضامین اور طرزِ ادا کے فرق اور تضاد سے پتہ چل جائے گا کہ کم از کم حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کتابوں میں سے ہر ایک (الف، ب، جیم) تین مختلف متنوں کا مخلوطا مجموعہ ہے، یورپین محققین اسے تسلیم کرتے ہیں میرے نزدیک ان میں سے ایک اصل کتاب اللہ ہے، اور دو مختلف روایات ہیں جن کو جامع نے آیات کے پس و پیش اور درمیان بطورِ تفسیر کے رکھا تھا، اہلِ مدینہ کتاب اللہ اور زوائد کے فرق کو جان کر کتاب اللہ کو ایک لہجہ سے اور زوائد کو دوسرے لہجہ سے پڑھتے تھے لیکن کبھی کبھی علما مطلب کے موافق زوائد کو بھی کتاب اللہ کے لہجے میں پڑھ کر عوام سے اپنی مرضی منوایا کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ بھی کتاب اللہ میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں علماے یہود کی اسی روش سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، سورۂ حج کی آیت میں انھیں غلط باتوں کو خدا نے ما یلقی الشیطان کا لقب دیا ہے، اور توراۃ و انجیل اور زبور کی تمام بنیادی باتوں کو آمیزشوں سے پاک کر کے قرآن میں دہرایا ہے، اور بڑی حد تک ہم کو بائبل سے بے نیاز کر دیا ہے، چنانچہ خدا نے فرمایا ہے:

رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ، (بینہ)

اللہ کا ایک رسول پاکیزہ صحیفے سناتا ہے، جن میں استوار کتابیں ہیں،

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں، کہ قرآن مجید میں کتب سابقہ کی ساری باتیں آگئیں، کیونکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ

یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما تخفون من الکتاب ویعفوا عن کثیر،	اے اہل کتاب تمھارے پاس ہمارا رسول پہنچا جو تم کو کھول کھول کر بہتیری باتیں بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو، اور وہ تمھاری کتاب میں ہے اور بہت باتوں سے درگذر فرماتا ہے،
(ع ۳۔ مائدہ ۵)	

اس سے ظاہر ہے کہ توراۃ، زبور، اور انجیل میں چند ایسی باتیں بھی ہیں، جو برحق اور من جانب اللہ ہیں مگر قرآن میں نہیں دہرائی گئی ہیں، ایسی باتوں میں جو آمیزش کلام غیر کی پائی جاتی ہے، ان کا سراغ لگانا سخت مشکل ہے،

اس سلسلہ میں مجھے ایک قدیم دستاویز مل گئی ہے، جس کے نام کو میں نے مضمون کا سرنامہ بنایا ہے، اس سے توراۃ کی ایک ایسی ہی بات کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے، لیکن اس دستاویز کے ذکر سے پہلے توراۃ کے قصہ کو سمجھا دینا ضروری ہے،

توراتی قصہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

یا ایھا الذین آمنوا اذا جاءکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین،	اے مسلمانو! اگر تمھارے پاس کوئی بدگو کوئی بری خبر لائے تو خوب پرکھ لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم پر کوئی آفت ڈھا دو۔ پھر اپنے کئے پر تم کو پشیمان ہونا پڑے،
(حجرات)	

اس آیت مین جو تعلیم دی گئی ہے، توراۃ مین اسی بات کی تعلیم یہ فرما کر دی گئی تھی کہ حضرت یعقوبؑ
فدان آرام سے واپس آئے، تو "شلم عبر شکم" کے سامنے ایک کھیت مین انھون نے اپنا خیمہ نصب کیا،

"اور لیاہ کی بیٹی دینہ بنت یعقوب اس دیس کی لڑکیون کو دیکھنے کے لئے باہر گئی، (۱) اور اس
علاقہ کے رئیس حمور حوی کے فرزند شکم نے اس کو دیکھا، ×××× (۳) اور اس کا جی یعقوب کی
بیٹی دینہ سے اٹک گیا، اور وہ اس سے محبت کرنے لگا، اور اس چھوکری کے دل کے اوپر بھی بولا
(۴) اور یعقوب نے سنا کہ اس نے اس کی بیٹی دینہ کو بے حرمت کر دیا، مگر اس کے فرزند اس کے
جانورون کے ساتھ چراگاہ مین تھے، سو یعقوب ان کے آنے تک خاموش رہا۔ (۵) اور یعقوب
کے بیٹے خبر سنتے ہی لوٹے اور وہ مرد نہایت برہم اور پر غضب تھے، کہ اس نے بنت یعقوب کے ساتھ
سو کر اسرائیل کے ساتھ برائی کی، حالانکہ اس نے ایسا نہین کیا تھا، (۷) اور تیسرے دن
××× شمعون و لاوی فرزندان یعقوب برادران دینہ نے اپنی تلوارین لین اور شہر پر آ پڑے
××× (۲۵) اور یعقوب نے شمعون اور لاوی سے کہا تم نے مجھے دکھ دیا ہے، اس سرزمین کے
رہنے والون کنعانیون اور فرزیون کے درمیان مجھے گھنونا کر دیا ہے،..... (۳۰) باب ۳۴ شمعون
اور لاوی ہین، تو (تمہارے) سگے بھائی مگر ان کی تلوارین ان کے ظلم کے ہتھیار ہین، (۵) اے
میری جان ان سے مجمع مین شامل نہ ہو، اے میرے دل ان کے جتھے مین شریک نہ ہو، کیونکہ
اپنے قہر مین انھون نے خون بہایا آدمی کا، اور کونچین کاٹین سانڈ کی، (۶) لعنت ان کے
غضب پر کہ تند تھا، اور ان کے قہر پر کہ سخت تھا، مین ان کو یعقوب کے درمیان پراگندہ اور
اسرائیل کے درمیان تتر بتر کر دون گا (۷) باب ۴۹ تکوین،

ناظرین اگر اس عبارت کا تورات کے متداول ترجمہ سے مقابلہ کرین گے تو (۳) اور (۷) کے آخری
فقرون کو مختلف پائین گے، جو کہ جامع تورات نے ان آیتون کے درمیان جا بجا خلائین پیدا کرکے دو

روایتون کے فقرون کو جن مین سے ایک سرتاپا غلط ہے نقل کیا تھا اور چونکہ متن اور تفسیر کے اس نشان فارق کو جس سے مدینہ کے یہود واقف تھے، اب معدوم کر دیا گیا ہے، اس لئے یہ فقرے سیاق اور سباق سے لڑ پڑے اور اصل متن اور تفسیر زائد کے تضاد کو (۳) و (۷) کے ترجمہ بدل کر رفع کیا گیا ہے، سفر تکوین کے جامع نے اصلی قصہ کے اہم ترین جزو کو اس جگہ سے ہٹا کر وصایائے یعقوب مین لکھا ہے جس کی وجہ سے وہ آئینی ہدایت قطعاً گم ہو گئی جو کلام کا مقصود تھی، اور مقصود کلام کو گم کرنے مین اس غلط خبر کی آمیزش نے جسے حضرت یعقوبؑ نے سُنا تھا، اور جسے وہ غلط باور کرتے تھے، اور بھی خدمت انجام دی ہی،

زوائد توراۃ | جامع تکوین نے ان آیتون کے آگے اور پیچھے اور بیچ مین جو باتین روایات کی مدد سے درج کی ہین، پہلے اُن کے صحیح حصہ کو پڑھئے،

"اور یعقوب فدان ارم سے چلا تو شلم عیر شکم" کے پاس آیا، اور شہر کے باہر اپنا خیمہ نصب کیا (۱۸) اور جس کھیت مین اس کا خیمہ تھا، اسے حمور ابی شکم کے فرزندون سے سو قسیط پر خریدا (۱۹) اور وہان ایک مذبح نصب کیا، اور اس کا نام رکھا، اَل الوہی یشرئیل (۲۰)" ۳۳ب

"اور شکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میری جورو کے طور پر حاصل کیجئے (۴) اور شکم کا باپ حمور یعقوب سے باتین کرنے کو روانہ ہوا، اور حمور نے کہا میرے بیٹے شکم کا دل تمھاری بیٹی سے لگ گیا ہے، سو اُسے اس کے ساتھ بیاہ دو (۸) اور ہم سے سمدھیانہ کرو اور ہمین بیٹیان دو اور ہم سے بیٹیان لو، (۹) ہمارے ساتھ رہو سہو، یہ زمین تمھارے آگے ہے، اس مین بسو اور ملکیت حاصل کرو اور تجارت کرو (۱۰) پھر اس لڑکی کے باپ اور بھائیون سے شکم نے کہا کاش مین تم لوگون کا منظور نظر ہو جاؤن، جو کہو تم کو دون (۱۱) جتنا عطیہ اور مہر بتاؤ تمھاری مرضی کے مطابق حاضر کرون مگر لڑکی مجھے دیدو، (۱۲) یعقوب کے فرزندون نے شکم اور حمور کو ×× جواب دیا، ××× (۱۳) اور کہا ہم ایسا نہین کر سکتے، کہ اپنی بہن ایک نامختون کو دین

اس مین ہمارے لئے عار کی بات ہے، (۱۴) لیکن اس پر ہم تم سے راضی ہو جائین گے، اگر تم ہم جیسے ہو جاؤ، کہ تم مین سے ہر شخص اپنا اپنا ختنہ کرائے (۱۵) ایسا کرو گے تو ہم تم کو اپنی بیٹیاں دین گے، اور تم سے بیٹیان لین گے، اور تمھارے ساتھ رہین گے، اور ہم تم مل کر ایک قوم بن جائین گے (۱۶) (۳۴ تکوین)

غور کرو کتنا مربوط اور مسلسل کلام ہے، مگر یہ ارتباط (۵) اور (۷) کو حذف کرنے سے پیدا ہوا ہے، چونکہ جامع تکوین نے (۷) کی مکذوب کہانی کو بطور تفسیر قبول کر لیا ہے، اسلئے (۱۳) کے درمیان خلا پیدا کرکے ایسی تفسیر بڑھا دی ہے جس سے یہ وعدہ جھوٹا ہو گیا لیکن یہ وعدہ جھوٹا نہ تھا، سچا وعدہ تھا،

حمور اور اس کے بیٹے سکم نے ان کی باتین پسند کین اور اس جوان نے اس بات کے کرنے مین دیر نہ کی، کیونکہ وہ بنت یعقوب کا شیدا تھا، اور اپنے باپ کے گھرانے مین سب سے عزت دار تھا، (۱۹) (۳۴ تکوین)

سکم نے بخوشی ختنہ منظور کیا اور نہ صرف اسی نے بلکہ اس کے اور حمور کے سمجھانے سے "جتنے لوگ اس کے شہر کے پھاٹک سے آمد و رفت رکھتے تھے، سب نے اپنا اپنا ختنہ کرایا (۲۴) ۳۴ تکوین،

تیسرے زائد کا ناظرین کو اندازہ ہو چکا ہے، اس کے ذکر سے پہلے اشخاص کا تعارف کرا دینا ضروری ہے،

حمور حوری | حمور ابی سکم (حضرت دینہ کا خسر) جس شہر کا حاکم تھا، (۳۳: ۱۸) مین اس کا نام شلم عبر سکم" ہے، لفظی ترجمہ اس کا ہے، "سکم کا شہر شالم" یہ بادشاہ یا رئیس اسی طرح ملکی صدق ملکی شالم کا گدی نشین تھا، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے وہ کی دی تھی، جس طرح حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کے جانشین تھے، حضرت ابراہیم اپنے وقت کے نبی تھے (تکوین ۲۰، ۷) اور ملکی صدق خداوند تعالیٰ کے

کاہن تھے (تکوین ۱۴: ۱۸) کاہن کے لئے اگرچہ نبی ہونا ضروری نہیں لیکن بائبل کی اصطلاح میں کاہن خود شارع نہ ہونے کے باوجود شارع سے کچھ ہی فروتر ہوتا ہے، کاہن نبی نہ ہونے کے باوجود رب الافواج کا رسول ہوتا ہے، لوگون پر لازم ہے کہ کاہن کے منہ سے خداوند تعالیٰ کی شریعت تلاش کرین، کاہن کا فرض تھا کہ اپنے ہونٹون میں شریعت کو محفوظ رکھے، (ملاکی ۲: ۷) جس معنی مین حضرت موسیٰ نبی تھے، اور جس معنی مین حضرت ہارون کاہن تھے، یعنی شریعت موسیٰ کو اپنے ہونٹون مین محفوظ رکھتے تھے، اور لوگ ان کے منہ سے شریعت ڈھونڈتے تھے، اسی معنی مین جناب ملکی صدق شریعت ابراہیم کے شارح اور محافظ تھے، حمورابی شکم کا یہ عہدہ تو نہ تھا، پھر بھی وہ ملکی صدق کے شہر کا فرمانروا اور ان کا سیاسی جانشین تھا،

حمورابی شکم کو تکوین ۳۴: ۲ مین حوی رئیس بتایا گیا ہے، اسی طرح ۳۶: ۲ مین صبعون حوری کو بھی حوی لکھا گیا ہے، حمورابی شکم بھی حوری تھا، اور اس لئے وہ حضرت یعقوبؑ کی بھاوج اہلیبامہ اور الیفز بن عیسو کی بی بی تمنع کا قریبی رشتہ دار تھا، خاندان یعقوب کا وہ اب سے پہلے ہم قوم بن چکا تھا، صرف ختنہ کی کسر رہ گئی تھی،

اس قوم کا مورث اعلیٰ حور تھا، جس کو اہل مصر ایک دیوتا قرار دے کر پوجتے تھے، یہ دیوتا مصری افسانہ کے مطابق پونت سے آیا تھا، پونت مصری تحریرون کے مطابق ملک سبا یعنی جنوبی عرب کا نام تھا، جہان کے باشندے خود کو عموماً حمیر بن سبا کی اولاد بتاتے ہین،

حد برادر حمیر عربون کی روایت کے مطابق حمیر بن سبا کا ایک بھائی ایک زمانہ مین ملک مصر کا فرمانروا تھا، عربون کے اس برادر حمیر کو ہم مصری تحریر کے اس دیوتا حور کی نسل سے تطبیق دیکھتے ہین، جس نے پونت (نوبانی نوطا) سے آکر دیوتا ست کو شکست دی تھی اور ملک مصر پر قبضہ کر لیا تھا، حور کوئی فرضی وجود نہین تھا، بلکہ جس طرح اہل مصر نے ہر فرعون کو رب اعلیٰ قرار دے رکھا تھا اسی طرح نوحور بھی جن کو نونوط بھی کہا جا سکتا ہے، اپنے ایک مورث کو دیوتاؤن مین شامل کر لیا تھا، پہلا انسان فرعون جنا نوحود

یقعات سے تھا، احمد بک کمال نے اپنی کتاب الحضارة القدیمہ میں بہت سے حمدی بادشاہوں کے علم کی شکلیں دی
ہیں جن میں سے ایک کی صورت یوں ہے کہ ایک چوکھٹے کے اندر ہیروغلافی حروف میں سے خم اب لکھا ہوا ہے
اور چوکھٹے کے اوپر باز کی شکل ہے، جسے حمد پڑھا جاتا ہے، چوکھٹا اس بات کی علامت ہے کہ وہ شخص اپنے وقت
میں بادشاہ اور فرمانروا تھا، احمد بک کمال نے اس بادشاہ کا نام ملک سندا لکھا ہے، سندا اس کا غیر سرکاری
نام تھا لیکن سکے پر یہی نام اس کا حم سخم اب تھا،

حمیر یا حمور | عبرانی شین دوسری سامی زبانوں میں سین سے بدل جاتی ہے، اور کاف کا عبرانی تلفظ غیر مشدد
ہونے کی صورت میں خ جیسا ہوتا ہے،

اب حم سخم اب اور حمورابی سخم حمدی کے ساتھ ساتھ بابل کے بادشاہ حمورابی فرزند سن موبلیت فرزند
عامل سن کے ناموں کا مقابلہ حمیر ابو وائل کے نام سے کرو تم کو مرتجان ناموں میں اتحاد خاندان کا سراغ
ملے گا، اس کے ساتھ عربوں کے اس قصہ پر بھی نظر رکھو کہ

> سبا اکبر نے بابل کو فتح کرنے کے بعد مصر کو فتح کیا، اور وہاں کا حاکم اپنے بیٹے بابلیون کو
> مقرر کیا، سبا کے مرنے کے بعد حمیر بادشاہ ہوا جس نے بابلیون کی درخواست پر شام کو بھی فتح کر کے
> وہاں والوں کو اپنا باج گذار بنایا، اور اہل مصر کو بابلیون کی اطاعت پر مجبور کر دیا، اس کے
> مرنے کے بعد یمن میں وائل بن حمیر بادشاہ ہوا، اور بابل پر حسان بن حرامش بن جمیل نے
> قبضہ کر لیا، (رتیجان ملخصاً)

اس بیان کا حاصل طرز بیان کے فرق کو حذف کرنے کے بعد یہی ہوا کہ باشندگان یمن کے ایک گروہ نے
مصر پر حکومت کی یہ گروہ حمیر کا ہم خاندان تھا، اس گروہ کو ہم حم سخم اب اور اس کے خاندان سے تعلق دیکھتے ہیں،
ایک گروہ نے جو حمیر ہی کا ایک حصہ تھا، شام پر حکومت کی اسے ہم حمورابی سخم حمدی کا خاندان قرار دیکھتے ہیں جو حمیر،
ابو وائل وہ گروہ ہے جو یمن ہی میں رہ گیا، وائل بن حمیر کے معاصر حسان کا دادا جمیل بن عابر قطعاً نانخ بابل

کا عامل تن ہے، اور حستان ویڑا اچھا آدمی احمو ابی کا نام تھا، اس نام کا ترجمہ ہے کہ حمور میرا باپ ہے یعنی حمور کی نسل سے ہون،

حمیر اور حمور دونون ہم ماخذ اور ہم معنی الفاظ ہین، دونون کے معنی ہین سرخ، حمور ابی سکم حوری کے خاندان مین حضرت عیسو بن اسحاق جا بسے تو ادوم (سرخ) کہلائے، قوطاسے مصر مین بسنے والے حرتسوو (ابناء حمر) کی بابت احمد بیک کمال نے لکھا ہے کہ ان لوگون کا رنگ سرخ تھا، اس خاندان کو اپنے رنگ پر بہت ناز تھا، اس رنگ کے ہر نام کو خوبصورت کا مرادف بنا لیا گیا تھا،

مذہب حمور | حمور ابی سکم حوری کے خاندان کا وہ حصہ جو مصر پر حکومت کرتا تھا حضرت ابراہیمؑ سے پہلے بحیثیت حکمران گروہ کے ختم ہو چکا تھا، لیکن ملک شام مین اس خاندان کی آبادیان تھین اور ہر شہر بذات خود ایک سلطنت تھا، جن دنون حضرت ابراہیمؑ اس دیار مین آئے، کدرلاعمر وغیرہ بادشاہون نے حوریون کو اُن کے کوہ شعیر سے ایل فاران تک جو بیابان کے کنارے ہے مارا" (تکوین باب ۱۴) اس جنگ مین بنو حمور کے ساتھ حضرت لوطؑ بھی شریک تھے، جن کو دشمنون نے گرفتار کر لیا تھا، اس کی خبر حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی تو وہ بھی شریک جنگ ہو گئے، اور دشمنون کو شکست فاش دیکر اور تمام اسیرون کو رہائی دلا کر واپس لوٹے (تکوین باب ۱۴) بنو حمور کے ساتھ دو دو پیغمبرون کا اُن کی طرف سے شریک جنگ ہونا اور بنو حمور مین سے ایک کا حضرت ابراہیمؑ کی نظر مین محترم ہونا، اور ان مین حضرت یعقوبؑ کے بھائی بھتیجون کا بطور جزو قوم کے مدغم ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے خاندان حمور ابی سکم اور خاندان یعقوبؑ مین پہلے سے مذہبی یگانگت تھی، صرف مختون اور نامختون ہونے کا فرق رہ گیا تھا، بنو حمور حضرت ابراہیمؑ کے ہم قسم بھی تھے (تکوین باب ۱۴) اس بنا پر ہم کو باور کرنا چاہئے کہ (تکوین ۳۴: ۷) کا فقرہ جس خبر کی تردید کرتا تھا، یقینا غلط تھی اور یقیناً اس خبر کی تغلیط کے بعد حسب وعدہ برادران یوسف نے اپنی بہن کو سکم بن حمور کے ساتھ بیاہ دیا،

بنو سکم | اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام بطور غلام کے مصر مین بکتے ہین، ایک شخص

اُن کو خریدتا ہے جس کا قرآنی لقب العزیز ہے، توراۃ میں اس کا نام فوطیفر ہے (تکوین ۳۹:۱) کچھ دنوں کے بعد حضرت یوسف خود العزیز ہو جاتے ہیں، اور ان کی شادی فوطی فرع کی بیٹی سے ہو جاتی ہے (تکوین ۴۱:۴۵) ان کے خریدار اور خسر کے ناموں میں صرف ع کا فرق ہے، بہتوں کی رائے ہے کہ پہلے موقع پر

منشی نوکہ نوع را بعرز نو نوشت مین خطا کرد

فوطی فرع کے معنی ہیں نسل فوطا (پونٹ) کا فرعون، یہ شخص اپنے زمانہ کا بہا ورشاہ تھا، اور وہ شخص جس کا ذکر قرآن میں ملک مصر کی حیثیت سے آیا ہے، گویا لارڈ کلایو تھا، فوطی خاندان یا بالفاظ دیگر ہونسکم اب کے گھرانے والوں کا آفتاب اقبال ڈوب چکا تھا، وہاں اب نہ کوئی ہور حکومت کرتا تھا نہ خود نہ ابوسکم حضرت یوسف کے عزیز مصر ہونیکے بعد خاندان بنو اسرائیل سارے کا سارا مصر چلا گیا، حضرت یعقوب کے ساتھ جانے والوں میں حضرت دینہ بنت یعقوب بھی تھیں جن کے بطن سے پیدا ہونے والوں کا نام بنو سکم تھا،

حضرت یوسفؑ مصر کے بارہویں خانوادہ کے معاصر تھے، حضرت موسیٰ اٹھارہویں خانوادہ کے، اور تیرہواں اور چودہواں خانوادہ درحقیقت ہمعصر اور ایک دوسرے کو نبرد آزما نوابوں کے گھرانے تھے، جو معاصر تھے پندرہویں اور سولہویں خانوادہ کے جن کو ہکسوس کہا جاتا ہے، ستر ہواں خانوادہ نام ہے اٹھارہویں ہی خانوادہ کے اس دور کا جب وہ سولہویں خانوادہ یعنی پندرہویں خانوادہ کے دور آخر سے لڑ رہا تھا، حضرت یوسف کے بعد ملک مصر چھوٹی چھوٹی کئی ریاستوں میں منقسم ہو گیا، اس دور میں مصر کے اندر جن لوگوں نے حکومت کی ان میں سے چند کے نام احمد بک کمال کی کتاب حضارۃ القدیمہ سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

خانوادہ نمبر ۱۳	بادشاہ نمبر ۱	سخم کاری،
خانوادہ نمبر ۱۳	" ۱۶	سخم خوتاویری سبک حتپ نمبر ۳
"	" ۲۱	سخم ورتوبری " " نمبر ۴

خاندان نمبر ۱۴	بادشاہ نمبر ۲۶	مرتخم ری	ان ری،
〃	〃 ۸۱	سخم...ری	
〃 نمبر ۱۴	〃 ۲۱	سخم ری	
〃 〃	〃 ۳۱	سخم ری	
〃 〃	〃 ۳۲	سخم ری	
〃 〃	〃 ۳۸	سخم حورہری	

یہ نام بتاتے ہین کہ حورسخم اب یا حمورابی سخم حوری کی نسل پھر مصر مین برسراقتدار آئی، بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کے بعد پھر کسی سخم ری کا مصر مین سراغ نہین ملتا لیکن ارض موعود مین بنی اسرائیل کے ساتھ جن لوگون کو حصہ ملتا ہے، ان مین بنی سکم بھی نظر آتے ہین،

"منسی بن یوسف کے پہلوٹے مکیر کو چونکہ وہ جنگی مرد تھا، جلعاد اور بسن ملے، باقی بنو منسی کو بھی ان کے گھرانے کے مطابق حصہ ملا، یوسف کے بیٹے منسی کے فرزند نرینہ یہ ہین، بنی ابیعزر، بنی خلق، بنی اسری ایل، بنی سکم، بنی حفر، اور بنی سمدع،" (یشوع ۱۶:۲)

سفر یوشع کے جامع نے بنو سکم کو بنی منسی کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے بنو منسی مین گنا ہے، ممکن ہے کہ ان بنو شکم کے ایک ایک فرد کا مادری نسب منسی بن یوسف تک منتہی ہو گیا ہو، لیکن یہ لوگ شکم بن حمور اور دینہ بنت یعقوب کی اولاد سے تھے، چنانچہ سفر قضاۃ مین ہے کہ ابی ملک بن یربعل جد عون ابی عزری سے جب کہ وہ بادشاہ ہوا، بنو شکم کا گورنر ایک شخص زبول کو مقرر کیا اُس پر جعل بن عبد نے کہا،

" کیا چیز ہے شکم اور کیا چیز ہے ابی ملک، ہم اس کی بندگی کیون کرین، کیا وہ یربعل کا بیٹا نہین ہے، کیا زبول اس کا منصبدار نہین ہے، تم لوگ حمور ابی سکم کے آدمیون کی بندگی کرو" (قضاۃ ۹:۲۸)

اس سے ثابت ہو کہ خود بنوسکم اپنے آپ کو بنو منسی نہیں بلکہ بنو حمور ابی سکم کہتے تھے جعل بن عبد کے بھڑکانے سے بنو سکم نے بغاوت کر دی جعل بن عبد نے ابی ملک کو چیلنج دیا کہ اپنی فوجین کثیر کرا ور لڑنے کو آ (قاضیون ۹: ۲۹) چنانچہ جنگ ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ جعل بن عبد نے شکست کھائی، اور راہ فرار اختیار کی، (قاضیون ۹: ۲۹) ابی ملک نے شہر کو ڈھاکے خاک سیاہ کر دیا (۹: ۴۵) سکم کے برج مین جتنے لوگ تھے جل مرے، (۹: ۴۹) اس واقعہ کے بعد سے بنوسکم پھر بنو اسرائیل کے ساتھ نظر نہین آتے،

یہ واقعہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ سے تقریباً ۱۵۰ برس پہلے کا ہے، اسی زمانہ مین بنوشکم کی اصل نسل کی بابت بنو اسرائیل کے تعصب نے (تکوین ۳۴: ۷) کی تکذیب خبر کو از سر نو شہرت دی، اور وہ خبر یہ تھی، کہ شکم اور دینہ کا ایک دوسرے سے جائز تعلق نہین تھا، شکم کے ساتھ دینہ کی شادی نہین ہوئی تھی، بلکہ واقعہ یہ تھا کہ شکم نے دینہ کو دیکھا تھا،

ویقح اوتاہ، ویشکب اوتاہ ویعنہ، اور اسے لیا، اور اس کے ساتھ سویا، اور اس پر جبر کیا، (۳۴-۲)

نکاح کی بات چیت جو ہوئی تھی، اور شرط ختنہ کے ساتھ فرزندان یعقوب نے جو وعدہ کیا تھا، وہ ان کا فریب تھا، (۳۴: ۱۳) اس فریب مین آکر سارے اہل شہر نے اپنا اپنا ختنہ کرایا، تیسرے دن جب سب مرد مبتلائے درد تھے، شمعون اور لاوی نے شکم اور حمور اور سارے مردون کو قتل کر دیا، دینہ کو اور خاندان حمور کی عورتون اور بچون کو لوٹ لائے، اس پر حضرت یعقوبؑ نے اظہار ناراضی کیا، تو انھون نے حضرت یعقوبؑ کو یہ کہکر قائل کیا، کیا اسے مناسب تھا کہ ہماری بہن کے ساتھ بازاری عورت کا سا برتاؤ کرتا، (تکوین ۳۴: ۲۵ تا ۳۱ ملخصا) جامع تکوین نے اس جھوٹے قصہ کو بھی بطور تفسیر آیتون کے درمیان لکھ لیا، جہان تک دو آدمیون کے شہر بھر کو قتل کر دینے کی خبر کا تعلق ہے، اس ناممکن کو یون ممکن بنایا گیا، کہ اس قصہ کو واقعہ ختنہ کے بعد رکھا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ عورتین اور بچے کیون نہ ان دو مردون کا

ٹوٹ پڑے، علاوہ بریں یہ بیان حضرت یعقوبؑ کے اس الہامی قول کے خلاف ہے کہ

ہر جو ایش خون کیا ایک آدمی کا

وعقر وشور کونچین کاٹیں (ایک) بیل کی،

اگر ایک سے زیادہ بیل اور آدمی کا انھوں نے خون کیا ہوتا، تو اس میں ایش اور شور کی بجائے "نشیم" "اور شوریم" ہوتا،

(۲:۳۴) کا فقرہ و یعنہ (اسے ستایا، اس پر جبر کیا،) (۳:۳۴) کے اس فقرے کے خلاف ہے کہ

و یدبر علی لب ھنعرا

اور بولا اوپر دل چھوکری (کے)

ان دونوں فقروں کے تضاد کو تبدیل ترجمہ کے زور سے دفع کیا گیا ہے، اردو اور انگریزی ترجموں پر بحث کی چنداں ضرورت نہیں، (۳:۳۴) کے فقرے کا عربی بائبل میں ترجمہ کیا گیا ہے، لاطفہا "یعنی اسکے ساتھ مہربانی کی، حالانکہ اس کا لغوی ترجمہ یہ ہوسکتا تھا،

وتکلم علی قلب الفتاة

یا محاورہ قرآنی الفاظ میں اس کا ترجمہ کیا جا سکتا تھا،

و قد شغفها حُبّا،

(اس عورت کے شغاف دل میں اس کی محبت بس گئی،)

اس کے ترجمہ میں تحریف تو کی ہی گئی (۲:۳۴) کے آخری فقرہ کی بھی ترجمہ میں اصلاح کی گئی، دیعنہ کا صحیح ترجمہ ہے اُسے دکھ دیا، یا اس پر جبر کیا، لیکن اس کا ترجمہ عربی میں (اذلہا) اور اردو میں (بے حرمت کیا اسے) کیا گیا ہے،

(۳۴:۲) کا پورا مضمون ۳۴: ۷ کے اسی فقرہ کا ضد ہے، کہ

و کین لا یعشہ

اور ایسا نہین کیا اُس نے

عشہ (کیا اُس نے) یعشہ (کرتا ہے وہ) واؤ عطف نے مضارع کو ماضی بنا دیا، عربی ترجمہ اس کا یہ کیا گیا ہے

و ھکذا لا یصنع

اور ایسا نہین کیا جاتا

اگر مراد یہی ہوتی تو یعشہ کی جگہ عشہ ہوتا، ان آیتون مین تضاد کے پائے جانے سے یہ فیصلہ کرنا چاہئے تھا، کہ قصہ کا نامناسب جز اصل کے برخلاف جھوٹی روایتون کا اضافہ ہے، لیکن چونکہ اس زائد قبیح کی بابت بھی مترجمین کا یہ عقیدہ ہے کہ

ھو من عند اللہ، وہ اللہ کی طرف سے ہے،

اس نے بزور ترجمہ دونون کے تضاد کو رفع کر دیا گیا لیکن اس کے باوجود کوئی مفسر توراۃ یہ نہین بتاتا، کہ اگر شمعون اور لاوی نے اس جرم کی پاداش مین جو سِکم سے سرزد ہوا تھا،

ہرجو ایش ایک آدمی کا خون کیا،

وعقرو شور اور ایک بیل کو کاٹ دیا،

تو کون سا اخلاقی جرم کیا جس کی بنا پر حضرت یعقوب کی زبان وحی ترجمان ان دونون پر اتنا برہم ہوئی، کہ اُن کے قہر پر لعنت کی اور لوگون کو ان کے جتھے مین شرکت سے منع کیا، اور دونون کی نسل کو ہمیشہ بنی یعقوب مین بکھیرے رکھنے کی پیشین گوئی کی کہ یہ لوگ کبھی ایک مضبوط جتھا بن کر اپنی جداگانہ ہستی قائم نہ رکھ سکین گے،

اس اضافہ کے غلط ہونے کا سنگ شیام نہایت واضح ثبوت ہے، (باقی)

یحیٰ بن آدم اور ان کی کتاب الخراج

از

جناب مولوی حافظ حبیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

خراج اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک شعبہ ہے، اس کا قیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی مین ہو چکا تھا حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ مین اس مین کوئی خاص تغیر نہین ہوا حضرت عمرؓ نے البتہ حکومت کے دوسرے شعبون کی طرح اس کو ایک حد تک منظم کیا، اور اس کے انتظام مین بہت سے تغیرات کئے، اس کے بعد سے برابر اس شعبہ مین اصلاح و ترقی ہوتی رہی، لیکن ڈیڑھ صدی تک اس کا کوئی مکمل تحریری دستور مرتب نہین ہوا، ۱۷۰ھ مین جب ہارون خلیفہ ہوا، تو اس نے اس کام کی طرف توجہ کی، اور قاضی ابو یوسف سے اس موضوع پر ایک خاص کتاب لکھنے کی درخواست کی، انھون نے اس مبارک کام کو اپنے ذمہ لیا، اور کتاب الخراج کے نام سے ایک کتاب لکھ کر ہارون کے سامنے پیش کی، کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ کتاب صرف خراج یعنی اسلامی زرعی ٹیکس سے متعلق ہوگی، لیکن ایسا نہین ہے بلکہ یہ کتاب اسلامی حکومت کی مالی آمدنی کا ایک مکمل دستور ہے،

امام ابو یوسف ہی کے زمانہ یا اس کے قریب قریب اس موضوع پر متعدد کتابین لکھی گئین جن مین یحیٰ بن آدم کی کتاب الخراج اور ابو عبید کی کتاب الاموال زیادہ مشہور ہین،

اول الذکر یعنی امام ابو یوسف اور ان کی کتاب سے ہر خاص و عام واقف ہے لیکن ثانی الذکر مصنفین کی شخصیت اور ان کے کارنامون سے کم لوگ واقف ہین، اس لئے اس مضمون مین انکی

دونوں اماموں کے سوانح حیات اور ان کے علمی کارناموں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

یحییٰ بن آدم | یحییٰ نام ابوزکریا کنیت، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، یحییٰ بن آدم بن سلیمان[1] الاموی[2] یحییٰ کے دادا سلیمان کا کوئی تذکرہ رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا، ان کے والد آدم البتہ حدیث کے ثقہ راویوں میں ہیں، ابن سعد اور تہذیب میں ان کا تذکرہ موجود ہے، صحیح مسلم میں وکیع کی سند سے اُن کی ایک روایت بھی موجود ہے،

سنہ ولادت | اہلِ تذکرہ نے یحییٰ کے سنِ ولادت کی کوئی تصریح نہیں کی ہے، لیکن بعض قوی قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ ۱۴۰ھ یا اس کے کچھ قبل یا بعد ان کی ولادت ہوئی، وہ قرائن یہ ہیں،

۱- تمام اہلِ تذکرہ متفق ہیں، کہ ان کی وفات ۲۰۳ھ میں ہوئی،

۲- اُن کے قدیم شیوخ میں مسعر بن کدام متوفی ۱۵۵ھ یا ۱۵۳ھ اور قطر بن خلیفہ متوفی ۱۵۵ھ ہیں، اس حساب سے ان کے اور یحییٰ کے سنہ وفات میں تقریباً ۵۰ برس کا فرق ہے،

۳- یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت تک بالکل چھوٹے بچوں کو سماعِ حدیث (حدیث سنانے) کا دستور نہیں شروع ہوا تھا، بلکہ جب وہ سنِ شعور کو پہنچ جاتے تھے تب شیوخ انھیں اپنے حلقۂ درس میں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۵، امام نووی نے آدم اور سلیمان کے درمیان علی کے نام کا اضافہ کیا ہے، جو عام تذکروں کے بیان کے خلاف ہے [2] اموی نسبت ولائی ہے نسبی نہیں یعنی ان کے والد آدم خالد بن خالد اموی کے غلام تھے، اس وقت یہ عام دستور تھا کہ غلام اپنے آقا کی نسبت کے ساتھ منسوب ہوتے تھے، اس طرح یحییٰ بھی غلامانِ اسلام کی فہرست میں داخل ہیں لیکن خود خالد اور اس کے باپ اور دادا کے متعلق اہلِ تذکرہ خاموش ہیں۔ خالد کا جدِ اعلیٰ عقبہ بن معیط جو رسول اللہؐ کی دشمنی میں مشہور تھا، بدر کے روز گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا، البتہ اس کے لڑکے ولید نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ خالد کا مختصر تذکرہ ابن سعد نے کیا ہے (ج ۶ ص ۲۴۳)۔

[3] تہذیب جلد اول ص ۱۹۶

لیتے تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ مسعر بن کدام (م ۱۵۲ھ یا ۱۵۳ھ) وغیرہ سے سماع کے وقت کم از کم ان کی عمر ۱۵ برس کی رہی ہوگی،

اس اعتبار سے اگر مسعر بن کدام کی وفات کا ۱۵۳ھ قرار دیا جائے تو وفات کے وقت یحییٰ کی عمر ۱۵ سال اور اگر ۱۵۲ھ قرار دیا جائے تو ۱۴ برس کی تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ ان کا سنہ ولادت ۱۳۸ھ یا ۱۴۰ھ قرار دینا پڑے گا، واللہ اعلم بالصواب،

تعلیم و تربیت تذکروں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اُن کی تعلیم و تربیت کہاں اور کس کی نگرانی میں ہوئی، اور انھوں نے کیا کیا علوم حاصل کئے لیکن اُن کے شیوخ کی فہرست اور ان کی کتاب کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے خالص دینی علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی تھی، اور اس کے حصول کے لئے تقریباً تمام علمی مراکز مثلاً مکہ، مدینہ، کوفہ، حمص وغیرہ میں پہنچے، اور خصوصیت سے قرآن، حدیث اور کسی حد تک فقہ میں بھی دسترس بہم پہنچائی،

اُن کے شیوخ کی فہرست میں حمزہ بن حبیب الزیات بھی ہیں، جو علم قرأت کے امام ہیں اُن کے تلمذ کی وجہ سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید انھوں نے علم قرأت میں بھی کچھ دستگاہ بہم پہنچائی ہو،

شیوخ کی فہرست اُن کے شیوخ کے جو نام مل سکے ہیں، اُن کی تعداد ۹۰ ہے جن میں سو ۴۳ سے انھوں نے کتاب الخراج میں اور باقی، اسے دوسری کتابوں میں روایت کی ہے، ان کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

ابراہیم بن حمید بن عبدالرحمن الرؤاسی - ابراہیم بن حمید الزبرقانی التیمی، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی، اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم بن علیہ، اسمٰعیل بن عیاش بن سلم العنسی الحمصی - ابوایاس (عبدالملک بن جریر)، ایوب بن جابر بن سیار الحنفی السحیمی الیمامی - ابوبکر ابن عیاش بن سالم الاسدی، ابوبکر بن النہشلی الکوفی، جریر بن عبدالحمید الضبی، جعفر بن زیاد الاحمر،

حاتم بن اسماعیل المدنی الحارثی - حبان بن علی العنزی الکوفی - حسن بن ثابت الثعلبی الاحول - الحسن ابن صالح بن صالح بن حی ابو عبد اللہ الثوری الکوفی - الحسن بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی، حسین بن زید بن علی بن الحسین - حفص بن غیاث بن طلق القاضی - حماد بن زید بن درہم - حماد بن سلمہ ابن دینار ابو سلمہ - حمید بن عبد الرحمٰن بن حمید الرواسی - زہیر بن معاویہ الجعفی الکوفی - زیاد بن عبد اللہ بن الطفیل البکائی، سعید بن سالم بن ابی الہیفار - سعد بن عبد الجبار الزبیدی الحمصی، سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الامام - سفیان بن عیینہ بن ابی عمران الہلالی - سلام بن سلیم ابو الاحوص الحنفی الکوفی - سنان بن ہارون البرجمی - شریک بن عبد اللہ بن ابی شریک القاضی النخعی - الصلت بن عبد الرحمٰن الزبیدی، عباد بن العوام بن عمر، عبثر بن القاسم الزبیدی ابو زبید، عبد اللہ بن ادریس بن یزید الاودی - عبد اللہ بن المبارک، عبد ربہ بن نافع الکنانی ابو شہاب الحناط الاصغر - عبد الرحمٰن بن حمید بن عبد الرحمٰن الرواسی - عبد الرحمٰن بن ابی الزناد - عبد الرحمٰن القاری عبد الرحیم بن سلیمان المروزی الاشل - عبد السلام بن حرب بن سلم الکوفی - عبد الملک بن جریۃ ابو ایاس - عبدۃ بن سلیمان الکلابی - عبید اللہ بن عبید الرحمٰن الاشجعی - عتاب بن بشیر الجزری - عثمان بن مقسم البری - علی بن ہاشم بن البرید - عمار بن رزیق الضبی ابو الاحوص الکوفی - عمر بن ہارون الخراسانی البلخی - عمرو بن ثابت بن ہرمز بن ابی المقدام، فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر التیمی - قرآن بن تمام الاسدی الوالبی - قیس بن الربیع الاسدی، مبارک بن فضالہ - محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی صاحب ابی حنیفۃ - محمد بن خازم التیمی ابو معاویۃ الضریر - محمد بن طلحہ بن مصرف الیامی - محمد بن فضیل بن غزوان الضبی - مسعود بن سعد الجعفی الکوفی مفضل بن صدقہ الکوفی ابو حماد الحنفی - مفضل بن مہلہل السعدی ابو عبد الرحمٰن - مندل بن علی العنزی الکوفی - ہشیم بن بشیر بن القاسم السلمی ابو معاویہ - ابن واقد المدنی - ورقاء بن عمر بن کلیب الیشکری

ابن مبارک کے شیخ ہیں۔ وضاح بن عبد اللہ الیشکری ابو عوانہ۔ وکیع بن الجراح بن ملیح الرواسی،
وہیب بن خالد بن عجلان الباہلی۔ یحیٰی بن زکریا بن ابی زائدہ۔ یزید بن ابراہیم التستری ابو سعید۔ یزید
ابن عبد العزیز بن سیاہ الاسدی الحمانی۔ یونس بن یزید۔ بن ابی النجاد الایلی۔

یہ ان شیوخ کی فہرست تھی۔ جن سے انھوں نے کتاب الخراج میں روایت کی ہے، کتاب الخراج
کے علاوہ جن شیوخ سے روایت کی ہے، ان کے نام یہ ہیں۔

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری۔ بشر بن السری ابو عمرو الافوہ۔ جریر بن حازم بن عبد اللہ
الازدی۔ حسین بن علی بن الولید الجعفی۔ حمزہ بن حبیب الزیات۔ سعید بن سالم القداح ابو عثمان
المکی۔ عبد اللہ بن عثمان البصری۔ عبد العزیز بن سیاہ الاسدی الحمانی۔ عیسیٰ بن طہمان فضیل بن
مرزوق الاغر۔ قطر بن خلیفۃ المخزومی الحناط۔ قطبہ بن عبد العزیز بن سیاہ۔ مالک بن مغول بن
عاصم البجلی۔ محمد بن اسماعیل بن رجاء الزبیدی الکوفی۔ مسعر بن الکدام بن ظہیر العامری۔ موسیٰ بن
قیس الحضرمی الفراء عصفور الجنۃ۔ یونس بن ابی اسحاق السبیعی۔

ان شیوخ میں بعض ایسے لوگوں کے نام بھی ہیں۔ جو اُن کے اصحاب و احباب میں شمار ہوتے ہیں،
مثلاً حسن بن صالح جن سے انھوں نے تقریباً پچاس سے زاید جگہ روایت کی ہے۔ لیکن ابن حزم
نے ان کو یحییٰ کے اصحاب میں شمار کیا ہے،

محدثین کے دستور کے مطابق انھوں نے[1] اپنے معصروں اور چھوٹوں سے بھی روایتیں کی ہیں۔ اور بعض
جگہ تو باپ اور بیٹے دونوں سے روایت کرتے ہیں۔ مثلاً عبد الرحمن بن حمید الرواسی سے بھی روایت کی ہے
اور ان کے لڑکے حمید سے بھی اُسی طرح عبد العزیز بن سیاہ، اور ان کے دونوں لڑکے یزید اور قطبہ
سے روایتیں کی ہیں،

---

[1] محدثین کو اگر اپنے اصاغر سے بھی روایتیں مل جاتی تھیں۔ تو وہ روایت کر لیتے تھے،

تلامذہ یحییٰ کی روایات اور اُن کے تلامذہ کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا حلقۂ درس وسیع رہا ہوگا، لیکن اہل تذکرہ میں سے کسی نے بھی اُن کے درس و تدریس کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے، ان کے تلامذہ کی فہرست میں بعض بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین بھی شامل ہیں۔ تلامذہ کی فہرست بہت لمبی ہے، ان میں سے چند نام درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے صحاح میں روایت موجود ہے،

احمد بن ابی رجا عبداللہ الہروی۔ احمد بن سلیمان الرہاوی۔ احمد بن عمر الواقدی۔ احمد بن محمد بن حنبل۔ اسحاق بن ابراہیم البخاری۔ اسحاق بن راہویہ مشہور امام حدیث۔ بشر بن خالد العسکری، حسن ابن علی بن عفان العامری۔ الحسن بن علی الخلال حافظ حدیث۔ الحسین بن علی بن الاسود العجلی۔ حفص بن عمر المہرقانی یہ ابو حاتم اور ابو زرعہ کے شیخ ہیں۔ سفیان بن وکیع بن الجراح۔ عباس بن حسین القنطری، ابوبکر عبداللہ بن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد المسندی عبدالاعلیٰ بن واصل الاسدی۔ عبدالرحمن بن صالح الازدی عبد بن حمید۔ عبدہ بن عبداللہ الخزاعی الصفار۔ عبید بن یعیش المحاملی، عثمان بن ابی شیبہ۔ عصمۃ بن الفضل النیشاپوری۔ علی بن عبداللہ بن المدینی۔ علی بن محمد الطنافسی۔ محمد بن اسمٰعیل ابوبکر بن علیہ۔ محمد بن عبداللہ بن المبارک المخرمی۔ محمد بن رافع النیشاپوری۔ ابوکریب محمد بن العلاء الہمدانی محمد بن عمر بن الولید الکندی، محمد بن الولید بن ابی ولید الثقفی محمود بن غیلان المروزی، موسیٰ بن حزام مشہور فقیہ تھے، موسیٰ بن عبدالرحمن المسروقی۔ ہارون بن عبداللہ الحمال حافظ حدیث تھے۔ واصل بن عبدالاعلیٰ ابن ہلال الاسدی۔ یحییٰ بن معین۔ جرح و تعدیل کے امام تھے،

دربار سے بے تعلقی یحییٰ نے تقریباً ۵ خلفاء منصور، ہادی۔ مہدی۔ ہارون، امین، مامون کا زمانہ پایا، لیکن ان میں سے کسی خلیفہ کے دربار سے انھوں نے اپنا تعلق قائم نہیں کیا۔ اور نہ حکومت کا کوئی عہدہ قبول کیا۔

علم و فضل | علم و فضل کے لحاظ سے یحییٰ ممتاز حیثیت رکھتے تھے، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ سابعہ میں شمار کیا ہے جس میں امام شافعی، عبد الرحمٰن بن مہدی، ابوداؤد طیالسی وغیرہ ہیں۔

امام ذہبی نے علی بن المدینی سے جو ائمہ، حدیث میں سے ہیں۔ روایت کی ہے، کہ حدیث کی سند کا مدار زیادہ تر چھ آدمیوں پر ہے، اہل مدینہ میں ابن شہاب زہری۔ اہل مکہ سے عمرو بن دینار۔ اہل بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر اہل کوفہ میں ابو اسحاق اور اعمش، پھر ان چھ کا علم ان بارہ آدمیوں میں پھیلا، اہل مدینہ میں امام مالک اور ابن اسحاق اور اہل مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ اور اہل بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ وحماد بن سلمہ و ابو عوانہ و شعبہ و معمر اور اہل کوفہ میں سفیان ثوری اور اہل شام میں امام اوزاعی اور واسط میں ہشیم پھر ان ائمہ کا علم تین آدمیوں یحییٰ القطان یحییٰ بن زکریا۔ اور وکیع بن جراح میں سمٹ آیا، اور پھر ان تینوں سے یہ امانت عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن آدم کی طرف منتقل ہوئی،[1]

یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ کثیر الحدیث اور بہت بڑے فقیہ تھے، حالانکہ ان کا سن بہت زیادہ نہیں تھا، علی بن المدینی فرمایا کرتے تھے، کہ ان کے پاس علم تھا، ابو اسامہ فرماتے ہیں، کہ میں جب یحییٰ بن آدم کو دیکھتا ہوں تو امام شعبی یاد آجاتے ہیں، یعنی وہ امام شعبی کی طرح جامع العلوم تھے، ابن سعد، یحییٰ بن معین، ابو حاتم، ابن حبان وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے یحییٰ بن ابی شیبہ کے الفاظ میں کہ ثقہ، صدوق، ثبت، حجۃ،[2] یحییٰ قابل اعتماد اور حجۃ تھے، ان کے علم و فضل کے متعلق ان ائمہ کی رائے سب سے بڑی سند ہے،

مسلک | ان کے زمانہ تک تحزب اور عامیانہ تقلید کا دور شروع نہیں ہوا تھا، اور نہ اس وقت محدثین اور فقہاء اپنے لئے اس لقب کو پسند کرتے تھے، بلکہ علماء قرآن اور حدیث و آثار کی روشنی میں اپنی بصیرت کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۳۰ [2] ایضاً ص ۳۳۰ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۵،

مطابق فتوی دیتے تھے، اگر کسی مسئلہ میں وہ خود رائے قائم نہیں کرپاتے تھے، تو ائمہ میں سے جن کی رائے انھیں پسند ہوتی اس کو اختیار کر لیتے تھے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں تشنگان علم بغیر کسی عصبیت[1] تحزب و تعصب کے مختلف شیوخ سے سماع حدیث مختلف الخیال فقہا کی خدمت میں جاکر تحصیل فقہ کرتے تھے اسلئے انکو ان کے رنگ تقلید و تنگ نظری پیدا نہیں ہونے پاتی تھی، امام محمد حدیث میں امام مالک کے شاگرد تھے، اسد بن فرات اور امام شافعی نے امام محمد سے فقہ کی تحصیل کی تھی۔ خود امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے درمیان علمی مذاکرے ہوتے رہتے تھے، امام احمد بن حنبل امام ابو یوسف کے شاگرد تھے، ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں،

یحییٰ بن آدم نے بھی مختلف الخیال محدثین اور فقہا سے تحصیل علم کی تھی ایک طرف وہ امام محمد سے روایت کرتے ہیں، دوسری طرف حسن بن صالح کے جن کو امام محمد سے شدید اختلاف تھا، خاص تلامذہ میں تھے، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ کسی خاص امام کے مسلک کے پابند نہیں ہو سکے، اور نہ انھوں نے اپنی کتاب کو کسی خاص مسلک تک محدود رکھا۔ ان کے مسلک کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ان کا تعلق محدثین کی جماعت سے تھا۔ چنانچہ کتاب میں جہاں جہاں عندنا یا عند اصحابنا یا جماعۃ من اصحابنا وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ مسائل میں ان کا نقطۂ نظر محدثانہ تھا،

---

[1] اس وقت تک دو مسلک حنفی اور مالکی رواج پاچکے تھے یحییٰ اپنی کتاب میں دونوں میں سے ہر ایک کی کسی جگہ موافقت اور کسی جگہ مخالفت کرتے ہیں ۵۲ ص ۱۷، ص ۱۲۵، اور ص ۱۴۰ میں اس کی تصریح موجود ہے

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، قیمت :- ہے

"منیجر"

ادبیات

عید قربان

از جناب سید محمود حسن قیصر امروہوی

اے مسلمان! ہو مبارک عید قربانی تجھے
یہ نشاط روح یہ تقریب ایمانی تجھے

نذر ہو تیری قبول بارگاہ کردگار
جادۂ حق و صداقت پر رہے تو استوار

اے کہ تو ہے منزل عزم و عمل سے دور تر

عید قربان کے معانی سے نہیں تو بہرہ ور

تو سمجھتا ہے کہ چہرہ کی بشاشت عید ہے
پان کی لالی میں ہونٹوں کی طراوت عید ہے

عید کو سمجھا ہے تو ملبوس دیبا و حریر
عید ہے تیری نظر میں ایک جشن دلپذیر

مانگ چوٹی، عطر، غازہ، طرۂ تاج و کلاہ
عید قربان کا یہی مقصد ہے کیا اے کم نگاہ؟

کیا مذاق نغمہ و مے، لطف صحبت عید ہے؟
مہوشوں کی بزم میں حرف حکایت عید ہے؟

التفات بت بہ طرز محرمانہ عید ہے؟
عشوۂ و انداز و ناز دلبرانہ عید ہے؟

تو سمجھتا ہے شکوہ بادشاہی عید ہے
طنطنہ نخوت، تبختر، کج کلاہی عید ہے؟

تندخوئی، تمکنت، عجب و تفاخر، برتری
سچ بتا! کیا عید ہے مرد مسلمان کی یہی

عید اک انعام ایزد ہے مجاہد کے لئے !

بندگیِ حق کا اک تمغہ ہے عابد کے لئے !

بندۂ زر کے لئے توقیر و خلعت عید ہے — مردِ حق کو غازۂ خونِ شہادت عید ہے
مژدۂ نصرت، نوید کامرانی عید ہے — جرأتِ حق، عزم و ہمت کی جوانی عید ہے

آ دکھاتا ہوں تجھے اہلِ وفا کا حوصلا!
ہے منیٰ میں آج جشنِ عید قربانی بپا!

آ رہا ہے سر جھکائے ایک مردِ حق نیوش — رہبرِ عزم و طلب، غازی مجاہد سرفروش
شاد و خرم مطمئن، بشاش، خندان، سرخرو — موجزن رُخ پر نشاطِ کامرانی کا لہو
سرو قامت، نرم سیر، آہستہ رو، فرخندہ گام — پاک طینت، پاک باطن، پاک دل، نیکو مرام
رُخ پہ گردِ راہِ منزل غازۂ روی حیات — ماتھے پر قطرے عرق کے آبروی کائنات
صرصرِ باطل میں وہ ایمان کا تابندہ چراغ — شرک کی محراب میں اخلاص کا روشن ایاغ
پیاس سے سوکھے ہوئے لب ذکرِ حق سے تر زبان — قوتِ کونین بازو میں بظاہر ناتوان
حرفِ شکرِ حق زبان پر، ہاتھ میں تیغِ ورن — قلزمِ اخلاص کا سینہ میں طوفان موجزن
مرضیِ مولا کو تاجِ مکرمت سمجھے ہوئے — حکمِ ذبحِ لختِ دل کو مرحمت سمجھے ہوئے
ضبط کے ماتھے پہ ہمت نے شکن آنے نہ دی — بے تامل پھیر دی بیٹے کی گردن پر چھری
رہ گئے ششدر، ملک، تھرّا اٹھے ارض و سما — غش ہوئے لوح و قلم، ہلنے لگا عرشِ خدا

ساحتِ تقدیس میں گونجی صدائے آفرین
جھک گئی عزمِ خلیلی پر دو عالم کی جبین

غزل

جناب شفیق صدیقی جونپوری

وہ سعیِ ضبط کبھی، آہ نا تمام کبھی — خدا دکھائے نہ دشمن کو بھی وہ شام کبھی

روان دوان ہے شب و روز قافلہ اپنا	ہوا نہ فیصلۂ منزل و مقام کبھی
چمن کے پھولوں میں بھی اب نہیں وہ رنگینی	تھے آشیانے کے تنکے بھی لالہ فام کبھی
یہ کہہ کے آخری محفل میں رو دیا ساقی	کہ پی لو آج سے ہوگا نہ دورِ جام کبھی
انہی کے ساتھ گئی ان کے شہر کی رونق	گلی گلی تھی معطرکنِ مشام کبھی
طوافِ خیمۂ محبوب کو زمانہ ہوا	وہ بھولتی نہیں وادی کی صبح و شام کبھی
ہزار بار گئی تا درِ حبیب صبا	نہ لے گئی دلِ بیمار کا پیام کبھی
مہک رہے ہیں ابھی تک مرے در و دیوار	بکھر گیا تھا وہ گیسوئے مشک فام کبھی
عجب طویل کہانی ہے اے مرے قاصد	کہ ساری عمر لکھوں خط نہ ہو تمام کبھی
نسیمِ صبح ہمارا سلام کہہ دینا	اگر ملے وہ نگارِ چمن مقام کبھی
کبھی کبھی وہ جگہ یاد آہی جاتی ہے	جہاں ہوئی تھی مرے قافلے کی شام کبھی
ہم اجنبی نہیں اے ساکنانِ کوچۂ دوست	اسی گلی میں ہمارا بھی تھا قیام کبھی
سلام رہ گذرِ شوق کی ہواؤں کو	اسی طرف سے گیا تھا وہ خوش خرام کبھی
نہ میرے خانۂ ویران میں چاندنی آئی	نہ بن سکا کوئی جگنو چراغِ شام کبھی
خوشی گلے سے لگانے کو بار بار آئی	گیا نہ دل سے ترے غم کا احترام کبھی

شفیق سے بھی ہیں یارانِ میکدہ واقف
یہ پاکباز ہوا تھا شریکِ جام کبھی

باب التقریظ والانتقاد

ترجمان السنۃ

"از مولانا بدر عالم صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۵۹۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت

مجلد بارہ روپئے، غیر مجلد دس روپیے، پتہ: ندوۃ المصنفین دہلی،

ندوۃ المصنفین دہلی بہت دنون سے اسلامی لٹریچر کی قابلِ قدر خدمت انجام دے رہا ہے حال مین ایک تازہ کتاب ترجمان السنہ شائع ہوئی ہے، اس کے مؤلف استاذ الحدیث مولانا محمد بدر عالم صاحب ہین، انھون نے موجودہ زمانہ کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے، احادیث کی نئی ترتیب فرمائی ہے، خدا ان کو جزائے خیر دے، اور دوسرے اہلِ علم کو ان کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے، مصنف نے پیش لفظ مین نئی ترتیب کی ضرورت بتاتے ہوئے ٹھیک فرمایا ہے کہ

"اگر امام بخاری اس زمانہ مین ہوتے، تو اپنی مجتہدانہ شان، دقت رسی، دقیقہ سنجی، اور امت کی ضرورتون کے متعلق صحیح نبض شناسی اور دردمندی کی وجہ سے اپنے بابون ترجمون اور عنوانون کا رُخ جہمیت و اعتزال کی تردید کے بجائے یقیناً انہی مسائل کی طرف پھیر دیتے، جو ہمارے وقت کے الجھے ہوئے مسائل کہلاتے ہین،" (ص ۱۱)

یہ بالکل صحیح ہے کہ زمانہ کی ضروریات کے پیشِ نظر فقہ و حدیث کی نئی ترتیب نہایت ضروری ہے، اسلام ہماری تمام مشکلات کو حل کر سکتا ہے، اور کوئی الجھا ہوا مسئلہ ایسا نہین ہے جس کے سلجھانے سے

احادیث شریفہ عاجز ہون، ضرورت ہے کہ عہد حاضر کے مسائل اور شریعت دونون سے یکسان واقفیت رکھنے والے اصحاب صرف مسلمانون ہی کے مفاد کے لئے نہین بلکہ تمام عالم کی بھلائی کے لئے احادیث وفقہ کی از سر نو ترتیب و تبویب مین فاضل مصنف کا ہاتھ بٹائین، یہ کام ایسا نہین ہے جس کو تنہا ایک شخص انجام دے سکے،

فاضل مؤلف نے پیش لفظ مین اعتراف کیا ہے کہ انھون نے احادیث کے قبول کرنے مین نہ اتنی وسعت اختیار کی ہے کہ احادیث موضوعہ تک اس مین شامل ہوجائین، نہ اتنی شدت برتی ہے کہ احادیث کا ذخیرہ تلاش کرنا مشکل ہوجائے، جن احادیث کو کسی معتمد محدث نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے، ان کو قبول کیا ہے،

مؤلف کا یہ اصول درست ہے اور اس کی معقولیت پر انھون نے جو دلیلین دی ہین، وہ بجا ہین، لیکن یہ زمانہ تشکیک اور شبہات کا ہے، اس لئے ہم کو قبول احادیث مین متشککین کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے جو احادیث صحیحین سے ماخوذ ہین، ان کا حوالہ کافی ہے، لیکن ترمذی کی حدیثون کے ساتھ (رواہ الترمذی) لکھنا کافی نہین ہے، بلکہ ان پر امام ترمذی نے جو حکم لگایا ہے، وہ بھی نقل کرنا چاہئے تھا، اور کتابون کی احادیث کے متعلق یہ بتانے کی ضرورت نہین ہے، کہ اس کے حسن یا صحیح ہونے پر کس امام نے نص فرمائی ہے، امید ہے کہ آیندہ اشاعت کے وقت فاضل مصنف اس کو ملحوظ رکھین گے، چونکہ مقدمہ مین مؤلف نے عجلت کا ذکر کیا ہے، اس لئے یہ کوتاہی سردست قابل درگذر ہے،

صفحہ ۱۲ سے ۲۷ تک مؤلف نے حدیث افتراق امت کی اسناد اور اس حدیث کی صحت کے کے معنوی قرائن پر نظر ڈالی ہے، اس باب مین جو کچھ لکھا ہے، وہ قابل قدر ہے، اس سلسلہ مین ص ۳۰ پر ابو واقد لیثی کی ایک حدیث کا ترجمہ دیا ہے، اس مین غالباً طباعت کی غلطی سے حدیبیہ کی جگہ خیبر چھپ گیا ہے، چونکہ مؤلف نے حدیث کا حوالہ اس جگہ نہین دیا ہے، اس لئے ہم تحقیق نہ کرسکے، کہ یہ غلطی طباعت کی ہے، یا کسی روایت ہی مین حدیبیہ کے بجائے خیبر ہے، اگر اصل روایت مین خیبر ہے، تب بھی حاشیہ مین اصلاح ضروری تھی کیونکہ جس درخت کا ذکر ہے، وہ ذات انواط کہلاتا تھا، اور مکہ اور

حدیبیہ کے درمیان واقع تھا نہ کہ مدینہ اور خیبر کے درمیان،

ص ۲۳ سے ص ۶۲ تک مصنف نے لفظ اختلاف کی توضیح فرمائی ہے، پھر ص ۹۰ تک فرقہ ہائے مختلفہ کی تعیین کی سرخی کے ماتحت یہ بتایا ہے کہ ان فرقوں کی کسی حدیث میں تعیین نہیں کی گئی ہے، صفحہ ۹۰ سے ص ۹۱ تک فرقہ ناجیہ کی تعیین فرمائی ہے لیکن ان باتوں کا ذکر مقدمہ کے بجائے، وہاں ہونا چاہئے تھا، جہاں اصل مجموعہ میں یہ حدیث ہے، ص ۹۲ سے ص ۲۰۹ تک حجیت حدیث پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، یہ تبصرہ اُن کے لئے یقیناً مفید ہے، اور ان متشککین کے خیالات کی اصلاح کے لئے کافی ہے، جن پر بعض منکرین حدیث کی تحریروں نے اثر ڈالا ہے لیکن ہمارے خیال میں حجیت حدیث کے منکروں کو سمجھانے کے لئے اس تصور کے ساتھ بحث کا آغاز نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ایک اندرونی فتنہ ہے، جو ہمارے افراد کے دلوں سے ابھرا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے بعض اہل قلم نے ہمارے قدیم علمائے جرح وتعدیل کی شدید نکتہ چینیوں سے غلط فائدہ اٹھا کر سرے سے مسلمانوں کی تمام روایات کو خود مسلمانوں کے اعتراف کی سند سے ناقابل تسلیم قرار دیا، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کا اصول روایت اور خبروں کے قبول ورد کے اصول کو ایک سائنس کی صورت میں پیش کیا جائے، اور یورپ اور دیگر اقوام کی تاریخین جس پایہ کی خبروں سے مرتب کی گئی ہیں، ان سے مقابلہ کرکے دکھایا جائے کہ احادیث مقبولہ کی صحت کا جو معیار ہے وہ تو الگ ہے، جن احادیث کو منکر اور بے اصل کہا جاتا ہے، اُن کے معیار پر بھی اگر غیر اقوام کی تاریخ کے مسلمات کو تولا جائے، تو اُن کا ایک بڑا حصہ کالعدم ہو جائے گا، ان میں بہت کم تاریخی واقعات ایسے ملیں گے جن کی سند مسلسل شریک واقعہ تک پہنچائی جا سکے، مثلاً یہ بات تو اسلامی معیار پر ثابت ہو سکتی ہے کہ سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا، کیونکہ وہ متواتر خبر ہے، باقی اس کی تفصیلات مجہول راویوں کے بیانات ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول قرار پائیں گی، ہماری احادیث کی حجیت کو مسترد کرنے کے بعد اقوام عالم کو اپنا تمام سرمایۂ سلف مسترد کر دینا ہوگا، حجیت حدیث کے خلاف اور جتنی باتیں کہی جاتی ہیں، وہ سب تطویل کلام ہیں، اصل حقیقت

صرف یہ ہو کہ منکرین حدیث ان علماے مغرب سے متاثر ہیں، جو نامعلوم ماضی کے نامعلوم نقاشوں کے کندہ کئے ہوئے کتبات اور افسانوں کو سلجھا کر ان کے اندر سے برآمد کئے ہوئے معلومات سے تو ماضی بعید کی تاریخی صداقتیں پیش کرتے ہیں، مگر اُن کے نزدیک مسلمانوں کی روایت محض روایت ہے،

صفحہ ۳ ۹ اسے صفحہ ۰ ۱۲ تک اسلام میں تنقید و تبصرہ کی توضیح ہے، اس باب میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہو وہ قابلِ تحسین ہے لیکن کاش مولف حجیت حدیث اور خبر واحد پر جتنا وقت صرف کیا ہے، اتنا ہی نقد و تبصرہ پر بھی صرف کرتے، اسی چیز کو زیادہ پھیلا کر بیان کرنے کی ضرورت تھی، خبروں کے رد و قبول کا جو آئین قرآن و حدیث اور عقل و استدلال سے مسلمانوں نے مرتب کیا ہے، اس کو نئے پیرایہ میں پیش کرنا ضروری تھا، اس سے ہماری روایات کا درجۂ اعتماد لوگوں کو معلوم ہوتا، روایات اور بیانات کے قبول و رد کا اسلامی آئین ہم بالکل بھول گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ ستھرا جھوٹ بول سکتا اور اُسے شہرت دے سکتا ہو اسی قدر زیادہ کامیابی کے ساتھ قوم کی قوم کو اپنی راہ پر لگا دیتا ہے، علماے اسلام کا اقوامِ عالم پر یہ بڑا احسان ہوگا، اگر وہ اپنی اس میراث کو صرف اپنی ملک قرار دینے کی بجائے وقفِ عام کر دیں، اور خبروں کے قبول و رد کے آئین کو معقول دلیلوں سے مزین کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیں،

ص ۱۲۹ سے ۲۰۷ تک فقہاے اربعہ اور کچھ محدثین کے تذکرے ہیں، اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، سب سے پہلے کتاب التوحید کے ماتحت ۰ ۶ حدیثیں نقل کی گئی ہیں، اور ہر حدیث کا اردو ترجمہ بھی دیا ہے، حاشیہ پر متعدد حدیثوں کے اہم نکات کی تشریح کی گئی ہے، اس کے بعد ایمان بالرسول سے متعلق احادیث ہیں (ص ۲۴۴)، کتاب الایمان میں اگر آمنت باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ کی ترتیب ملحوظ رکھی جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا، خاتم النبیینؐ کے ذکر سے پہلے اور انبیاء کا مختصر ذکر مناسب تھا، موجودہ زمانوں کی بحثوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ختم نبوت پر دلالت کرنے والی حدیثوں پر مولف نے خاص توجہ دی ہے، اور حواشی میں مقدور بھر اختصار کے ساتھ اُن کی عمدہ شرح کی ہے،

اس باب کی حدیث نمبر ۵۰ کے نیچے عربی میں جو تبصرہ ہے، اس کا ترجمہ اردو میں ہونا چاہئے تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تبصرہ کا اضافہ مؤلف نے عین طباعت کے وقت کیا ہے، اس بحث میں ترمذی والی حدیث تو میرے نزدیک صحیح ہے، یہ واقعہ ہے کہ بغض عرب بغض رسول بن جا سکتا ہے، مگر بیہقی والی حدیث کی صحت پر مجھے شک ہے، لیکن یہ صرف میری اپنی رائے ہے،

حدیث نمبر ۴۰ کے ترجمۃ الباب کے مفہوم سے تو نہیں مگر لفظاً ارتکاب المعاصی لاینافی محبۃ اللہ و رسولہ" سے اختلاف کی گنجایش ہے، شروع شروع میں جب شراب حرام ہوئی تھی، تو شراب کے پرانے عادی ہونے سے شراب پی لیتے تھے، پھر خود ہی اپنے کو سزا کے لئے پیش کرتے تھے، ان کا نسیان "لمم" کی قسم میں داخل تھا نہ کہ عصیان اور نافرمانی کی قسم میں، اس کے باوجود مصنف کو اپنی رائے کی آزادی کا حق ہے،

ختم نبوت کی حدیث کے بعد مؤلف نے (صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراۃ) کے ماتحت چند حدیثیں نقل کی ہیں، ظاہر ہے کہ اس قسم کی حدیثوں کے صحیح مخاطب اہل کتاب ہیں، ہم مسلمانوں کا ایمان بالنبی الامی توراۃ اور انجیل کی بشارتوں پر مبنی نہیں ہے، بلکہ کتب سابقہ اور انبیاء سلف پر ہم جو ایمان رکھتے ہیں وہ آخری کتاب اور آخری رسول پر ایمان کا نتیجہ ہے، مؤلف کو چونکہ ضروریاتِ زمانہ کا احساس ہے اسلئے ہم کو توقع تھی کہ حاشیہ میں ان احادیث کی تصدیق بائبل سے دکھائی ہوگی لیکن حاشیہ اتنا تشفی بخش نہیں ہو سکتا، کہ ایک غیر مسلم اُن احادیث کی صداقت کا قائل ہو سکے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ ابن العاص اور کعب بن کجی کے اقوال جن سے ان ابواب کا آغاز کیا گیا ہے، بائبل کے کسی ایک صحیفہ میں یکجا نہیں ملیں گے، ان اقوال میں متعدد صحیفوں کے مجموعی مضمون کا خلاصہ مذکور ہے،

ایسی حدیثیں جن کا مقصد حجیت حدیث کے منکروں کو قائل بھی کرنا ہے، اگر کسی کتاب میں لکھی جائیں تو اُن کے مطابق واقعہ ہونے کا ثبوت بھی دینا چاہئے،

اس کتاب کی تبویب، ترجمہ، اور تشریح میں مؤلف نے کافی محنت، دماغ سوزی اور خلوص سے

کام لیا ہے، ان نے جو چند مشورے دیے ہیں، اُن سے کتاب کی ترتیب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مسلمانوں کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے،

مراۃ الشعراء

ا-ع

مرتبہ جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا تقطیع بڑی ضخامت ۵۰۰ صفحے، کاغذ سپید کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد دس روپیہ، پتہ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور،

مصنف اردو زبان کے پُرانے اور مشہور خدمت گذار ہیں، نثر اردو کی تاریخ پر سیر المصنفین ان کی معروف و مقبول تالیف ہے، اب انھوں نے مراۃ الشعراء کے نام سے اردو شاعروں کا تذکرہ مرتب کیا ہے، اردو میں تذکروں کی کمی نہیں ہے، پرانے تذکروں کو چھوڑ کر آب حیات، گل رعنا، شعر الہند، تاریخ ادب اردو سکینہ، اور خمخانہ، جاوید جدید دور کے مشہور تذکرے ہیں، حیدرآباد میں دکنی شعراء کے مستقل تذکرے لکھے گئے ہیں، اُن کے علاوہ درسی ضرورت کے لئے اردو نظم و نثر کی متعدد مختصر کتابیں لکھی گئی ہیں، اس طرح اردو شاعری پر معلومات کا کافی وافر ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے تاہم اس موضوع پر تلاش و تحقیق کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور ہر تذکرہ نگار کا ذوق اور نقطۂ نظر جدا ہوتا ہے اس لئے اس موضوع پر لکھنے کی گنجائش باقی ہے، مصنف کی تحریر کے مطابق اُن کے تذکرہ کی خصوصیات یہ ہیں'

"اس میں بہت سے ایسے شعراء کا اضافہ ہے، جو تذکروں میں جگہ پانے کے لائق تھے لیکن گذشتہ تذکرہ نگاروں نے کسی سبب سے ان کو نظرانداز کر دیا، شاعروں کے حالات مختصر بیان کئے گئے ہیں، لیکن ان کے کلام پر کافی بحث ہے، اور اُن کی خوبیاں اور برائیاں من و عن ظاہر کی ہیں، اور ان کا پورا کلام پڑھنے کے بعد ان کے بہترین شعر آخر میں درج کئے ہیں اور زور قلم کے لحاظ سے بھی گذشتہ تذکروں کی ترتیب سے فرق ہو گیا ہے"

تذکرہ کے شروع میں اردو زبان کی مختصر تاریخ اور اردو شاعری کے اصناف پر نقد و تبصرہ ہے

اس کے بعد اصل تذکرہ شروع ہوتا ہے، جو ولی دکنی سے شیفتہ تک چھ دوروں، اور ہر دور دو طبقوں اول و دوم میں تقسیم ہے، ہر دور کے شعراء کے مختصر حالات اُن کے کلام کی خصوصیات اور اُن کے محاسن معائب پر تبصرہ اور اشعار کا انتخاب ہے، ہر دور کی شاعری کی خصوصیات بھی تحریر کی گئی ہیں جس سے اُردو شاعری کے عہد بعہد کے تغیرات و خصوصیات اور ترقی کی تاریخ سامنے آجاتی ہے، اردو زبان کی تاریخ کے سلسلہ میں مصنف نے کوئی نئی بات نہیں پیش کی ہے، بلکہ ان تمام معلومات کو جو اب تک حاصل ہو چکے ہیں، سلیقہ کے ساتھ مرتب کر دیا ہے، شعراء کے کلام کی خصوصیات اور تنقید میں اپنے ذوق سے بھی کام لیا ہے، اور گذشتہ تذکرہ نگاروں کی رایوں سے بھی استفادہ کیا ہے، اردو شاعری کی تنقید میں اس کے وہ نقائص جو مولانا حالی نے مقدمہ میں لکھے ہیں، یا نئے طبقہ کی جانب سے اس پر جو عام اعتراض کئے جاتے ہیں، انہی کو خفیف ردّ و بدل کے ساتھ دہرا دیا ہے، مثلاً "اردو شعراء کے دل قوم کے درد سے اور اسلامی اخوت سے خالی تھے، انھوں نے قوم کو زندگی کا کوئی پیام نہیں دیا، اردو شاعری محض فارسی کی نقالی ہے، بے مقصد ہے، ولی اور اُن کے متبعین نے رنگین طبیعتوں کو بوالہوسی کا پیغام دیا، جس کی بنا پر محمد شاہ اور پوری قوم عیش پرستی میں مبتلا ہو گئی، اور تغزل اور قصیدہ نگاری نے ارکان حکومت کو فکر سلطنت سے آزاد کر دیا، اور تمام قوم میں تغزل سرایت کر دیا، شاعری کو سوسائٹی کا تابع نہ ہونا چاہئے، بلکہ اسکی اصلاح کرنی چاہئے، مسلمانوں کی تباہی کا سبب غزل سرائی ہے، اس لئے غزل کو ترک کر دینا چاہئے، اور معنوی اصلاح کے ساتھ قصیدہ اور مثنوی کو ترقی دینا چاہئے، اور خیالات میں مغربی شاعری کی تقلید کرنی چاہئے" (ملخصاً)

اور اعتراضات بھی اسی قبیل کے ہیں، یہ اعتراضات صحت سے خالی نہیں ہیں، لیکن ان میں غلط مبحث زیادہ ہے، اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ پرانی اردو شاعری میں بعض نقائص ہیں، جن کا مصلحین ادب کو عرصہ سے احساس ہے، اور اب ان کی اصلاح بھی شروع ہو گئی ہے، اور اس کی خامیاں دور ہو چکی ہیں اور

ابھی بعض نقائص باقی ہیں جن کی اصلاح خود حالات کررہے ہیں، لیکن مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ "ولی اور ان کے متبعین کے پیام بوالہوسی سے محمد شاہ اور پوری قوم عیش پرستی میں مبتلا ہوگئی اور تغزل اور قصیدہ نگاری نے ارکان حکومت کو فکر سلطنت سے آزاد کردیا، اور مسلمانوں کی تباہی کا سبب غزل سرائی ہے"

درحقیقت تغزل یعنی عاشقانہ جذبات سے دنیا کی کسی قوم اور کسی زبان کی شاعری خالی نہیں بلکہ یہاں تک کہا جاسکتا ہے کہ اسی جذبہ نے شاعری کو پیدا کیا، یا کم از کم اس کو ترقی دی، یہ اور بات ہے کہ مختلف زبانوں کی شاعری میں اس کے اظہار کے طریقے مختلف ہوں، ولی اور اُن کے متبعین کے پیام بوالہوسی اور قصیدہ و غزل کے اثر سے محمد شاہ اور مسلمان قوم عیش پرستی میں مبتلا نہیں ہوئی، بلکہ اس سے بہت پہلے مبتلا ہو چکی تھی، تغزل اور قصیدہ نگاری سے نہ ارکان حکومت فکر سلطنت سے آزاد ہوتے ہیں، اور نہ کوئی قوم عیش پرستی میں مبتلا ہوتی ہے، اس کا سبب غفلت و جمود بے عملی اور دوسرے طبعی اسباب ہوتے ہیں، مصنف کا یہ نظریہ تو تاریخی واقعات کے سراسر خلاف ہے، یہ مصنف کو تسلیم ہے کہ اردو شاعری تمامتر فارسی شاعری کی نقل ہے، اس لئے یہی اثرات فارسی شاعری اور تغزل کے بھی ہونے چاہئیں، حالانکہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعری کی اصلی ترقی کا زمانہ جو زیادہ تر قصیدہ اور غزل و نسیب پر مشتمل ہے، وہی ہے جو اسلامی حکومتوں کے عروج کا ہے، بلکہ مسلمان حکمرانوں ہی کی قدردانی سے شاعری کو فروغ حاصل ہوا، بنی امیہ کے عہد سے لے کر تیموریوں کے خاتمہ تک تمام مسلمان حکمران خاندان اور انکے بیشتر فرمانروا خود بھی شعروادب کا ذوق رکھتے تھے، اور شاعروں کے قدردان اور سرپرست تھے، عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے تمام نامور شعراء اخطل جریر و فرزدق سے لے کر ابن الرومی، بحتری، ساجی، اور ابن العلاف تک اور رودکی اور دقیقی سے لیکر غنی کاشمیری اور ناصر علی سرہندی تک اپنے اپنے زمانہ کے سلاطین کے درباروں سے وابستہ یا کم از کم اُن کی فیاضیوں سے سیراب تھے، حتی کہ حکیم سنائی، نظامی گنجوی، اور شیخ سعدی جیسے شعراء

کا بھی کچھ نہ کچھ سلاطین سے تعلق رہا تھا، اور عربی و فارسی کے تمام بڑے بڑے شعراء غزل گو بھی تھے، اور قصیدہ نگار بھی، ان میں بہتوں کے تغزل کی رنگینی اردو غزل سے بھی بڑھ کر تھی لیکن اُن کی غزل سرائی اور قصیدہ نگاری نے نہ ان سلاطین کو فکر سلطنت سے آزاد کیا اور نہ مسلمانوں کو عیش پرست بنایا۔ بلکہ یہی زمانہ مسلمانوں کے اوج شباب کا تھا۔ اور غزل اور قصیدہ کے قدردان سلاطین فوجوں کے سپہ سالار، ملکوں کے فاتح، اور جہانگیر و جہاندار تھے، شاعری اور شعراء کا سب سے زیادہ قدردان اور سرپرست محمود غزنوی تھا جس نے سب سے پہلے اپنی حکومت میں شاعری کا مستقل محکمہ قائم کیا، اور اس کے عہدہ دار مقرر کئے، کئی سو شعراء اس کے دامن دولت سے وابستہ تھے یہی حال ہر دور میں رہا خود تیموریوں کے عہد میں فارسی شاعری کی ترقی کا زمانہ وہی ہے، جو تیموریوں کے عروج کا ہے فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، قدسی، ابو طالب کلیم، صائب، ناصر علی سرہندی اور غنی کاشمیری وغیرہ بڑے بڑے شاعر اکبر سے لے کر اورنگ زیب تک کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی شاعری کا بہترین ذخیرہ مسلمانوں کے عہد عروج اور نامور سلاطین کی قدردانی کی یادگار ہے اسلئے یہ کہنا کہ قصیدہ نگاری اور تغزل نے مسلمان سلاطین کو فکر سلطنت سے آزاد اور مسلمانوں کو عیش میں مبتلا کیا صحیح نہیں ہے۔ قصائد تو ان سلاطین کی یادگار ہیں جن کی تلواروں نے دنیا کا نقشہ بدل دیا تھا۔ اس لئے قصائد سے بہادر شاہ کی شان میں ذوق اور غالب کے قصائد کیوں مراد لئے جائیں۔ اصلی قصائد تو محمود غزنوی سلطان سنجر، الپ ارسلان، ملک شاہ، اکبر و شاہجہان اور دوسرے نامور سلاطین کی یادگار ہیں اور قصائد کی ترقی کا اصلی دور یہی تھا۔ گو یہ قصائد مبالغہ سے خالی نہیں لیکن ان نامور سلاطین کے کارنامے اُن کے مستحق تھے، باقی ہر چیز کی طرح قصائد کی بھی اصلی روح رفتہ رفتہ غائب ہو گئی، اور محض نقالی رہ گئی اور جب وہ اولوالعزم اور نامور سلاطین اور وہ قصیدہ نگار شعراء بھی نہ رہ گئے تو قصیدہ نگاری کی اصلاح کا اب کیا سوال ہے، اب قصائد لکھے کس کے لئے جائیں گے،

درحقیقت مصنف نے اردو شاعری کی تنقید میں نتیجہ کو سبب قرار دیدیا ہے یعنی سلاطین کی غفلت

اور مسلمانون کے تعیش اور ان کی تباہی کا سبب قصیدہ اور غزل نہین، بلکہ اُن کی غفلت، بے عملی اور تن آسانی
نے ان کو پہلے سے عیش پرست اور لطف و تفریح کے مشاغل مین مبتلا کر دیا تھا، جن مین ایک شاعری اور
تغزل بھی ہے، ورنہ جد و عمل کے ساتھ قصیدہ اور غزل سے کوئی نقصان نہین پہنچتا، بلکہ افکار و خیالات کی
تہذیب، ذوق کی لطافت اور تہذیبِ معاشرت کی نفاست کے لئے شعر و ادب ضروری ہے، البتہ جو قوم زندگی
کی جد و جہد چھوڑ کر محض شعر و شاعری مین پڑ جائیگی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ تباہی ہے، اس مین شاعری
کا قصور نہین،

درحقیقت اردو شا[illegible] اس زمانہ مین ہوئی، جب مسلمانون پر زوال طاری ہو چکا تھا،
حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور شمالی ہند مین اردو شاعری کا آغاز محمد شاہی دور سے ہوا، جب مسلمانون کا
اخلاقی مزاج بگڑ چکا تھا۔ اور وہ عیش پرستی مین مبتلا ہو چکے تھے، اور خواہ مصنف کو اس سے اختلاف ہو
لیکن یہ واقعہ ہے کہ شعر و ادب سوسائٹی کے حالات کے تابع ہوتے ہین، جو رنگ سوسائٹی کا ہوگا، اسی کا
پر تو شاعری مین نظر آئے گا، اس لئے اردو شاعری مین بھی مسلمانون کی زوال پذیر اخلاقی حالت کے
اثرات نمایان ہوئے، اس سے انکار نہیں۔ کہ ہر زمانہ مین ایسے روشن ضمیر مصلحین پیدا ہوتے ہین، جو عوام
کے ساتھ نہین بہتے، بلکہ ان کو اپنے راستہ پر چلانے کی کوشش کرتے ہین، لیکن اس درجہ کے مصلحین طبقہ
خواص یعنی علماء اور حکماء مین پیدا ہوتے ہین، اور اس دور کے شعراء مین کوئی اس درجہ کا نہ تھا، حکیم سنائی،
خواجہ فرید الدین عطار اور مولانا روم اور اقبال جیسے مصلح اور مجدد شعراء کئی صدیوں مین پیدا ہوتے ہین
مصنف نے کم از کم ہندوستان مین اس کے خلاف جو مثالین دی ہین، وہ صحیح نہین ہین، اول حالی اور
اکبر وغیرہ پیشہ ور شاعر نہین، بلکہ طبقہ خواص مین تھے، اور انھون نے شاعری کو اپنے خیالات کی اشاعت
کا ذریعہ بنایا تھا، دوسرے وہ پرانی بوسیدہ سوسائٹی کی نہین، بلکہ نئے دور کی پیداوار تھے، ۱۸۵۷ء
کے بعد پرانی بساط الٹ چکی تھی، نئی حکومت، نئے علوم اور نئی تحریکون کے اثر سے خیالات بدل چکے تھے،

اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگیا تھا۔ حالی، اکبر اور شبلی، اسی دور کے نقیب اور اقبال اس کے خاتم الشعراء تھے، ہاں علماء و مجتہدین کے زمرہ میں اس دور میں بھی حضرت شاہ ولی اللہ حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید پیدا ہوئے، جنھوں نے مسلمانوں کی اصلاح و تجدید اور ان کو ابھارنے کی کوشش کی،

اس میں شبہ نہیں کہ شاعری قومی و ملی جذبات کو ابھارنے کا ایک موثر ذریعہ ہے، لیکن اردو کیا عربی اور فارسی کی شاعری بھی جس کی وہ مقلد ہے، اس قسم کے خیالات سے خالی ہے اپنے زمانہ میں اندلس اور بغداد کی خلافتوں کے زوال کا واقعہ دنیاے اسلام کے لئے تیموریوں کے زوال سے زیادہ اہم اور درد انگیز تھا، لیکن ان کے دو چار مرثیوں کے علاوہ عربی اور فارسی میں اور کوئی قومی و ملی نظم نہیں مل سکتی، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اوّلاً اس زمانہ میں اس قسم کے قومی و ملی جذبات مسلمانوں میں عام طور سے پیدا نہیں ہوئے تھے، اور جس طبقہ میں تھے، تو اُن کے اظہار کا ذریعہ نظم کے بجاے نثر تھی،

عربی اور بالخصوص فارسی شاعری میں مروجہ اصناف اور اس کے خیالات سے ہٹ کر حکیمانہ اور عارفانہ خیالات سنجیدہ اور بلند شاعری کا جوہر سمجھے جاتے تھے، چنانچہ یہ خیالات ابتدا سے فارسی شاعری میں موجود ہیں، اور اس میں حکیم سنائی خواجہ فریدالدین عطار، شمس تبریز، مولانا روم، اوحدی کرمانی، ابوسعید ابو الخیر، عمر خیام، اور عراقی وغیرہ بڑے بڑے حکیم اور فلسفی شعراء پیدا ہوئے، اردو شاعری بھی اس سے خالی نہیں ہے، لیکن اس کے ابتدائی دور میں اس کا اثر بہت کم ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ فارسی شاعری مسلمانوں کے دور عروج میں پیدا ہوئی، اور صدیوں ترقی کرتی رہی، اس لئے اس میں بڑے بڑے حکیم شعراء پیدا ہوئے، اس کے مقابلہ میں اردو دور مسلمانوں کے دور زوال کی پیداوار ہے، جب ان کی دماغی و ذہنی صلاحیتیں اور اس کا جوش و ولولہ ختم ہو چکا تھا، دوسرے اس کی عمر بہت تھوڑی تھی، اور ابتدائی عمر میں بلند خیالات کی گنجائش بہت کم تھی، لیکن اس کی عمر جس قدر بڑھتی گئی، خیالات میں تنوع گہرائی اور بلندی پیدا ہوتی گئی، اور صدہا غزل

مین بھی جو مصنف کے نزدیک سب سے مطعون صنف ہے، حکیمانہ خیالات آتے گئے، ہر شاعر کے کلام مین ایسے کچھ نہ کچھ اشعار نکل آئین گے، اور خواجہ میر درد، غالب، اور آتش وغیرہ کا کلام تو حکیمانہ اور عارفانہ خیالات سے معمور ہے، اس کے علاوہ رباعی جو حکیمانہ اور اخلاقی خیالات کے لئے مخصوص ہے، وہ ابتدا سے اردو شاعری مین موجود ہے، اس لئے اردو شاعری سنجیدہ اور بلند خیالات سے کسی زمانہ مین یکسر خالی نہین رہی ہے،

درحقیقت فارسی کی طرح اردو شاعری مین بھی مختلف اصناف ہین، جو مختلف جذبات و خیالات کے لئے مخصوص ہین، مختصر عاشقانہ جذبات قلبی واردات اور دوسرے مختلف تاثرات کے لئے غزل ہے، مسلسل معاملہ بندی کے لئے واسوخت، مدح کے لئے قصائد، جذباتِ غم کے اظہار کے لئے مرثیہ مسلسل داستان کے لئے مثنوی، مختصر حکیمانہ اور اخلاقی خیالات کے لئے رباعی، اسی طریقہ سے مختلف اصناف مختلف چیزون کے لئے مخصوص ہین، اس لئے ایک کی خصوصیات دوسرے مین تلاش کرنا خود اپنی غلطی ہے، البتہ ان سب کے حدود ہین، جن سے تجاوز کرنا صحیح نہین ہے، مثلاً اگر کوئی شاعر عاشقانہ جذبات کو بازاری پھکڑ بنا دیتا ہے، تو یہ اس کی غلطی ہے، اس سے غزل کی صنف مذموم نہین قرار دیجا سکتی، اور یہ چیز یقیناً قابلِ اصلاح ہے، یہ عجیب بات ہے کہ غزل جس کو اردو شاعری مین سب سے زیادہ تنگ اور محدود سمجھا جاتا ہے، اسی کا دامن سب سے زیادہ وسیع ہے، اور اس مین عاشقانہ جذبات کے علاوہ ہر قسم کے مختصر خیالات ظاہر کئے جا سکتے ہین اور کئے جاتے ہین،

یہ ایک ضمنی بحث ضرورت سے زیادہ طویل ہو گئی، اس کا مقصد اردو شاعری کے نقائص کی پردہ پوشی اور ان کی تاویل نہین ہے، اس کی بہت سی خامیان آج بھی مسلّم ہین، لیکن ان کو ان کی حد مین رکھنا چاہئے، اس سے اردو شاعری کے پورے دفتر کو لغو اور بیکار نہین قرار دیدینا چاہئے، حالات اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ بہت کچھ اس کی اصلاح ہو چکی ہے، اور اس کا سلسلہ برابر جاری ہے، خصوصاً تغزل کا

رنگ نوبت نکھر گیا ہے، اور حسرت، فانی، جگر اور اصغر نے اس زمین کو آسمان تک پہنچا دیا ہے، ہر قسم کی مسلسل نظمون اور قومی و ملی شاعری کا بھی کافی ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے، اور اب اردو شاعری صحیح راستہ پر لگ گئی ہے، اور اس کا دامن کافی وسیع ہوگیا ہے،

مصنف کے ان خیالات سے قطع نظر اصل تذکرہ بہت قابل قدر ہے، انھون نے شعراء کے کلام اور ہر دور کی شاعری کی خصوصیات کو بڑی خوبی سے دکھایا ہے، ان کی رائین، اُن کے حسن ذوق اور دقتِ نظر کا ثبوت ہین، "تذکرہ کا یہ حصہ غالب اور شیفتہ تک ہے، غالباً دوسرا حصہ داغ و امیر سے شروع ہوگا، لیکن ہمارے نزدیک صحیح تقسیم یہ ہوتی کہ اس حصہ مین دور قدیم کے تمام شعراء داغ و امیر و جلال تک لے لئے جاتے، اور دوسرا حصہ جدید دور کے شعراء جلیل ریاض اور حسرت وغیرہ سے شروع کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا،

"م"

شعر الہند جلد اول

جس مین قدما کے دور سے لے کر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تاریخ کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے،

قیمت:- للعہ

شعر الہند جلد دوم

جس مین اردو شاعری کے تمام اوصاف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی، اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، (زیر طبع)

"مینجر"

مطبوعات جدیدہ

فتوح السلاطین مصنفہ جناب محمد یوشع صاحب، تقطیع بڑی ضخامت [illegible] صفحے، کاغذ سپید ٹائپ بہتر مجلد، قیمت تحریر نہیں :- پتہ مدراس یونیورسٹی، مدراس،

یہ کتاب آٹھوین صدی ہجری کے ایک مصنف مولانا عصامی کی فارسی مین ہندوستان کی منظوم تاریخ ہے، مصنف کے بیان کے مطابق وہ عباسی وزیر فخر الملک کی اولاد سے ہے، جو سلطان التمش کے زمانہ مین بغداد سے دلی آیا تھا، سلطان نے اس کی بڑی پذیرائی کی، اور فخر الملک اور اسکی اولاد سلطان التمش اور اس کے اخلاف کے دربارون سے متوسل رہی، عصامی دہلی مین پیدا ہوا، اور ابتدائی عمر مین جب سلطان محمد تغلق نے دلی کے باشندون کو دیوگیر منتقل کیا تو عصامی بھی اپنے دادا عز الدین کے ساتھ وہان چلا گیا، اور ایک مدت تک گمنامی کی زندگی بسر کرتا رہا، لیکن وہ تھا بڑا لائق اور جوہر قابل، اس کے ایک عرصہ کے بعد دولت آباد کے قاضی بہاء الدین کے توسط سے سلطان علاء الدین بہمنی کے دربار سے اس کا تعلق پیدا ہو گیا، اور اسی کی سرپرستی مین اُس نے فتوح السلاطین لکھی، اس مین سلطان محمود غزنوی سے لیکر محمد بن تغلق تک ہندوستان مین اسلامی فتوحات کی تاریخ ہے، اس کتاب کے قلمی نسخے کمیاب تھے، آج سے دس بارہ سال پہلے محمد یوشع صاحب لکچرار فارسی مدراس یونیورسٹی نے اس کے دو نسخے حاصل کرکے ایڈٹ کرنا شروع کیا تھا، اور اسی زمانہ مین مصنف اور تصنیف دونون کے تعارف مین عصامی نامہ کے نام سے ایک فارسی مثنوی لکھکر شائع کی تھی لیکن آگرہ کالج کے پروفیسر ڈاکٹر آغا مہدی حسن نے پیشقدمی کرکے ۱۹۳۹ء مین فتوح السلاطین کا ایک نسخہ بمبئی مین چھپوا کر شائع کردیا، مگر سید محمد یوشع نے اپنا کام جاری رکھا، اور اب دس سال کے بعد ان کا مرتبہ دیکھو کردہ نسخہ بڑے اہتمام سے مدراس یونیورسٹی نے شائع کیا ہے، یہ نسخہ تصحیح و ترتیب کی تمام خوبیون

سے آراستہ ہے، کتاب کے شروع میں مرتب کے قلم سے مصنف کے حالات، تصنیف کی خصوصیات اور اس کے قلمی نسخوں کی تفصیل ہے، اور کتاب کے آخر میں اس کے مندرجہ اشخاص و مقامات کے ناموں اور القاب و عہدوں کا انڈکس ہے، کتاب کے مشکل لغات کا فرہنگ بھی دیدیا ہے، جس سے عام لوگوں کے لئے بھی اس کتاب سے استفادہ آسان ہوگیا ہے، ڈاکٹر مہدی حسن کے شائع کردہ نسخہ کے سلسلہ میں عرصہ ہوا معارف کے کئی نمبروں میں اس کتاب پر مفصل تنقید شائع ہوچکی ہے، اس لئے اس نسخہ پر کسی طویل تبصرہ کی ضرورت نہیں، صرف اس کا تعارف مقصود ہے، اس کتاب میں اگرچہ بعض غیر معتبر اور مبالغہ آمیز واقعات بھی ہیں، لیکن عام طور سے صحیح و مستند ہیں، اور بعض ایسے معلومات بھی ہیں، جو مستند اول تاریخوں میں نہیں ملتے، اس لئے اس کتاب کی اشاعت سے سلاطین دہلی کے حالات میں ایک مستند اور مفید مآخذ کا اضافہ ہوا ہے، ادبی حیثیت سے بھی یہ کتاب قابلِ قدر ہے، مصنف کو زبان پر پوری قدرت ہے، اور اتنی ضخیم کتاب اور گوناگوں واقعات میں شروع سے آخر تک زبان و طرز بیان کا انداز یکساں ہے،

ضرورۃ القرآن جلد دوم، مرتبہ جناب قاضی زاہد الحسینی صاحب، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، مجلد، قیمت تحریر نہیں، پتہ:- غالب حجازی پریس لاہور سے ملے گی،

کلام مجید انسانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے، اس میں پیدائش سے لے کر موت تک اُن کی جملہ دینی و دنیاوی، مادی و روحانی اور اجتماعی و انفرادی معاملات کے متعلق بنیادی قوانین اور ہدایات موجود ہیں، اس کے مختلف پہلوؤں پر اہلِ علم و اصحابِ قلم نے لکھا ہے، مذکورۂ بالا کتاب بھی اسی موضوع پر ہے، اس میں انسان کی پیدائش، اس کی جسمانی ضروریات، نکاح و طلاق، خلع وغیرہ، معاشرتی معاملات، اُن کے باہمی حقوق و فرائض، اقتصادی و معاشی مسائل، صنعت و حرفت، زراعت و تجارت، حکومت و سیاست، علوم و فنون، غرض انسانی زندگی کی جملہ ضروریات کے متعلق قرآنی احکام اور اسکی تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے، آخر میں قرآن مجید کی صحت و حفاظت اور اس کے مقابلہ میں دوسرے مذہبی صحیفوں کے تغیرات کے دلائل

کلام مجید کی صحت کے متعلق بعض شکوک کے جوابات دیئے ہین، یہ کتاب جامع تو بہت ہو لیکن مانع نہین ہو اور اس مین بہت سے ایسے مسائل زیر بحث آگئے ہین، جن کو کلام مجید سے کوئی علاقہ نہین ہے، روایتون مین بھی احتیاط نہین برتی گئی ہے، اور ہر قسم کی رطب و یابس بلکہ موضوع روایات تک سے استدلال کیا گیا ہے بعض مباحث عامیانہ اور سطحی ہین، مثلاً کلام مجید کی صحت اور حفاظت کے سلسلہ مین عربی زبان کے کمال اسکی جامعیت اور تمام انبیا کی زبان عربی ہونے کی بحث غیر متعلق بھی ہے، اور علمی استدلال سے بھی خالی ہے، اس سلسلہ کی سب روایتین غیر معتبر ہین، اسی طرح کلام مجید سے تمام علوم کا اثبات بھی ایک بے کار اور غیر ضروری چیز ہو اگر کسی حیثیت سے اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے کلام مجید کی عظمت مین کوئی اضافہ نہین ہوتا وہ ایک رشد و ہدایت کا صحیفہ ہے، نہ کہ علم و فن کی کتاب، اس کا کمال اس کی تعلیمات اور اس کی ہدایت مین ہو اس قبیل کی اور بھی غیر متعلق بحثین ہین، جس سے کتاب کی علمی حیثیت ہلکی ہوگئی، تاہم مجموعی حیثیت سے مفید اور عام مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے،

تمہید تفسیر قرآن و مقدمہ تفسیر قرآن } مترجمہ مولانا محمد اصغر حسین صاحب سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ تقطیع چھوٹی، کاغذ کتابت و طباعت بہتر ضخامت بالترتیب ۴۸، اور ۴۲ صفحے قیمت چار چار آنے، پتہ اقبال بک ڈپو پٹنہ نمبر ۶ و کتابستان آرہ،

کلام مجید کی بے شمار تفسیرین لکھی گئین اور مشہور و متداول تفسیرون کی بھی بڑی تعداد ہے، گو یہ تفسیرین فوائد سے خالی نہین، اور اُن کے مصنفین کی خدمت قرآن لائق تحسین ہے لیکن ان مین سے بہت کم تفسیرین صحیح تفسیری نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہین، بیشتر تفسیرون مین خالص تفسیر کے بجائے جو نفس فہم قرآن اور اس سے اثر پذیری کے لئے مفید ہو، مفسرین کے ذاتی ذوق و رجحان کے متفرق مسائل و مباحث زیادہ ہین جس سے اصل مقصود پوری طرح حاصل نہین ہوتا۔ اس زمانہ مین جو تفسیرین لکھی گئی ہین، ان مین علامہ رشید رضا مصری کی تفسیر المنار تفسیر کی غرض و غایت کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے، اس تفسیر کی تمہید اور مقدمہ مین مصنف نے

قدیم تفسیروں کے نقائص دکھائے ہیں، اور قرآن مجید کے اصل مقصود، اور تفسیروں کی اصل غرض بتا کر فہم قرآن اور تفسیر قرآن کے صحیح اصول بتائے ہیں، لائق مترجم نے تمہید تفسیر قرآن، اور مقدمۂ تفسیر قرآن کے نام سے الگ الگ اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے لیکن یہ دونوں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اور کلام مجید کی تفسیر سے ذوق رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہیں، خصوصاً تفسیر کے مدرسین کے لئے ان کا مطالعہ زیادہ مفید اور کارآمد ہے، لیکن ترجمہ بہت ناہموار ہے، اور اس میں زبان و بیان کی بڑی خامیاں ہیں،

ایران پاستان از جناب مولوی خلیل الرحمن صاحب مرحوم تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں ہے، پتہ:- کتابستان، کراچی۔

اردو میں ایران کی قدیم تاریخ کے متعلق بہت کم معلومات ہیں، اور پروفیسر آرتھر کرسٹن سین کی محققانہ کتاب (L'empire des Sassanides.) کے ترجمہ کے علاوہ جو پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے "ایران بعہد ساسانیان" کے نام سے کیا تھا، اور کوئی قابل ذکر کتاب نہیں ہے لیکن یہ دراصل ساسانی عہد کی تاریخ ہے، اس میں قدیم اشکانی اور ہخامنشی خاندان کے حالات برائے نام ہیں، اردو کے مشہور مصنف و مترجم مولوی خلیل الرحمن صاحب مرحوم نے عرصہ ہوا ایران پاستان کے نام سے قدیم ایران کی یہ مختصر تاریخ لکھی تھی، جس کو ان کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد اُن کے لائق فرزند پروفیسر نعیم الرحمن صاحب نے نظر ثانی کر کے اب شائع کیا ہے، اس میں ایران کا قدیم جغرافیہ، زمانہ ماقبل تاریخ کے حالات، پیش دادی، کیانی، ہخامنشی، اشکانی اور ساسانی خاندانوں کی مختصر سیاسی تاریخ ہے، اور جستہ جستہ مذہبی و انتظامی و تمدنی حالات بھی آگئے ہیں، ایران کی قدیم تاریخ افسانوں میں اس قدر گم ہے کہ پیش دادی اور کیانی خاندان کے تمام حکمرانوں کا ابتک علم نہیں ہو سکا ہے، اس لئے یہ مختصر تاریخ بھی اردو میں غنیمت ہے،

ضم

جلد ۶۴ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۹ء عدد ۵

مضامین

شذرات

دار المصنفین جس نازک دور سے گذر رہا ہے اس کی تفصیل ان اوراق مین تحریر کیجا چکی ہے اور اخبارات مین بھی شائع ہو چکی ہے لیکن ابھی اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہین نکلا تھا، کہ ایک دوسری بڑی دشواری پیش آگئی، یہ لکھا جا چکا ہے کہ دار المصنفین کی کتابون کی خریداری زیادہ تر پنجاب دہلی اور حیدرآباد مین تھی اس لئے ان مقامون کے انقلابات اور اس کے نتائج خصوصاً پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بُکنگ کی بندش کا اثر کتابون کی تجارت پر بھی پڑا، تاہم کچھ نہ کچھ کتابین ڈاک کے ذریعہ چلی جاتی تھین، لیکن دونون ملکون کے درمیان سکّہ کے اختلاف سے اس کا سلسلہ بھی بالکل بند ہو گیا ہے، اور نہین کہا جا سکتا کہ یہ صورت کب تک قائم رہے گی، اگر ہندوستان کے مسلمانون نے اس کی تلافی کی صورت نہ پیدا کی تو دار المصنفین کو اور بھی دشواریون کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ تنہا دار المصنفین کی بقا کا مسئلہ نہین بلکہ مسلمانون کی غیرت و حمیّت کا امتحان ہے، اس کی امداد کی بہتر شکل اس کی ممبری ہے، جس مین ممبری کی مدت تک رسالہ معارف اور نئی مطبوعات ممبرون کی خدمت مین پیش کیجائین گی، اس طرح دار المصنفین کی بھی مدد ہو جائے گی، اور ممبرون کو اُن کی ممبری کی رقم کا معاوضہ بھی ملجائے گا عام ممبری کی فیس تیس اور خاص کی پچاس روپیہ سالانہ ہے،

کلکتہ کا مشہور اور قدیم عربی مدرسہ عالیہ اگرچہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی طرح خالص دینی نہ تھا، اور اس کو حکومت چلاتی تھی، اور ایک مدت تک اس کے پرنسپل بھی

تعلیم یافتہ بلکہ انگریزی بنک ہوتے رہے تاہم اس کے ذریعہ بنگال میں اسلامی علوم و فنون کی کافی خدمت و اشاعت ہوئی جس سے وہاں کے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا، قیام پاکستان کے بعد یہ مدرسہ ڈھاکہ منتقل ہو گیا تھا، لیکن مغربی بنگال کے مسلمانوں کے لئے پہلے سے بھی زیادہ اس کی ضرورت تھی، اس لئے مولانا ابوالکلام کوشش سے دوبارہ یہ مدرسہ قائم ہو گیا ہے، اور ہمارے فاضل دوست مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی اسکے پرنسپل اور مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی صدر مدرس مقرر ہوئے ہیں، یہ دونوں اصحاب علم کے ساتھ عمل کے زیور سے بھی آراستہ ہیں، اس لئے یقین ہے کہ اب یہ مدرسہ اسلامی علوم و فنون کی تعلیم کے ساتھ دین کا بھی مرکز اور اسلامی روح کا مظہر ہوگا،

انگریزی میں لیڈن کی شائع کردہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، عرصہ سے موجود ہے لیکن اس کے مقالہ نگاروں میں زیادہ تر یورپین فضلاء ہیں، عرصہ ہوا مصر سے بھی عربی میں ایک دائرۃ المعارف نکلنا شروع ہوئی تھی جو ترمیم و اضافہ کے ساتھ انگریزی کی اسلامی انسائیکلوپیڈیا سے ماخوذ تھی، ادھر کئی سال سے اس کا کوئی جز نظر سے نہیں گذرا، اس سے پہلے الف کا حرف بھی ختم نہیں ہوا تھا، اب معلوم نہیں کس منزل میں ہے، علمائے مغرب کے علمی کمالات سے انکار نہیں لیکن ہر قوم اپنی انسائیکلوپیڈیا صحیح نقطۂ نظر سے خود ہی لکھ سکتی ہے اس لئے اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی ضرورت اب بھی باقی ہے،

لاہور یونیورسٹی کے ایک مراسلہ سے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ اس نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور اس کے لئے کمیٹی بھی بن گئی ہے، علمی کمیٹی کے چیرمین لاہور یونیورسٹی وائس چانسلر ڈاکٹر ملک ہیں، اور مالی کمیٹی کے کنوینر ہمارے لائق دوست ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کمیٹی کی جانب سے ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلمان علماء و مشاہیر کے پاس انسائیکلوپیڈیا کے مباحث کا خاکہ مشورہ کے لئے بھیجا گیا ہے، درحقیقت

یہ کام علمی اور مالی دونوں حیثیتوں سے اتنا اہم بالشان ہے کہ مشرقی ملکوں میں حکومت کی مدد کے بغیر اس کا انجام پانا دشوار ہے، لاہور یونیورسٹی کے پاس ایسے ذرائع ہیں کہ وہ اس کام کو کرسکتی ہے، اگر اُس نے اس کو تکمیل تک پہنچا دیا، تو یہ اس کا بڑا علمی کارنامہ ہوگا،

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ پیر جوان ہمت بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی کوشش سے پاکستان میں انجمن ترقی اردو کے سارے کام شروع ہوگئے ہیں، اس کا پندرہ روزہ اخبار قومی زبان پاکستان میں اردو زبان کی ترویج واشاعت کی جدوجہد میں مصروف ہے، اس کے مشہور رسالے اردو اور معاشیات بھی اپنی تمام خصوصیات کیساتھ جاری ہوگئے ہیں، ایک سائنس باقی رہ گیا ہے، امید ہے کہ وہ بھی دیر سویر نکلے گا، اور پاکستان میں انجمن کی کوششوں کے نتائج جلد ظاہر ہوں گے،

ہندوستان میں اس کی جانشین انجمن ترقی اردو علی گڑھ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ اسکی جانب سے بھی انجمن کا پرانا اخبار ہماری زبان عنقریب نکلنے والا ہے، گو اب ہندوستان میں اردو کی پرانی حیثیت ختم ہوگئی ہے، اس لئے قدرۃً انجمن کے کاموں اور طریقۂ کار کی نوعیت بھی کچھ بدل جائے گی، لیکن اس نئے دائرہ میں بھی اردو کے تعمیری کاموں کی بڑی گنجائش ہے، ہماری زبان کے اجراء سے اس میں پوری مدد ملے گی، یقین ہے کہ یہ نئی انجمن پرانی انجمن کی علمی اور ادبی روایات کو قائم رکھے گی،

دارالمصنفین نے اکبرنامہ کا ایک نہایت خوشخط مصور اور مطلا نسخہ خریدا ہے، اسکی تقطیع ۲۲×۱۴ انچ اور ضخامت ۳۴۲ صفحات ہے، اس میں اکبر کے مختلف مناظر کے متعدد مرقعے ہیں جو مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہیں، رنگوں کی تازگی کا یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے مصور نے ابھی قلم رکھا ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ تمام ورق اور تحریریں مٹی ہوئی ہیں جن سے زمانۂ کتابت کا پتہ چلتا مگر خط اور کاغذ دونوں قدیم ہیں، نسخہ کے حسن و نفاست سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ہندوستانی تاجدار کے لئے لکھا گیا ہے، عجب کیا ہے کہ اکبر یا جہانگیر ہی کے لئے لکھا گیا ہو،

مقالات

حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ

چراغ دہلی

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے

(۲)

شاہی ملازمون کی اصلاح | حضرت چراغ دہلی شاہی ملازمت کو روحانیت کے منافی سمجھتے تھے لیکن شاہی ملازمون مین سے جس کسی کو سچی طلب ہوتی، اس کی اخلاقی، مذہبی اور روحانی حالت کو سنوارنے مین دریغ بھی نہین فرماتے تھے،

خیر المجالس مجلس ہفتاد و ہشتم مین ہے کہ ایک سید مرید ہونے آیا، وہ شاہی اہل قلم کے زمرہ مین شامل تھا، حضرت چراغ نے اس کو مرید کیا، اور فرمایا نماز با جماعت پڑھا کرو، جمعہ کی نماز فوت نہ ہو، ایام بیض کے روزون کو لازم جانو، جو شخص ایام بیض کے روزے رکھتا ہو اس کی روزی بڑھتی ہو۔ میرے اور مریدون کو بھی یہ وصیت ہو کہ جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے، وہ نہ کرین، پھر فرمایا دنیا کی دولت مین بے ثباتی ہے، تم یہ خیال کرلو کہ تمھارے پایگاہ کے گھوڑے تمھارے خدمت گار، تمھارے دینار و درم یہ ساری چیزین ایک روز تم سے چھوٹ جائین گی، پھر چھوٹنے والی چیزون کا فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہی، فکر اور غم اس چیز کے لئے کرنا چاہئے، جو ہمیشہ باقی رہے گی، غور سے دیکھو ہمارے سامنے کتنے تو

اور کتنے چلے گئے، آخر ہم سے پہلے تھے، اور ہم سے پہلے چل دیئے پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو جواب دیا قرآن مجید پڑھا کرتا ہوں، سید کے ایک ہمراہی نے کہا یہ حافظ ہیں، اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا اگر کوئی گھر یا راہ میں شب و روز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے، تو اس کے لئے نوکری حجاب نہیں، وہ صوفی ہے اور اسی کے بعد حضرت سعدی کا یہ شعر پڑھا،

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست　　　　کمر بخدمت سلطان ببند صوفی باش

ایک بار ایک عالم نے آکر عرض کیا کہ فلاں شاہی سردار (ملک) نے سلام عرض کیا ہے، حضرت چراغ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے، عالم نے کہا کہ زر سرکاری کے مطالبہ میں اس کو قید کر دیا گیا ہے، اور اس کو زدو کوب کی جاتی ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا شغل دنیا بھی پھل دیتا ہے، اگلے زمانہ میں کام کرنے والے صرف خدا تعالیٰ کے لئے کام انجام دیا کرتے تھے، اور وہ معاملات میں جنید و شبلی ہوتے تھے[1]،

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا اگر طلب دنیا میں نیت اچھی ہو تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ہے[2]،

سیر الاولیاء (ص ۲۴۴) میں ہے کہ خواجہ قوام الدین حضرت شیخ نصیر الدین کے مرید صادق تھے، شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد کسی الزام میں موقوف کر دیئے گئے ان پر سخت وقت پڑا، عزیزوں اور دوستوں کی نظریں ان سے بدل گئیں، ضرورت کے وقت اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے بازار جاتے، تو کوئی خریدنے کے لئے تیار نہ ہوتا اسی پریشانی میں مرشد یاد آئے، چنانچہ وہ حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پہونچے لیکن وہ اپنا مدعا کہنے بھی نہ پائے تھے، کہ حضرت چراغ دہلی نے یہ قطعہ پڑھا

دنیا چو مقدر است، مخروشی بہ　　　　رزقے تو رسد بوقت کم کوشی بہ

چیزے کہ نمی خرند، نفروشی بہ　　　　گفتے تو نمی کنند، خاموشی بہ

---

[1] مجلس بست و پنجم [2] مجلس ہشتاد و پنجم،

خواجہ قوام الدین کا خود بیان ہے کہ میرے دل مین جو بات تھی اس کو حضرت خواجہ نے اپنے نور باطن سے اس قطعہ مین ظاہر کر دیا، اور مین نے سر جھکا کر عرض کیا کہ حضرت مخدوم نے جو کچھ فرمایا ہے وہی بندہ کے دل مین ہے، خواجہ قوام الدین کا یہی بیان ہے کہ حضرت مخدوم کی اس کرامت سے میرے دل کو بڑی تقویت پہونچی،

رجوع خلق سے ریاضت مین خلل

رشد و ہدایت کا سلسلہ اتنا بڑھا گیا کہ حضرت چراغ دہلی کو ریاضت و مجاہدہ مین اگلی سی محنت شاقہ کرنے کے لئے وقت نہ ملتا تھا، خیرالمجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کرکے فرمایا اب مجھ کو خلوت مین عبادت کرنے کی فرصت نہین ملتی، دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہون، اکثر قیلولہ بھی میسر نہین آتا، قیلولہ کرنا چاہتا ہون تو لوگ آکر جگا دیتے ہین، کہ فلان آیا ہے، تم لوگون کو فرصت ہے، عبادت مین مشغول رہو، مولانا حمید شاعر نے یہ سن کر عرض کیا، کہ ہر چند جناب کا ظاہر خلق اللہ سے مشغول معلوم ہوتا ہے لیکن باطن شریف ہمیشہ حق سے مشغول رہتا ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا رات کو البتہ کچھ ذکر یا وظیفہ ہو جاتا ہے، لیکن دن مین کچھ نہین ہوتا، پھر بھی عنایت ربانی سے ناامید نہین ہون، مولانا حمید شاعر کا بیان ہے کہ یہ بات فرماکر حضرت خواجہ نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے، اور پھر یہ شعر پڑھا،

این دلو تہی کہ در چہ انداختہ ام ۔۔۔ نو امیدنیم کہ پر برآید روزے

حضرت چراغ دہلی کی ذات اقدس سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر بہتا رہا، پھر بھی وہ فرماتے کہ مین کس لائق ہون کہ شیخ بنون اب یہ کام بچون کا کھیل ہو گیا ہے، اور اسی کے ساتھ حضرت ثنائی کا یہ شعر پڑھتے،

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی ۔۔۔ ازین آئین بے دینان پشیمانی پشیمانی

---

[1] خیرالمجالس مجلس دوازدہم [2] اخبار الاخیار ص ۷۰،

شاہی دربار سے تعلقات معاصر تاریخوں میں تو نہیں لیکن بعض تذکروں میں ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت چراغ دہلی کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی، سیر العارفین میں ہے[1]:

"ایک روز سلطان محمد تغلق نے ابتدا دور زمانہ سلطنت میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے گھر بلا کر اپنی داہنی جانب بٹھلایا، اور التماس کیا میں خراسان کی طرف جانے والا ہوں مجھے منظور ہے کہ تم بھی میرے ہمراہ چلو، یہ سن کر شیخ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ تب بادشاہ نے کہا یہ لفظ انشاء اللہ تعالیٰ کا واسطے تبعید کے واقع ہوا ہے، شیخ نے فرمایا، ہرگز یہ کلمہ کہنے سے کسی کام میں تبعید واقع نہیں ہوتی، بلکہ یہ لفظ واسطے تاکید ہی، اس درمیان میں سلطان نے طعام طلب فرمایا، اور یہ قصد کیا کہ اگر شیخ کھاویں تو اُن کو ایذا پہنچاوُں جب دسترخوان بچھایا گیا، حضرت شیخ نے بکراہت تمام کھانا شروع کیا، اس کے بعد سلطان نے کہا یا شیخ مجھے کوئی نصیحت ایسی کیجیے جس پر میں عمل کروں شیخ نے فرمایا کہ یہ درندوں کا سا غصہ جو تمھاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے، اس کو چھوڑ دو بعد اس کے سلطان نے ایک بدرہ زر سفید کا اور دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ کے شیخ کے پیش نظر کئے، مقصود اس کا یہ تھا کہ شیخ یہ عطیہ خود اٹھا دیں لیکن شیخ بالکل متوجہ نہ ہوئے، اسی اثنار میں خواجہ نظام الدین دبیر مقرب خاص سلطانی جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا مرید تھا، اُس نے حضرت شیخ کے آگے سے وہ صوف اور زر نقد اٹھا لیا، اور کفش شیخ درست کر کے سامنے رکھدیں، جب حضرت شیخ سلطان کی مجلس سے باہر آئے، مقرب سلطانی نے وہ صوف اور زر نقد خادم کے سپرد کیا، اور پیشانی اپنی شیخ کے خاک پا پر مل کر رخصت حاصل کی، بادشاہ مقرب نظام الدین پر از حد غیظ و غضب میں ہوا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلوار پر ہاتھ لے گیا، اور لال ہو کر کہا اے مشکیب

[1] یہ عبارت سیر العارفین کے ترجمہ کی نقل ہے، ج دوم ص ۴۴،

تیری کیا مجال اور قدرت تھی جو تونے بدرقہ اور صوف شیخ کے سامنے اٹھا کر اُن کی کفشین میرے سامنے لا کر درست کرکے رکھدین خواجہ نظام الدین مذکور میانہ قد تھا، اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کا منظور نظر تھا، اور شعر گوئی مین حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمہ کا شاگرد تھا، فی الفور بادشاہ کو جواب دیا کہ اگر مین اس صوف اور زر نقد کو نہ اٹھاتا تو وہ آپ کے ڈولیہ ہی مین پڑا رہتا، اور شیخ ہرگز اپنا ہاتھ اس پر نہ بڑھاتے اور کفشون کا درست کرکے رکھنا یہ میرا عین فخر تھا، واللہ اگر اس وقت سلطان عالم مجھ کو قتل بھی فرما دین گے تو مین نہایت خوشنود اور راضی ہون گا، اس واسطے کہ آپ کی تنگ صحبت سے مجھکو قیامت تک کے واسطے خلاصی ہوجائے گی، یہ سب کچھ کہہ گیا اور شیخ کی برکت سے بادشاہ اس کا کچھ نہ کرسکا"

حضرت خواجہ نصیر الدین کی طبیعت بڑی نرم اور میٹھی تھی، اس لئے سلطان کو اُن کا جو لہجہ اوپر نقل کیا گیا ہے، اُن کی طبیعت اور فطرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یہ روایت اس لئے بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے کہ یہ تمام باتین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا فخرالدین زرادی کے حالات مین بھی بیان کی جاتی ہین، اخبار الاخیار مین ہے،

"جب محمد تغلق نے دہلی کے لوگون کو دیوگیر بھیجا تو ان ہی دنون یہ چاہا کہ ملک ترکستان اور خراسان کو تسخیر کرکے وہان سے چنگیز خانیون کو نکال دے، شہر کے صدور اور اکابر کو حکم دیا کہ جمع ہون اور ایک بڑا خیمہ نصب کرکے اس کے نیچے اپنے بیٹھنے کے لئے ایک منبر رکھا، تاکہ اس منبر پر لوگون کو جہاد کی ترغیب دے، اسی دن مولانا فخر الدین زرادی شیخ شمس الدین یحیٰی اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی بلایا، خواجہ قطب الدین دبیر جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدون مین اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے، مولانا کو

سب سے آگے سلطان کے دربار میں لے گئے، مولانا بار بار فرماتے تھے، میں اپنے سر کو اس مرد کے سامنے پڑا ہوا دیکھتا ہوں، میں اس کی موافقت کرنی نہیں چاہتا، جب سلطان سے مولانا کی ملاقات ہوئی، تو خواجہ قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھا کر بغل میں لے لیں، اور کھڑے ہو گئے، سلطان نے یہ دیکھ کر کچھ نہ کہا، اور مولانا فخر الدین زرادی سے باتوں میں مشغول ہوا، اس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ چنگیز خانیوں کو نکال دوں، آپ اس کام میں میرے ساتھ دہیں گے، مولانا نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ، سلطان نے کہا یہ تو کلمہ شک ہے، مولانا نے کہا آنے والی بات کے لئے یہی کہا جاتا ہے، سلطان نے پیچ و تاب کھایا، اور کہا آپ مجھکو نصیحت کیجئے، تاکہ میں اس پر عمل کروں، مولانا نے فرمایا اپنا غیظ و غضب روکو، سلطان نے کہا کونسا غیظ و غضب، مولانا نے کہا وحشیانہ، سلطان کو بڑا غصہ آیا لیکن اُس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ، جب کھانا لایا گیا تو مولانا نے کراہت کے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھایا، جب کھانا ختم ہو چکا تو ان بزرگوں کو جو وہاں موجود تھے، ایک ایک جامۂ صوف اور ایک ایک بدرۂ سیم پیش کیا گیا، شیخ نصیر الدین محمود اور مولانا شمس الدین یحییٰ اور دوسرے بزرگ جیسا کہ مشہور ہے، ان چیزوں کو ہاتھوں میں لے کر باہر نکلے لیکن مولانا فخر الدین کے جامہ و سیم کو خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے لیا، وہ جانتے تھے، کہ مولانا نہیں لیں گے، اور اُن کی ہتک ہو گی، جب یہ تمام بزرگ واپس گئے تو سلطان محمد نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا اے فریبی، بدبخت! تو نے یہ کیا حرکت کی کہ فخر الدین زرادی کو میری تلوار سے خلاصی دلا دی، خواجہ قطب الدین نے کہا وہ میرے استاد ہیں، اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، مجھ پر لازم تھا کہ میں اُن کا ادب کرتا، سلطان نے کہا، ایسے کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ تجھ کو مار ڈالوں گا، خواجہ قطب الدین نے کہا زہے قسمت کہ میں اپنے مخدوم کی خاطر مارا جاؤں (ص ۷۶-۵۸)

اسی اخبار الاخیار میں سلطان محمد تغلق اور حضرت خواجہ نصیر الدین کے ناخوشگوار تعلقات کا جو ذکر ہے، وہ سیر العارفین کے بیانات سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو:-

"بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ان کے کمالات کے باوجود ایذائیں دیتا، اور اپنے ساتھ سفر میں لیجاتا، کہتے ہیں کہ سلطان نے ان کا اپنا جامہ دار مقرر کیا تھا، وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی وصیت کے مطابق برداشت کرتے، اور دم نہ مارتے تھے، ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے شیخ نصیر الدین محمود کے لئے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا، مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا کہ اگر وہ کھانا نہ کھائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں کھایا، اور اگر کھالیا، تو سوال کیا جائے گا، کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھاکر خلاف شرع کام کیوں کیا، جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے، لیکن سونے کے پیالہ سے کچھ یخنی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی، اور پھر اس کو چکھا، دشمن ناکام واپس ہوئے"، (ص ۵۷)

تاریخ فرشتہ میں تو بعض ایسی عجیب وغریب باتیں ہیں جو اور تذکروں میں نہیں ہیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"بادشاہ محمد تغلق شاہ اپنے قتل وخون کی وجہ سے خونی کہلاتا تھا، اس کو درویشوں سے بھی سوءظن تھا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تمام درویش خدمت گاروں کی طرح اس کی خدمت کریں، ایک اس کو پان کھلائیں، ایک اس کی دستار باندھیں، اسی طرح بہت سے مشائخ کو مختلف کاموں کے لئے مقرر کیا، شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی کو کپڑا پہنانے پر مامور کیا، لیکن انھوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کیا، سلطان کو غصہ آیا، اور ان کو قید کردیا، شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاء کی

بات یاد آئی اور وہ مجبوراً سلطان کی خدمت کرنے پر راضی ہوگئے، قید سے اُن کو نجات ملی، اسی مدت مین سلطان کو طرح طرح کے جھگڑے پیش آئے، اور اس کی موت جلد ہوگئی، جس سے خدا کے بندون کو نجات ہوئی، (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹)

حضرت چراغ دہلی کے پیر بھائی خواجہ سید مبارک امیر خورد اپنی تصنیف سیر الاولیار مین حضرت چراغ دہلی اور سلطان کے تعلقات کا ذکر اس مختصر طریقہ پر کرتے ہین،

"سلطان محمد تغلق نے جس نے مملکت ہندوستان کے طول و عرض کو اپنے قبضہ مین کر لیا تھا، شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ کو جن کو تمام عالم بالاتفاق شیخ عصر تسلیم کرتا تھا، اور جن کے بہت سے لوگ مرید تھے، ایذائین پہونچائین، لیکن شیخ نصیر الدین محمودؒ نے اپنے پیرون کے اتباع مین تمام باتون کو برداشت کیا، اور بدلہ لینے کی کوشش نہین کی، بادشاہ نے اپنی عمر کے آخری زمانہ مین ٹھٹھ کی مہم پر گیا، جو شہر دہلی سے ہزار کروہ پر واقع تھا، وہان پہنچ کر شیخ نصیر الدین محمود کو علما، اور بزرگان دین کے ساتھ طلب کیا، اور بجا طور پر ان کا احترام نہین کیا، ان لوگون نے تحمل سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس کو تخت سلطنت سے اُتار کر تختۂ تابوت پر شہر لائے، شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اس بادشاہ نے ایذا کیون پہنچائی، تو انھون نے فرمایا کہ یہ معاملہ میرے اور حق جل وعلیٰ کے درمیان تھا، اس کو اسی طرح مین نے برداشت کیا (ص ۲۴۴-۲۴۵)

تعجب ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین کو ایذائین دین، کیونکہ اس کو خود سلسلۂ چشتیہ مین حضرت شیخ علاء الدین نبیرۂ حضرت شیخ فریدالدینؒ سے ارادت تھی، اس کے علاوہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بھی معتقد رہا، ایک روایت کے مطابق آپ کے جنازہ کو کاندھا بھی دیا، حضرت خواجہ صاحب کے روضۂ مبارک کی عمارت اسی نے بنوائی، (سیر الاولیار ص ۱۵۴) ایسی

حالت میں اُن کے جانشین کو ایذا دینا موجب حیرت ہو، اس کو اولیاء اللہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کے لئے زبردستی خانقاہ بنوائی، اور ان کو جاگیر دی،

اسی طرح حضرت شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد اُن کے مزار کے پاس ایک خانقاہ تعمیر کی، اور اس کے لئے کچھ گاؤن وقف کئے (الدر المنظوم ملفوظات حضرت جہانیان جہان گشت (اردو ترجمہ) ص ۵۲۵)

اوپر کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہوگا کہ دربار مین بزرگان دین آتے، تو ان کو خلعت اور منعانے بھی دیتا؛

حضرت برہان الدین غریب سے اس کی خوش عقیدگی کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، اسی طرح اُس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین منور سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا، ان کے پاس چند گاؤن کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہان کے معرفت بھیجا، لیکن انھون نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میرے خواجگان ایسی چیزون کو قبول نہین کرتے تھے، ان گاؤن کے جو طالب ہون ان ہی کو دو، سلطان محمد تغلق ایک موقع پر ہانسی گیا، یہان حضرت قطب الدین کی خانقاہ تھی لیکن سلطان ان سے مل نہ سکا تو ان کو دہلی آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ بادل ناخواستہ دہلی تشریف لے گئے، اور جب دربار مین پہنچے، تو اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے،

"چون سلطان ...... شیخ را بدلطافت نیاورد، بہ تعظیم تمام پیش آمد و مصافحہ کرد،

سلطان پر شیخ کا ایسا رعب طاری ہوا، کہ وہ ان کا بیحد معتقد ہو گیا، اور عرض کیا کہ مین جب آپکے شہر مین حاضر ہوا تو آپ نے کچھ تربیت نہین فرمائی، اور نہ اپنی ملاقات کا شرف بخشا، شیخ نے فرمایا پہلے ہانسی کو دیکھو پھر درویش بیچارہ ہانسی کو، یہ درویش اپنے کو اس لائق نہین سمجھتا ہے کہ بادشاہون سے ملاقات کرے، ایک گوشہ مین بیٹھا بادشاہون اور تمام اہل اسلام کے لئے دعائین کرتا رہتا ہے اس کو معذور رکھنا چاہئے، سلطان اس بات سے متاثر ہوا، اور شہزادہ فیروز سے جو اس وقت موجود تھا کہا،

"آنچناں کہ مقصود تحفہ است ہمچنان کنید،

شیخ نے فرمایا میرا مقصود فقرا در باپ دادا کا گوشہ ہے، جب شیخ سلطان کے یہاں سے واپس تشریف لے گئے، تو اس نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکہ دیکر ان کے پاس بھیجا، شیخ نے اتنی بڑی رقم دیکھکر فرمایا، یہ درویش ایک لاکھ تنکے لیکر کیا کرے گا، شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی سلطان کے پاس واپس گئے، سلطان نے پچاس ہزار تنکے دیکر پھر دونوں کو بھیجا، شیخ نے ان کو بھی قبول نہیں کیا، بالآخر دو ہزار تنکے بھیجے گئے، لیکن ان کو بھی قبول نہیں کیا، اور فرمایا درویش کے لئے دو سیر کھچڑی اور ایک سیر روغن کافی ہے، دو ہزار ون لے کر کیا کرے گا، لیکن جب شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی نے بہت اصرار کیا تو دو ہزار کی رقم لیلی کچھ تو مرشد کے مزار کے لئے محفوظ رکھی، اور بقیہ فقراء میں تقسیم کر دی،[۱]

مذکورۂ بالا واقعات کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سلطان نے یہ تمام باتیں حضرت شیخ قطب الدین منور کو ایذا دینے کے لئے کین[۱] جو بظاہر قرین قیاس نہیں ہے، عام طور سے تذکرہ نگار جب بوریا نشینوں اور تخت نشینوں کے تعلقات کا ذکر کرتے ہیں، تو کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ضرور قلمبند کر دیتے ہیں جن سے ان کے خیال میں درویشی کی شان عظمت و جلالت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کیا عجب کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود اور سلطان محمد تغلق کے تعلقات کے دکھانے میں بھی یہی صورت اختیار کی ہو، اس قسم کے واقعات مغلیہ دور کی تصانیف میں زیادہ پائے جاتے ہیں، جن کے مصنفین کو تیموریوں سے پہلے کے سلاطین کو کسی نہ کسی حیثیت سے مجروح کرنے میں لطف حاصل ہوتا تھا،

شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت نصیر الدین کو ایذا دینے کے لئے ٹھٹھہ نہیں بلایا تھا، بلکہ وہاں اپنے ساتھ لے گیا تھا،

"چو سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھہ رفت خدمت شیخ نصیر الدین را ہمراہ خود برد"[۲]

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۸۰-۸۱ [۲] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹،

آگے چل کر مقدمۂ دوازدہم میں ہے،

"خدمت شیخ نصیرالدین محمود علیہ الرحمۃ الغفران را سلطان محمد در ٹھٹھہ برابر خود بردہ بود و اندران ایام کہ سلطان محمد در زمین ٹھٹھہ بحضرت الرّبوبیت و حضرت فیروز شاہ بعون اللہ برباد شاہی نشست خدمت شیخ نصیرالدین محمد برابر سلطان فیروز گشت"۔[1]

حضرت چراغ دہلی اور سلطان فیروز شاہ

مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۵۳۵) سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود ان علماء و مشائخ و اکابر کے ساتھ شریک تھے جنھوں نے ٹھٹھہ میں بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا، لیکن شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتہً زیادہ واضح ہیں، فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ہے،

"جب سلطان محمد تغلق طغی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ٹھٹھہ گیا، تو وہ حضرت شیخ نصیرالدین کو اپنے ساتھ لے گیا، سلطان محمد نے ٹھٹھہ میں وفات پائی، اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا، حضرت شیخ نصیرالدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے، ورنہ ان بیکس بندوں کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے، سلطان فیروز نے جواب کہلا بھیجا کہ میں خداوند تعالیٰ کے بندوں سے حلم و بردباری کے ساتھ پیش آؤں گا، اور اُن پر انصاف و محبت سے حکومت کروں گا، حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلایا کہ اگر آپ خلق کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئیں گے، تو ہم بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ کے لئے چالیس سال کی حکومت کے لئے دعا کریں گے، اور آخر کار وہی ہوا، جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا، سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود نے سلطان فیروز شاہ کو انتالیس خرمے بھیجے،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۰۲،

جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی، (ص ۲۹)

حضرت چراغ دہلی اور خانجہان

سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہان حضرت چراغ دہلی کا مرید تھا، یہ نسباً تلنگی ہندو تھا، سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر ایمان لایا، اور اپنی غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر ترقی کر کے محمد تغلق ہی کے زمانہ میں وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، فیروز شاہ کے عہد میں بھی وزارت کی باگ اسی کے ہاتھ میں رہی، جب وہ حضرت چراغ دہلی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا تو مرشد سے اپنے لئے عبادت وریاضت کی تفصیل پوچھی، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تم وزیر مملکت ہو، تمھاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری میں انتہائی کوشش کرو، خانجہان نے اوراد و وظائف کے لئے اصرار کیا، فرمایا اگر تم ہمیشہ باوضو رہو تو تمھارے لئے یہی بہتر ہے، چنانچہ خانجہان مرشد کی ہدایت کے مطابق ہمیشہ باوضو رہنے لگا، شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس امر میں خانجہان اتنی احتیاط کرتا تھا کہ اگر دربار میں مسند وزارت پر اس کو وضو کی حاجت ہو جاتی، تو فوراً اٹھ کر وضو کر لیتا، اور رات کو جب اپنے بستر حریر پر سونے کے لئے جاتا، تو پلنگ کے پاس ایک آفتابہ اور ایک طشت رکھوا لیتا، اور جب آنکھ کھلتی فوراً پلنگ سے اتر کر وضو کر لیتا، وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے قریب دفن ہوا، تمام خلقت خدا نے اس کے لئے ماتم کیا، اور جیسا کہ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ ہر شخص تعزیت میں مسجدوں اور مقبروں میں جا بیٹھا، لیکن یہ کہنا صحیح ہوگا کہ خانجہان کی خدا ترسی اور عدل پروری حضرت چراغ دہلی ہی کے فیض صحبت کا نتیجہ تھی، اس کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف رقمطراز ہے،

"خانجہان وزیر صاحب تدبیر اور خدا ترس تھا، ہر وقت رعایا کی بہتری و فلاح کی کوشش میں لگا رہتا، کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم روا نہ رکھتا، اگر کوئی مقطع ظلم کرتا اور مال سے گراتا، تو خانجہان مال کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا، ہر وقت رعیت کی راحت کی

میں سرگرم رہتا، کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا اور دل وجان سے ان کے قصور کی پردہ پوشی کرتا، اور اگر کسی عامل سے کوئی جرم سرزد ہوجاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس کا حال بادشاہ سے عرض کرکے اس کو شاہی باز پرس سے بری کرادیتا، خانجہاں کی وفات پر تمام خلقت خدا نے ماتم کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اُس کی مغفرت کی دلیل ہیں؛

(تاریخ فیروز شاہی ص ۴۲۲ و ۴۲۳)

حضرت چراغ دہلی اور حضرت قطب الدین منور کی ملاقات

جب حضرت چراغ دہلی سلطان فیروز شاہ کے ساتھ ٹھٹھے سے واپس ہو رہے تھے، تو انھوں نے حضرت قطب الدین منور کی ملاقات کے لئے ہانسی کا رُخ کیا، حضرت قطب الدین منور کو جب معلوم ہوا کہ حضرت چراغ اُن کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں، تو برہنہ پا دوڑے، اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، حضرت منور نے حضرت چراغ کے قدموں کی جانب ہاتھ بڑھایا، اور حضرت چراغ نے شیخ منور کے قدم لینے کا ارادہ کیا، اس تواضع کے بعد دونوں بڑی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ تشریف لائے، اور اپنے پیرو مرشد کو یاد کرکے بہت روئے، اس کے بعد محفل سماع منعقد ہوئی، جس میں دونوں بزرگوں پر سکر کا عالم طاری ہوا، سماع کے بعد عصر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت شیخ منور نے حضرت چراغ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ امامت کریں، حضرت چراغ نے حضرت منور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر کہا امامت آپ کے لئے زیبا ہے، یہ بھی فرمایا، کہ اگرچہ پیرو مرشد نے ہم دونوں بھائیوں کو ایک ہی روز خرقۂ خلافت عطا کیا تھا، لیکن آپ کو چاشت کے وقت خلافت ملی اور مجھ کو ظہر کی نماز کے وقت مشرف فرمایا اس لئے امامت کے لئے بھی آپ ہی کا حق مقدم ہے مرشد کے ذکر پر حضرت شیخ منور امامت کے لئے آگے بڑھے، شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ جب دونوں عارفان حق نماز ادا کر رہے تھے، تو معلوم ہوتا تھا کہ فرش زمین پر قرآن السعدین ہے[1]

[1] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۸۰-۱۸۱

دونوں بزرگان دین میں شروع سے آخر تک غیر معمولی محبت رہی، حضرت شیخ منور کے یہاں جب حضرت چراغ دہلی کا کوئی مرید آیا، تو فرماتے آؤ میرے قریب بیٹھو، تم میرے برادر شاہ ہو، پھر اس پر بیحد کرم فرماتے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے حضرت چراغ کی قدمبوسی کے لئے آتا تو آپ اس کو اپنی آغوش شفقت میں لیتے، اور اپنی خانقاہ میں اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان رکھتے[1]،

ذوق سماع | خواجگان چشت کی طرح حضرت چراغ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے، ایک مرتبہ خانقاہ کی ایک مجلس سماع میں حسب ذیل شعر پر وجد آیا،

جفا بر عاشقان گفتی نخواہم کرد ہم کردی
قلم بے دلان گفتی نخواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ میں اس محفل کا پورا حال بیان کرکے یہ اعتراض کیا کہ اس شعر میں کوئی بات نہیں ہے، اگر جور و جفا کی نسبت خداوند تعالی کی جانب کی جائے، تو یہ کفر ہے، اس قسم کے اور اعتراضات بھی تھے، مولانا مغیث نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا، انھوں نے حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کو پڑھا، لیکن کچھ ارشاد نہیں فرمایا، اور رسالہ واپس کر دیا، کچھ دنوں کے بعد ایک اور مجلس میں حضرت چراغ کو اس شعر پر بڑی بے قراری ہوئی

ما طبل مغانہ دوش بے باک زدیم | عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر یکے مغ بچۂ خوارہ | صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

اور اسی بے قراری کے عالم میں چھت پر تشریف لے گئے، اور مولانا مغیث کو بلایا، جب وہ سامنے آئے تو فرمایا "ہاں مولانا بنویس این جا چہ جہل بود"[2]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۸۴۔ [2] جوامع الکلم ملفوظات حضرت گیسو دراز، و اخبار الاخیار ص ۷۷،

جب کبھی سماع کی وجہ سے سکر کا عالم طاری ہوتا، تو بھی نماز قضا نہ ہونے پاتی، ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا، جو تہجد کی نماز تک قائم رہا، لیکن اس اثنا میں جب نماز کا وقت آتا، تو ہر بار وضو کرکے نماز ادا فرماتے،[1]

سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہیں فرماتے تھے، ایک روز حضرت محبوب الٰہی کے مریدوں نے مجلس سماع منعقد کی، قوالوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا تو حضرت چراغ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا یہ خلاف سنت ہے، حضرت محبوب الٰہی کو یہ واقعہ سنایا گیا، توآپ نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں، اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں،[2]

ایک بار کسی نے مجلس سماع میں آپ سے مزامیر، دف، رباب اور رقص کے متعلق استفسار کیا، تو فرمایا مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں، اگر کوئی طریقت سے گرے، تو کم سے کم شریعت میں رہے اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا، تو پھر کہاں کا رہے گا، اول تو سماع ہی میں علمار کا اختلاف ہے، اگرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے، لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں،

سماع کے متعلق فرمایا،

داروے دردمنداں است[3]

اور سماع میں ذوق درد دل سے ہوتا ہے، نہ کہ مزامیر سے،

قاتلانہ حملہ ایک روز حضرت چراغ نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرۂ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے کہ ایک قلندر مسمی تراب وہاں پہنچا، اور چھری سے پے درپے آپ پر حملے کئے، خون حجرے کے باہر بہنے لگا، لیکن آپ کے استغراق میں فرق نہیں آیا، خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے، اور قلندر کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت چراغ نے روکا، اور اپنے مریدین خاص قاضی عبدالمقتدر، شیخ

---

[1] مفتاح العاشقین ص ۷۵، [2] اخبار الاخیار ص ۸۱، [3] خیر المجالس مجلس ہشتم و اخبار الاخیار ص ۸۱،

صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلا کر قسم دی، کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھری مارنے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہونچی ہو تو معاف کرنا، اور بیس تنکہ زر دے کر اس کو رخصت کیا، ان ہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے، کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر رضا و تسلیم کا خاتمہ آپ پر ہو گیا۔[1]

وصال | اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے، ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی،

وفات سے پہلے مولانا زین الدین علی نے عرض کیا، کہ آپ کے اکثر مرید اہل کمال ہیں، کسی کو سجادہ نشین مقرر فرما دیں تاکہ سلسلہ جاری رہے، فرمایا ان درویشوں کے نام لکھ کر لاؤ جن کو تم اس لائق سمجھتے ہو، مولانا زین الدین نے تین قسم کے درویشوں کا انتخاب کیا، اعلیٰ، اوسط، اور ادنیٰ، حضرت خواجہ نے ان کے نام دیکھ کر فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کا غم کھائیں گے، لیکن دوسروں کا بار نہ اٹھا سکیں گے، اس کے بعد وصیت فرمائی کہ دفن کرنے وقت حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کا خرقۂ مبارک میرے سینہ پر، ان کا عصا میرے پہلو میں، ان کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں، ان کا کاسہ خشت کے بجائے میرے سر کے نیچے اور ان کی چوبین نعلین میرے بغل میں رکھدی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے غسل دیا، اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا، اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کرکے اپنی گردن میں ڈال لیں، کہ میرے لئے یہی خرقہ ہے، اور یہی کافی ہو، مزار اقدس دہلی میں ہے۔

لطافتِ طبع | آپ کی طبیعت میں بہت پاکیزگی اور مزاج میں بڑی نفاست تھی، آپکے مرید حضرت سید گیسو دراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم (ص ۱۱۲) میں فرماتے ہیں کہ جس جگہ بیٹھتے وہ بہت ہی پاک صاف اور روشن ہوتی، وہاں ایک تنکہ بھی دکھائی نہیں دیتا، کسی وقت یہ نہیں معلوم ہوتا، کہ جسم مبارک

[1] سیر العارفین ص ۲ ص ۹۴،

پر جو کپڑا ہے، وہ کل زیب تن فرمایا ہے، یا آج پہنا ہے، دامن اور آستینوں کی شکن سے کچھ اندازہ ہوتا، کہ دو دن کا پہنا ہوا ہے، دائیں بائیں پھولوں کا انبار لگا رہتا تھا،

تجرد مرشد کی سنت کی پیروی میں تمام عمر ازدواجی تعلق سے آزاد رہے،

بزرگی خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید قلندر رقمطراز ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود علم میں ابو حنیفۂ وقت اور زہد و ورع میں حضرت شیخ نظام الدین کی جگہ پر تھے[1]، مفتاح العاشقین کے مرتب مولانا محب اللہ نے حضرت خواجہ کو عمدۃ الابرار قدوۃ اخیار، ملک السالکین، برہان العاشقین اور ختم المشائخ کے القاب سے یاد کیا ہے[1]،

لطائف اشرفی میں ہے:- (ص ۳۶۲)

"حضرت قدوۃ الکبری می فرمودند کہ ہرچند کہ خلفاء حضرت سلطان المشائخ ہمہ بر مسند شیخوخیت و ارشاد و بر جادۂ شریعت و انقیاد بودند، اما حضرت شیخ نصیر الدین محمود را حق تعالیٰ ولایتے کرامت کردہ بود کہ بدان رتبہ ہیچ کس از خلفاء نتواند رسید، و آن مقدار آثار ولایت و کرامت و انوار ہدایت و عظامت کہ از حضرت شیخ نصیر الدین ظہور پیوست از ہیچکس ظاہر نشد، بلکہ در ہمہ ہندوستان ہیچ صاحب ولایتے مقاومت ایشان نتوانست،

سیر العارفین میں ہے کہ

"وہ میانہ بزرجہاد اکبر، وہ شاہد شہود اطہر اظہر، وہ صنوبر ریاض دیانت وہ نیلوفر فیوض امانت وہ خال لینزہ و تشبیہ وہ عامل تنقیح و توضیح وہ برگزیدہ معبود واحد الواحد، وہ مشائخ کبار میں مستثنیٰ مجر دان روزگار میں اولی الابصار تھے[2]،

---

[1] خیر المجالس مجلس دوم ص، مفتاح العاشقین، تمہید،
[2] سیر العارفین جلد دوم ص،

مولانا عبد الحق نے اخبار الاخیار مین حضرت خواجہ کو مستغرق بحر شہود کے لقب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے شیخ کا بہت اتباع کرتے تھے، ان کا طریقہ نقر، صبر، رضا اور تسلیم تھا،[1]

سفینۃ الاولیا (ص ۱۷۱) مین ہے کہ حضرت خواجہ سے اتنی کرامتین صادر ہوئین، کہ سلطان المشائخ کے کسی مرید سے اتنی ظاہر نہ ہوئی ہون گی، خزینۃ الاصفیا مین ہے،

"صاحب الاسرار زبدۃ الابرار و عابد عظیم وزاہد کریم بود (ص ۳۵۲)

ملفوظات حضرت چراغ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور ہوئے، (۱) خیر المجالس مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر (۲) مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ ان دونون مین خیر المجالس زیادہ مقبول ہوئی، اس مین ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسون کے ملفوظات ہین، تمام صوفیانہ رموز و نکات لذیذ حکایتون کے پیرایہ مین واضح کئے گئے ہین، اس لئے پوری کتاب شروع سے آخر تک دلچسپ ہے، گذشتہ صفحات مین اس کی تعلیمات کا ذکر جستہ جستہ آچکا ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم اس کے اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کرنے سے معذور ہین، پھر بھی کچھ مباحث ہدیۂ ناظرین ہین،

جذب و سلوک فرمایا سلوک مین ارادت ضروری شرط ہے تاکہ مرشد طریقۂ ذکر و فکر کی تعلیم دے سکے، اور جہان ایک سالک کو وقفہ عارض ہو، وہان مرشد دست گیری کرے، ایک سالک متدارک بجذبہ اور اور ایک مجذوب متدارک بہ سلوک ہوتا ہے، سالک متدارک بجذبہ وہ ہے، جو علم، عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک اور پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے، وہ اپنے اعمال مین خون جگر پیتا ہے، رنج و تعب اٹھاتا ہے، اس کو نفس اور شیطان معصیت مین آلودہ کرنا چاہتے ہین، لیکن وہ تائب ہو کر عابد و زاہد رہتا ہے: اور مجذوب متدارک بہ سلوک وہ ہے، جو پہلے جذبہ اور آخر مین سلوک حاصل کرتا ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے، جذبہ کی قوت سے کرتا ہے، شیطان اور نفس دونون کو اس کے یہان دخل نہیں، حضرت چراغ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بہ سلوک دونون

---

[1] اخبار الاخیار (ص ۸۰)

کی متابعت کی جاسکتی ہے، لیکن مجذوب مطلق اور سالک نا متدارک جذبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے،
حضرت چراغ کے نزدیک سالک متدارک بجذبہ مجذوب متدارک بہ سلوک سے افضل تر ہے، سالک
کی ایک قسم واقف بھی ہوتی ہے، جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کرلیتا ہے، لیکن کسی لغزش
کی وجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا، ایسی حالت میں مرشد مدد کرتا ہے، ورنہ اس کو شیطان طمانچے مار مار کر ہٹا دیتا ہے[۱]

حال ومقام | فرمایا ایک مبتدی تلاوتِ کلام پاک، نماز اور فکر میں وقت صرف کرتا ہے، اور
جب وہ اپنے اوقات کو عبادت و ریاضت سے معمور کر لیتا ہے، تو وہ صاحب وقت کہلاتا ہے،
اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے، جس میں انوار نازل ہوتے ہیں، اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے، اور
دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے، لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا، اگر اس کو دوام
حاصل ہو جاتا ہے، تو یہ مقام ہے، اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے، تو مبتدی منتہی کے درجہ پر
پہنچ جاتا ہے، اور وہ صاحبِ انفاس کہلاتا ہے[۲] اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے، اور وہ غیر حق
کے تمام خیالات دل سے محو کر دیتا ہے،

صحتِ نفس | حضرت چراغ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا، فرمایا محافظت نفس کے لئے محافظت
نفس ضروری ہے، چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لبِّ لباب اس شعر میں پیش کیا،

صحتِ نفس وقوت یک روزہ

بہتر از تاج وتخت فیروزہ[۳]

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ اٹھائیس صفحے کا ایک مختصر رسالہ جو مطبع مجتبائی
دہلی میں چھپ گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں ہے:۔

"تمام شد ملفوظ حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز"

---

[۱] خیر المجالس مجلس دہم ومجلس سی ونہم [۲] ایضاً مجلس دوازدہم [۳] ایضاً مجلس دوازدہم وسی ونہم،

تاریخ سیزدہم ماہ صفر [illegible] ہجری نبوی روز پنجشنبہ وقت نماز ظہر،

[illegible] کتابت و طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت چراغ کا وصال

۷۵۷ھ مین ہوا،

مفتاح العاشقین مین صرف دس مجلسون کے ملفوظات ہین، اس مین سے بھی کچھ باتین پیش کیجاتی ہین،

غسل کی قسمین فرمایا ایک مرید کے لئے تین قسمون کا غسل ضروری ہے، (۱) غسل شریعت، یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا، (۲) غسل طریقت یعنی تجرد اختیار کرنا، (۳) غسل حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا، (ص ۴)

چار عالم فرمایا ایک مرید کو راہِ سلوک مین حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے، اور اگر وہ واقف نہین ہے تو وہ دروغ گو ہے،

(۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت،

عالم ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے، اس مین حواس خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہین، سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گذر کر عالم ملکوت مین پہنچتا ہے، جہان اس کے افعال صرف تسبیح، تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہین، اس عالم کو طے کرکے وہ عالم جبروت مین آتا ہے، جہان صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق، طلب، وجد، سکر، صحو، تید اور محو کے سوا کچھ اور نہین ہوتا، اس کے بعد وہ عالم لاہوت مین داخل ہوتا ہے، جو بالکل لامکان ہے، یہان نہ گفتگو ہے، اور نہ جستجو، عالم ناسوت نفس کی صفت، عالم ملکوت دل کی صفت، عالم جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت "نظر رحمان" کی صفت ہے،

تجلیہ روح ایک دوسری جگہ فرمایا کہ سالک جب تک تزکیہ، تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہین کرتا، اس

میں درویشی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں، حصولِ شریعت سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے، اور اس کے لئے کم کھانا، اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے، حصولِ طریقت سے تصفیہ دل ہوتا ہے، اس کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے، حصولِ حقیقت سے تجلیہ روح ہوتا ہے،

اس کے لئے روزے رکھنا اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے، تجلیۂ روح سے مراد دل کے سات گوہر روشن ہونا ہے، وہ سات گوہر یہ ہیں،

(۱) گوہر ذکر (۲) گوہر عشق (۳) گوہر محبت (۴) گوہر سیر (۵) گوہر روح، (۶) گوہر معرفت، (۷) گوہر فقر،

گوہر ذکر کی روشنی سے سالک موجودات کی کل چیزوں میں منفرد ہو جاتا ہے، جس کے بعد گوہر عشق روشن ہو جاتا ہے، اس میں شوق اشتیاق، درد اندوہ حیرانی اور بیخودی رہتی ہے، اس کے بعد گوہر محبت میں روشنی پیدا ہوتی ہے، جس سے سالک کے دل میں خدا کے سوا کسی اور کی محبت نہیں رہتی ہے، اور وہ ہر حال میں راضی برضا ہوتا ہے، اسی اثنا میں وہ واردات اور مواہب الٰہی سے آگاہ و سرفراز کیا جاتا ہے، جس سے گوہر سیر روشن ہوتا ہے، اس کے بعد روح کا گوہر چمکتا ہے جیسے سالک کا کوئی لمحہ خدا کی طاعت سے خالی نہیں رہتا ہے، پھر گوہر معرفت اور آخر میں گوہر فقر روشن ہوتے ہیں، گوہر معرفت کے روشن ہونے پر سالک جو کچھ سنتا ہے، خدا سے سنتا ہے، جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے، جب کبھی چلتا ہے تو خدا کے لئے چلتا ہے، اور جب فقر کا گوہر روشن ہوتا ہے تو سالک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے،

اور جب سالک ان مراتب کو پہنچتا ہے، تو انوار تجلی سے متصف ہو کر اٹھارہ ہزار دنیا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان پاتا ہے، اور وہاں خدا کی قدرت سے چون اور چگون کا تماشا دیکھتا ہے،

قدرت خداوندی مین جو کچھ چیزین ہین، وہ اُس کی "روزی" ہوتی ہے، مگر سالک کو احتیاط رکھنا چاہئے کہ اس سعادت سے محروم (بے نصیب) نہ ہوجائے (ص ۱۲)

محبت کی قسمین | ایک مجلس مین خالصتہً محبت پر ارشادات ہین، فرمایا کہ محبت کی دو قسمین ہین، محبت ذات، محبت صفات، محبت ذات وہبی، اور محبت صفات کسبی ہے، ابتدا مین سالک کو خلق، دنیا نفس اور شیطان جادۂ محبت سے گمراہ کرتے ہین، مگر خلق سے پرہیز کے لئے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لئے قناعت پسندی اور نفس اور شیطان سے بچنے کے لئے عبادت گذاری ضروری ہے،

خاص محبت وہ ہو کہ دوست کے لئے دنیا کی ہر چیز ایثار کردے، اور محبت مین صادق وہی ہو کہ اگر اس کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کردیا جائے، یا آگ مین جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے،

خلفار | حضرت چراغ دہلی کے جلیل القدر خلفار مین حضرت سید محمد بن جعفر المکی الحسینی بھی تھے، ان کے متعلق اخبار الاخیار مین ہے،

"حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نور اللہ مرقدہ کے جلیل القدر خلفار میں سے ہین، توحید و تفرید مین مقام عالی رکھتے تھے، اُن کا شمار منفرد اولیار مین کیا گیا ہے، انھون نے اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال لکھے ہین، اُن کو پڑھ کر عقل حیران رہتی ہے، اگر بغیر کسی تاویل کے صرف ان کا ظاہر مراد ہے تو اپنے زمانہ کے بڑے کامل تھے، اُن کی ایک تصنیف بحر المعانی ہے جس مین حقائق توحید، علوم قوم اور اسرار معرفت بیان کئے گئے ہین، طرز بیان مستانہ ہے، اسی کتاب مین دو اور کتابون دقائق المعانی اور حقائق المعانی کے لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ یہ دونون کتابین لکھی گئین یا نہین، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں، ایک رسالہ روح کے بیان مین لکھا ہے، اس کا نام پنج نکات ہے، بحر الانساب نام کی بھی ایک تصنیف ہے، اس مین اہل بیت رسالت کا نسب نامہ ہے، جس مین اپنے نسب کو

بھی ملایا ہے، وہ صاحب دعوی کثیر ہیں، اور ان کے بیانات سے اُن کے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے، بڑی عمر پائی، محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول لودی کے زمانہ تک زندہ تھے، اس حساب سے ان کا سن سو سال سے زیادہ ہوتا ہے، آبا و اجداد مکہ معظمہ کے اشراف میں سے تھے، وہاں سے دہلی آئے، پھر سرہند میں اقامت گزیں ہوئے، اور یہیں مدفن ہے، (ص ۱۲۰)

حضرت سید محمد کے مزید حالات اور اُن کی تصنیف بحر المعانی کے کچھ اقتباسات مذکورہ بالا تذکرہ میں ملیں گے، (دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۲۳-۱۲۰)

حضرت چراغ کے بعض اور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

حضرت میر سید محمد گیسو دراز (گلبرگہ شریف) خواجہ کمال الدین (احمد آباد گجرات بھیجے گئے، یہاں کے اطراف و جوانب میں لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا۔ مزار دہلی ہی میں ہے) شیخ دانیال (سترکہ) شیخ صدر الدین علم طب میں اُن کی ایک تصنیف فیصح ومتین مشہور ہے، دہلی میں مدفون ہیں) خواجہ معین الدین خورد (مرگھا) شیخ سراج الدین (پاک پٹن) شیخ یوسف حسینی (علم دین میں اُن کی ایک کتاب فیض انتساب تحفۃ النصائح مشہور ہے) شیخ عبد المقتدر (مناقب الصدیقین میں اپنے مرشد کے فضائل تحریر کئے، خانقاہ جونپور میں ہے) حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دار، حضرت مولانا خواجگی (کالپی) شیخ احمد تھانیسری کالپی، شیخ محمد متوکل کنتوری (بہرائچ) شیخ قوام الدین (لکھنؤ)

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے

عمارتین

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۴)

شاہجہان کے علاوہ امراے شاہجہانی مین جن لوگون نے مختلف مقامات مین عمدہ عمارتین بنوائین اُن کے نام حسب ذیل ہین :-

اعتقاد خان اس نے آگرہ مین جدید وضع کی ایک حویلی تعمیر کروائی، جو وہان کی اور حویلیون سے بہتر تھی، مآثر الامراء مین لکھا ہو کہ سب سے پہلے آگرہ مین تین شخصون یعنی خواجہ جہان جہانگیری خواجہ ویسی دیوان سلطان پرویز اور اعتقاد خان نے جدید وضع کی حویلیون کی بنیاد ڈالی، لیکن ان مین سب سے بہتر حویلی اعتقاد خان کی تھی، چونکہ وہ شاہجہان کو پسند آئی، اس لئے اعتقاد خان نے بطور پیشکش کے اس کو شاہجہان کی نذر کیا، اور بعد کو شاہجہان نے امیرالامراء علی مردان خان کو بطور انعام کے دیا،[1]

احمد نیازی خان بڑا صاحب امیر تھا، اس کے باپ نے اشتی برار مین توطن اختیار کیا تھا، اور وہین اس کی قبر تھی، اس تعلق سے احمد نیازی خان نے اس قصبہ کی آبادی بڑھانے کی کوشش کی، ایک باغ لگوایا، ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی، اور اپنے باپ کا مقبرہ بنوایا،[2]

---

[1] مآثر الامراء جلد اول ص ۲۰۱، [2] ایضاً ص ۲۰۰،

شاہجہانی عہد میں بھرجی بیرم ساہ) ایک امیر تھا جو بگلانہ کا زمیندار تھا جب اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے لڑکے بیرم شاہ کو شاہ جہاں نے مسلمان کرکے دولت مند خان کا خطاب دیا، اور پرگنہ پوتار خاندیس کو بطور انعام کے مرحمت کیا، اوس نے اوس قصبہ میں نہایت پرتکلف عمارتیں بنوائیں جن کے آثار صاحب مآثر الامراء کے زمانہ تک باقی تھے[۵۱]

| خان دوران نصرت جنگ | دکن کا صوبہ دار تھا اس نے دکن کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ قدیم نقشہ بالکل بدل گیا، اور ملک کی آبادی ترقی کر گئی، چنانچہ برہانپور کی تمام عمدہ عمارتیں اسی کے دور کی یادگار ہیں، صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں:

"بیشتر عمارات عمدہ برہانپور در وقت او شدہ، مندوی زین آباد کنار زینی از دست واز سر دیج تا برہانپور بدہ کروہی سرا ہا ساختہ اوست[۵۲]"

| رشید خان انصاری | بڑا فیاض امیر تھا، اس نے برہان پور کی عیدگاہ کی توسیع کرائی، اور اس میں نہر کا پانی لایا[۵۳]

| سرفراز خان دکنی | مضافات ناندیر میں پرگنہ لوہ گانون اس کی جاگیر میں تھا، اس نے اس پرگنہ کے ایک گانون بولی نامی میں توطن اختیار کیا، اور اس میں ایک مسجد اور دوسری بلند عمارتیں بنوائیں جن کی وجہ سے اس گانون کو دوسرے قصبات پر تفوق حاصل ہو گیا[۵۴]

| وزیر خان حکیم علیم الدین | پنجاب کے ایک قصبہ چنیوٹ میں پیدا ہوا تھا، ۱۰۵۲ھ میں انتقال کیا، اور نہایت کثرت سے عمارتیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں، چنانچہ لاہور میں حمام، بازار اور متعدد حویلیاں اور ایک جامع مسجد بنوائی، لاہور کے پاس وزیر آباد کے نام سے ایک قصبہ آباد کیا، اور قصبہ چنیوٹ کے گرد ایک پختہ فصیل قائم کی، اور بہت سی پختہ عمارتیں بنوا کر وہاں کے لوگوں کو دیں، بازاروں میں سڑکیں، دوکانیں

---

[۵۱] مآثر الامراء حصہ اول ص ۵۰۳ [۵۲] ایضاً ص ۵۰۶، ۷۵۰، [۵۳] مآثر الامراء ج ۲ ص ۲۵۰، [۵۴] ایضاً ص ۴۲۳،

مسجدیں، مدرسے، شفاخانے، کنوئیں، اور حوض بنوا کر وہاں کے لوگوں پر وقف کئے، غرض صاحب مآثر الامرا کے الفاظ ہیں :-

"و نوعے وطن را آراست کہ این دولت بہیچ امیرے دیگر در ہندوستان میسر نشدہ"[۵۱]

اسلام خان اس کو میر محمد نعمان رحمۃ اللہ کے ساتھ خاص عقیدت تھی، اس لئے ان کے مزار کے پاس ۱۰۵۵ء میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی کشمیر کی عیدگاہ بھی اسی کی بنوائی ہوئی ہے[۵۲]۔

شاہجہان کے بعد عالمگیر کا دور حکومت آیا، جو سادگی اور کفایت شعاری کا دور ہے، اس لئے اس دور میں جدید عمارتیں بہت کم تعمیر ہوئیں، صرف ضروری عمارتوں کی تعمیر اور مرمت و اصلاح کی گئی، مثلاً شہر بیجاپور اور اس کے آس پاس کی آبادیاں چونکہ مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے بالکل ویران ہو گئی تھیں، اس لئے عالمگیر نے وہاں چھاونی قائم کی، اور عمارتیں بنوائیں[۵۳]، قلعہ ستارہ اور قلعہ پرلی میں شاہان بیجاپور نے جو مشہور مسجدیں تعمیر کی تھیں چونکہ ہندوؤں کی دست برد سے بالکل ویران ہو گئی تھیں، اس لئے عالمگیر نے دوبارہ اُن کی تعمیر کا حکم دیا[۵۴]، اسی طرح جلوس کے پہلے ہی سال جب اس کو اطلاع ملی کہ بہت سی مسجدیں اور عبادتگاہیں بے رونق اور ویران ہو گئی ہیں، تو حکم دیا کہ ممالک محروسہ میں جہاں کہیں اس قسم کی مسجدیں پائی جائیں، اُن کی ترمیم و تجدید کی جائے، اور امام موذن اور نوکر اور فرش اور روشنی کے مصارف مقرر کئے جائیں[۵۵]، چنانچہ اس حکم کے موافق احمد آباد کی بہت سی مسجدوں کی مرمت ہوئی[۵۶]۔

سلاطین تیموریہ کے عہد میں جدید عمارتوں کی تعمیر کا ذوق لازمۂ امارت ہو گیا تھا، لیکن عالمگیر نے شرعی حیثیت سے عہد قدیم کے تمام امیرانہ و شاہانہ ساز و سامان کی اصلاح کی، اور اپنے جلوس کے اکیسویں سال حکم دیا کہ

---

۵۱ مآثر الامرا حصہ سوم ص ۹۳۵-۳۴۶ و ۵۲ ایضاً حصہ اول ص ۲۱۹-۲۲۰ ۵۳ خافی خان حصہ دوم ص ۳۶۱
۵۴ ایضاً ص ۲۴۲، ۵۵ عالمگیر نامہ جلد دوم ص ۵۰۰، ۵۶ مرآۃ احمدی جلد دوم ص ۶،

(۱) اہلِ قلم نقرئی دوات کے بجائے چینی و سنگ ملح کی دواتین استعمال کرین،

(۲) طلائی و نقرئی عود سوز دربار خاص و عام مین نہ سلگائے جائین،

(۳) انعامات کی رقمین بجائے خوانہائے نقرہ کے سپر مین رکھکر ملاحظہ عالی مین لائی جائین،

(۴) خلعت خانہ مین بجائے مغرق کپڑون کے کلابتونی کپڑے استعمال کئے جائین،

اور انہی احکام کے سلسلہ مین امرار کے تعمیری ذوق پر بھی پابندی عائد کی، اور حکم دیا، کہ چہار صدی سے بالاتر امرار بلا حکم شاہی جدید عمارتون کے تعمیر کی جرأت نہ کرین[1]،

چہار صدی سے بالاتر امرار کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہی کہ بڑے بڑے امرار جو عمارتین تعمیر کرواتے تھے، اُن سے صرف نام و نمود کا اظہار مقصود ہوتا تھا، جو شرعی حیثیت سے ناپسندیدہ امر تھا، اس لئے عالمگیر نے ان پر پابندی عائد کر دی تاکہ غیر ضروری عمارتون کے بجائے ضروری عمارتین تعمیر ہون، لیکن بااین ہمہ عالمگیری دور بھی امرار کی تعمیرات سے خالی نہین ہی، اور اس دور مین بھی متعدد امرار نے عمارتین تعمیر کروائی ہین، چنانچہ اُن کے نام حسب ذیل ہین،

خانزمان | اس نے برار کی صوبہ داری کے زمانہ مین موضع ہرم مین توطن اختیار کر لیا تھا، اور اس کا نام خانزمان نگر رکھا تھا، اور یہان بہت سی شاندار عمارتین بنوائی تھین، جن کے آثار صاحب مآثر الامرار کے زمانے تک باقی تھے، اُس نے برہان پور مین بھی ایک حویلی بنوائی تھی[2]،

عبد النبی | عالمگیر کے زمانہ مین متھرا کا فوجدار تھا، اور وہان ایک مسجد بنوائی تھی[3]، عالمگیر کے بعد اگرچہ تنزل کا دور شروع ہو گیا، تاہم اس دور مین بھی امرار کا ذوق تعمیر قائم رہا، اور انھون نے متعدد عمارتین بنوائین، چنانچہ امرائے محمد شاہی مین ابن اللہ یو لسا مین الدین خان سنبھلی نے اپنے وطن مین نہایت عمدہ عمارت، باغ اور سرائے بنوائی[4]، عضد الدولہ عوض خان نے شاہ گنج واقع شہر خجستہ بنیاد مین ایک مسجد

---

[1] ترجمہ مآثر عالمگیری ص ۱۱۱ [2] مآثر الامرار حصہ اول ص ۷۰۲ [3] ایضاً جلد دوم ص ۵۵ [4] حصہ اول ص ۲۵۹

بنوائی، مسجد کے سامنے جو حوض پڑتا تھا، اس کو اگرچہ حسین علی خان نے بنوایا تھا لیکن عوض خان نے اس کو اور وسیع کیا، اس شہر مین اُن کی حویلی اور بارہ دری بھی مشہور تھی،[۵]

نواب آصف جاہ نے ۱۱۴۱ھ مین برہانپور کی شہر پناہ کی بنیاد ڈالی، جو مدتون مین تیار ہوئی اس کے علاوہ مسجد، کاروان سرا اور دولت خانہ بنوایا،[۶]

ہندوستان کے طول وعرض مین مسلمانون نے جو عمارتین تعمیر کرائین، یہ اُن کی نہایت مختصر اور نامکمل تاریخ ہے، کیونکہ

۱۔ اس سلسلہ مین ہمارے مورخین نے صرف ان امراء و سلاطین کا نام لیا ہے جنھون نے تعمیرات مین خاص شہرت و ناموری حاصل کی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو امراء و سلاطین اس معاملہ مین بہت زیادہ شہرت نہین رکھتے تھے انھون نے بھی کچھ نہ کچھ عمارتین ضرور تعمیر کروائی ہون گی،

۲۔ مشہور سلاطین و امراء کی تمام عمارتون کا تفصیلی ذکر بھی تاریخ کی کتابون مین نہین ہے بلکہ ضمنی موقعون پر خاص خاص عمارتون کے نام آگئے ہین،

۳۔ رفاہ عام کے سلسلہ مین جو عمارتین تعمیر ہوئین، وہ اس سے الگ ہین،

۴۔ مسلمان امراء و سلاطین نے جو شہر اور قصبے آباد کئے، اُن کی عمارتین بھی اس مین داخل نہین ہین،

تاہم عمارتون کی کثرت اور وسعت کا اندازہ مختلف طریقون سے ہو سکتا ہے مثلاً

شفاخانے | جہانگیر نے تمام بڑے بڑے شہرون مین شفاخانے تعمیر کروائے تھے، دوسرے امراء و سلاطین نے جو شفاخانے بنوائے تھے، وہ اس سے الگ ہین،

سرائین | سرایون کا ایک طویل سلسلہ دلی سے دولت آباد، اور لاہور تک بنگالہ اور سُنار گانون سے آب سند تک، اور نگ آباد سے اکبرآباد تک اور لاہور سے کابل تک پھیلا ہوا تھا اُن مین

---

[۵] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۸۴۴، [۶] ایضاً حصہ سوم ص ۸۰۰،

شیرشاہ نے دہلی سے لاہور تک دو دو کوس اور بنگالہ اور سنارگاؤن سے آب سند تک اور آگرہ سے مانڈو تک کوس کوس بھر کے فاصلہ پر سرائین بنوائین اور چونکہ بنگالہ اور آب سند کی درمیانی مسافت ڈیڑھ ہزار کوس اور آگرہ سے مانڈو تک کی مسافت تین سو کوس کی ہے، اس لئے بنگال اور سندھ کے راستہ مین ڈیڑھ ہزار اور آگرہ اور مانڈو کے راستہ مین تین سو سرائین تعمیر ہوئین، شیرشاہ نے بنگال کے راستہ مین جو سرائین تعمیر کروائی تھین، اُن مین دو سرایون کے درمیان اس کے جانشین سلیم شاہ نے ایک اور سرائے کا بھی اضافہ کیا، اور اس طرح یہ تعداد اور بھی زیادہ ہو گئی، متفرق سرائین اُن سے الگ ہین، اور مہمان خانے بھی اسی سلسلہ مین داخل ہین،

حمام | متفرق حماموں کے علاوہ عالمگیر نے اورنگ آباد سے اکبرآباد تک اور لاہور سے کابل تک جو سرائین بنوائی تھین، ان مین ہر سرائے کے ساتھ ایک حمام اور ایک بازار کا ہونا لازمی تھا،

سکندر لودی نے ان تمام مقامات مین جہان ہندو اشنان کرتے تھے، بازار قائم کئے تھے،

مساجد | سکندر لودی نے ان مقامات پر مسجدین بھی تعمیر کروائی تھین، اور عالمگیر کی تعمیر کردہ سرایون مین ہر سرائے کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی، اُن کے علاوہ مسجدون کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ سلطان احمد نے احمد آباد کے باہر جو گانون آباد کرائے تھے، اُن مین ایک ہزار مسجدین تھین،

مقبرے | قبرون کی تعداد غیر محدود تھی، دارالسلطنتون اور ان شہرون مین جہان امراء و سلاطین کے ساتھ علماء، مشائخ، اور فقراء و صوفیہ کثرت سے رہتے تھے، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، آگرہ مین شہر کے چارون طرف خصوصًا لبِ جمنا کوسون تک باغات کے اندر ان مقابر کا سلسلہ چلا گیا تھا اب امتداد زمانہ سے اگرچہ اکثر مقبرے منہدم ہو گئے ہین، تاہم اب بھی شہر کے قرب وجوار مین کوسون تک مقبرون کے شکستہ گنبد اور تہ خانے نظر آتے ہین، چونکہ یہ مقبرے اکثر زندگی ہی مین تعمیر کرائے

جانتے تھے، اس لئے ہر شخص اپنی یا اپنے محبوب کی آخری یادگار کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی کوشش کرتا تھا، چنانچہ ابوالفضل دلی کے متعلق لکھتا ہے،

"وبازندگان براے خواب واپسین دل گزین جاہا وباغہا برساختہ اند"

یہ ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا، کہ انسان تو انسان گھوڑون، کتون اور ہرنون وغیرہ کی یادگارمین بڑی بڑی عمارتین اور مورتین بنائی جاتی تھین، چنانچہ آگرہ مین اس قسم کی متعدد یادگارین موجود ہین،

اس قسم کی عمارتین زیادہ تر امرا، وسلاطین تعمیر کرواتے تھے، عام رعایا کی عمارتین اُن سے الگ ہین، اور اُن کا اندازہ صرف مورخین کے اجمالی بیانات سے ہوسکتا ہے مثلاً جہانگیر تزک مین آگرہ کی نسبت لکھتا ہے، کہ

"اس کی کثرت عمارت کا یہ حال ہے کہ عراق خراسان اور ماوراء النہر کے شہرون کے مثل متعدد شہر آباد ہو سکتے ہین، اکثر آدمیون نے سہ منزلہ اور چہار منزلہ عمارتین بنوائی ہین، آدمیون کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوچہ وبازار مین بمشکل چل پھر سکتے ہین[۱]"

ابوالفضل آئینِ اکبری مین دلی کے متعلق لکھتا ہے،

"وعماراتِ عالی از سنگ وخشت فروغ افزاے چشم وعشرت فزودل[۲]"

پل، تالاب، حوض، کنوئین، اور منارے سلسلۂ عمارات سے الگ ہین، اور ان سب کے مجموعے نے اسلامی ہندوستان کا جو نقشہ قائم کر دیا تھا، وہ صاحبِ خلاصۃ التواریخ کے الفاظ مین حسب ذیل ہے:-

"ہندوستان اس قدر وسیع ملک ہے کہ دوسرے ممالک اس کی عشر عشیر وسعت بھی

---

[۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲ [۲] آئین اکبری ج ۲ ص ۱۳۲

نہیں سکتے، لیکن باوجود اس وسعت کے ہر جگہ آباد ہے اور ہر طرف، ہر ضلع مین، ہر شہر مین، ہر قصبے اور گاؤن مین اور ہر رباط اور قلعے مین مسجدین، عبادتگاہین، خانقاہین، صومعے، اور دوسری قسم کی عمدہ عمارتین، باغات، درخت ہری بھری زراعت اور نہرین اس کثرت سے ہین کہ دوسرے ممالک مین اس قسم کی آبادی کا بہت کم پتہ چلتا ہے،

عام گذرگاہون مین ہر نہر اور ہر نالے پر مضبوط پل بندھے ہوئے ہین، اور دریاؤن مین کشتیان تیار رہتی ہین، ہر کوس کے فاصلہ پر بلند مینارے بنے ہوئے ہین، جو کوس کی علامت ہین، اور ان سے راستون کی رہنمائی بھی ہوتی ہے، دو کوس کے فاصلہ پر مسافرون کے اترنے اور آرام کرنے کے لئے سرائین بنی ہوئی ہین جن مین ہمہ وقت کھانے پینے کی چیزون، دوائین عطر اور دوسرے ضروری سامان موجود رہتے ہین، تمام راستون مین سایہ دار اور میوہ دار درخت، کنوئین اور تالاب ہین جو خوشگوار پانی سے لبریز رہتے ہین، مسافر درختون کے سایہ مین سیر کرتے ہوئے، میوے کھاتے ہوئے، سرد پانی پیتے ہوئے گویا باغ کی روشون پر چلتے ہین

سنگِ شبام

یہود وحمیر کی تاریخ کا ایک مشترک ورق

از

جناب مولانا ابوالجلال صاحب ندوی ،

(۲)

یہ پتھر جس کو ہم نے سنگِ شبام کا نام دیا ہے، اگرچہ حضرموت کی وادی مین ملا لیکن اس کی تحریر کا مضمون بتاتا ہے، کہ یہ وہی پتھر ہے جس کا ذکر تکوین ۳۳-۲۰ مین ہے، اور جس کا نام ہے،

اَل = ہرگز نہین،[1]

الوہي = اے معبود

یشرائیل = اسرائیل،

یہ نام اس پتھر کو اس لئے دیا گیا تھا، کہ لوگون نے اس مقدس پتھر کے پاس جمع ہو کر (تکوین ۲:۳۴) کے اندر مذکورہ خبر کی تکذیب کی تھی، جس تکذیب کی بنا پر یہ فیصلہ بنایا گیا تھا کہ

دکین ادایسا

---

[1] אל کو تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے، אל کو اَل ہم نے ایسا ہی پڑھا ہے، אל کو اِل بمعنی تک ایسا کسی نے نہین پڑھا אל کو ایل (خدا) نصرانی مترجمون نے ایسا ہی پڑھکر اس کا ترجمہ کیا ہے "خدا اسرائیل کا معبود" ایک پتھر کو یہ نام دینے مین بو سے شرک آتی ہے،

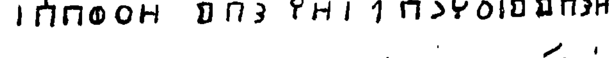
لا . نہین

یعشہ . کیا تھا اس نے (تکوین ۳۴: ۷)

سنگِ شبام | ۱۸۹۴ء مین مسز تھیوڈور بنٹ نے اپنے شوہر کے ساتھ وادی حضرموت کے ایک شہر شبام کی زیارت کی وہ فرماتی ہین کہ

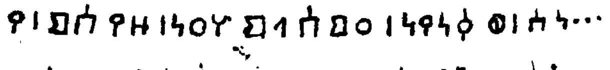
"۲۵ جنوری کو ہم شبام کو روانہ ہوئے، یہ مقام القطن سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے، اور وادی حضرموت کے بڑے شہرون مین سے ہے...... قدیم عرب مؤرخین ہم کو بتاتے ہین کہ اس مقام مین بنو حمیر عیسوی سنہ کے آغاز مین مشہور ہوئے لیکن ہم کو یہان اس سے زیادہ قدامت کا ثبوت ایک مہر کی شکل مین اور ایک دوسرے کتبہ کی شکل مین ملا جس کے اندر شبام کا نام ہے، اور جس کا زمانہ یقیناً تیسری صدی قبل مسیح ہے، (سدرن عربیا ص ۱۲۲ و ص ۱۴۳)

افسوس ہو کہ موصوفہ نے اس کی وجہ نہین بتائی کہ انھون نے کیون اس کو ۳۰۰ سنہ ق م کا کتبہ قرار دیا، یہ دوسرا کتبہ ایک مذبح ہے، اس کے وسط مین خون کے جمع ہونے کا ایک حوض ہے، ایک طرف ایک نالی ہے، جس پر جانور ذبح ہوتا تھا، ایک حاشیہ پر ایک سطر منقوش ہے،

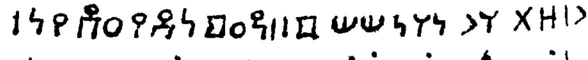


ذ شکمر ماعهر ال اذی شبلم ذعوبا

یہ سطر خون کی نالی پر ختم ہوتی ہے، دوسرے حاشیہ پر خون کی نالی کے پاس حسب ذیل عبارت منقوش ہے،



...نسا و قنینا عمر سلو هعنا ذی سمای



ذات خر نحن شنش ماا نعمر نضی عصینا

الفاظ کتبہ اَل (بیٹین) عمد (قوم) ھعنا (رنجیدہ کیا) ششش (چھ) کے معانی عبرانی لغت سے معلوم ہوئے، شکم، سلم (شالم) جو توراتی اسماءمین شبام بھی نام ہے، ما (بیٹین) عھر (زناکی) نسا (عورتین) ذو او ذذی (صاحب) نحن (ہم) ماثلہ (سو) نعمو (انعام) نصیبہ (چاہا) (عصینا (تلوار سے کاٹا) ہم نے متعارف عربی کے الفاظ ہین، قلیت الجاریة کے معنی ہین لڑکی شادی کے قابل ہوگئی، اس لئے پردہ مین بٹھادی گئی، اسی سے قبحی کو مشتق ماناجاسکتا ہے، راذت کے معنی نہ عربی لغت سے معلوم ہوئے، نہ عبرانی سے، دوسری سامی زبانون کا کوئی لغت میرے سامنے نہین؟ چونکہ اس مین خطا کی قربانی کا ذکر ہے، جو خطا معاف کرانے کی غرض سے کی جاتی تھی، اس لئے قیاس کہتا ہے، کہ راذت کے معنی ہین خطا معاف کر،

ذعوبسا جان کا لفظ ہے بابلی اور مصری کتبات مین سنذ اور سس فارسی ضمیر ش کا مرادف ہے، ذعوب کو ہم داعب کی قدیم شکل باور کرسکتے ہین،

عربون مین ایک کھیل نہایت قدیم زمانہ سے جاری تھا، جسے طبنہ کہتے تھے، غالبًا ذعوبسا لکہ کر اسی قسم کے کھیل کا ذکر ہے، ایلہ کے ایک کتبہ مین جس کی ابھی صرف چند سطرین حل کرسکا ہون آخر مین لکھا ہے،

"وآمنتا شیمنی - وآمنتا حیونا و موتنا شکنا خلقا کطبنن"

چونکہ ابھی پورا کتبہ حل نہین ہوا ہے، اس لئے نہین کہہ سکتا کہ (آمنتا) عربی صیغہ آمنتا (وہ دونون ایمان لائین) یا عبرانی صیغہ سبقتا (سبقت) ہے یا اُس وقت صیغہ واحد حاضر قرار دیکر اس کا ترجمہ کرتا ہون،

ایمان لائے تو تقدیر پر اور ایمان لائے تو کہ ہماری زندگی اور موت، دو کھلاڑی جمع کی خلقت طابون کی سی ہے،

کھلاڑی کے لئے شکیذا کا لفظ ہے، جسے ہم شا کز ان (دوانگلی کرانے والے) سمجھ سکتے ہین،
معلوم ہوتا ہے کہ طبنہ کے کھیل مین ایک دوسرے کو چھو دینے کی کوشش کرتا تھا،

طبنہ ایک گول دائرہ ہوتا تھا، جوہری کا بیان ہے کہ اسے فارسی مین سہ درہ کہتے تھے اس لئے اس دائرہ کی شکل ایسی (ـ) فرض کی جاسکتی ہے اس کھیل کو رحی (چکی) بھی کہتے تھے، اس سے ظاہر ہے کہ لڑکے اس دائرہ کے گرد اس طرح کھیلتے تھے، جیسے کہ چکی کا پاٹ گھوم رہا ہو،

طبن کے معنی گدڑھے مین راکھ تلے آگ دفن کرنا بھی ہین، جس شخص کو طابن چھو دیتا وہ مطبون یعنی طبنہ کے اندر قید ہو جاتا تھا، یہ کھیل زیادہ تر لڑکیان ہی آپس مین کھیلتی تھین،

یثبتن یلعبن حوالی الطبن

کبھی کبھی لڑکیون کے ساتھ لڑکے بھی اس کھیل مین شریک ہو جاتے تھے، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :-

تد کلت بعدی والھتھا الطبن

ونحن نعدو بالخبار والجرن

میرے بعد اس نے کسی اور کو میرنہ ہونے دیا، حالانکہ وہ طبنہ کھیلتی رہی اور ہم سب نرم وسخت زمین مین دوڑتے رہے،

کنواری لڑکیون کے ساتھ جب کنوارے لڑکے اس کھیل مین شریک ہوجاتے، تو یہی کھیل نکاح اور مستقل اتحاد کی تمہید بن جاتا تھا لڑکی جس لڑکے کو پسند کر لیتی، اس کو چھوڑ کر سب کے لئے دکھ بن جاتی، طبانۃ کے معنی ہین کہ

ان ینظر الرجل الی حلیلتہ فاما	مرد اپنی بی بی کو عزیز کر دیکھے پھر اسے یا
ان یخطل واما ان یغضب	تو باہر نکلنے دے یا خفا ہو جائے،

اس سے معلوم ہوا کہ ہوتا یہ تھا کہ لڑکی کو جب لڑکا چھوڑ دیتا تو وہ طبنہ کے اندر قید ہو جاتی اور موقع پاکر تین دروازوں میں سے کسی سے باہر نکل جانے کی کوشش کرتی، طابن فوراً دروازہ پہنچ کر اسے غوبہ تا، اگر وہ اس کا منظور نظر ہوتا تو وہ باہر نکلنے سے باز رہتی گویا اس کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کر لیتی، ورنہ وکلہ (بے سری) بن جاتی اور اُسے فریب دیکر باہر آجاتی، شاعر نے جو یہ کہا، کہ میرے بعدہ وکلہ بن گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کسی اور کی ہونا پسند نہیں کیا،

اس کھیل میں عموماً ایسا ہوتا کہ لڑکا ایک خاص لڑکی کے لئے طبنہ کھیلتا تھا، اور اسی کو جیتنے کے لئے چن لیتا تھا، اسی طرح لڑکی ایک خاص لڑکے کو اس کے مقابل ہارنے کے لئے چن لیتی تھی، اس طرح کھیل ہی کھیل میں دونوں میاں بیوی بن جاتے تھے، اسی کھیل میں کسی لڑکے کا کسی لڑکی کو بار بار جیت لینا گویا فریقین کے بزرگانِ خاندان کو یہ مشورہ دینا تھا کہ ہم دونوں کی شادی کر دی جائے پست درجہ کے لوگوں میں یہ کھیل ہی گویا شادی تھا،

طبن لہا بخاءت بولل، اس کے لئے کھیلا پھر اس نے ایک لڑکا جنا،

اس کھیل میں لڑکے کے کسی لڑکی کو جیتنے کی خبر جیسا کہ ایلہ کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے، "شکز ہا" کہکر دی جاتی تھی، صراح میں ہے کہ "شکز" (ربع ب ص ۲) انگشت خلانیدن وبزبان رنجانیدن و نیزہ زدن وجماع کردن"،

"ذعو بسا" لکھ کر کاتب نے اگر اس کھیل کا ذکر کیا ہے، اور یقیناً اسی کا ذکر کیا ہے تو لفظ فسا کے پہلے کوئی ایسا لفظ تھا جس کے معنی تھے، "دو ازمی بولیں"،

ترجمہ | اب کتبہ کا ترجمہ پڑھئے،

"صاحب سکم نے زنا نہیں کی تہم کو نہیں ستایا، اس کو کھیل میں جیتا، دو ازمی بولیں عورتیں اور لڑکیاں، باشندگانِ سکم نے آسمان کے خدا کو ناراض کر دیا، خطا معاف کر جو کی، ہم نے

۲ سو جانور چیدہ و قربان کئے،

توراۃ اور کتبہ کا مقابلہ | دیکھو اس کتبہ کا مفہوم توراتی قصہ سے کتنا گہرا تعلق رکھتا ہے، تکوین ۳۴: ۳ مین شکم پر حضرت دینہ کی بابت الزام ہے کہ

ویقح اوتاہ ویشکب اوتاہ،   اسے لیا اور اس کے ساتھ سویا،

یہ کتبہ اس کی تردید کرتا ہے، اور کہتا ہے،

ذو شکم ماعھر   صاحب شکم نے زنا نہین کی

اس تردید کی تصدیق تکوین ۳۴: ۷ کا یہ فقرہ کرتا ہے،

وکین لا یعشہ   ایسا اُس نے نہین کیا،

تکوین ۳۴: ۲ مین ہے کہ

ویعنہ،   اور اسے ستایا،

یہ کتبہ اس کی تردید کرتا ہے، اور کہتا ہے،

الا ذی شبم   شبام کو نہین ستایا،

توراۃ کے مقابلہ سے معلوم ہو گیا کہ شبام حضرت دینہ کا لقب ہی، شبام ایک گھاس ہے جس سے مہندی کے رنگ کو تشبیہ دی جاتی ہے، حضرت یعقوب کے بھائی حضرت عیسو کو ادوم (سرخ) کہا جاتا تھا، ادوم کی بھتیجی اور حمور (سرخ) کی بہو کا شبام (سرخ) کہلانا کوئی حیرتناک بات نہین ہے،

توراۃ کے غیر مکذوب اور صحیح جزو نے ہم کو یہ خبر دی کہ دینہ اور شکم کی بابت ایک بری خبر حضرت یعقوب کے کانون تک پہنچی جو غلط تھی، لیکن اس خبر کی بنیاد نہین معلوم ہوئی، یہ کتبہ حقیقت واقعہ بتاتا ہے، کہ دونون ایک کھیل کھیلے جس مین شکم نے شبام کو جیت لیا، اور دونون آپس کی آزاد مرضی سے کھیل ہی مین میان اور بیوی بن گئے، شرفاء کے دستور کے مطابق مرت والد شکم اور والد شبام کی توثیق

کی کسر باقی رہگئی تھی جو توراۃ کے بیان کے مطابق پوری ہوگئی،

شکم اور شبام مین سے ایک یا دونون خدا کی نظر مین ایسے محبوب تھے کہ کھیل کے نتیجہ کی خبر دو ار تھی الفاظ مین مشہور کرنے کی وجہ سے آسمان کا خدا سلم (شالم) کے باشندون سے ناراض ہوگیا توراۃ کے بیان کے مطابق شمعون اور لاوی کو غصہ آگیا تھا، ممکن ہے انہی پیغمبرزادون کی ناراضی کو خدا کی ناراضی کا قرینہ قرار دیا گیا ہو،

اس کتبہ کی روشنی مین توراۃ کو پڑھئے پورا قصہ یون تھا کہ حضرت دینہ شہر شالم کی لڑکیون سے ملنے گئین، شکم نے ان کو اور انھون نے شکم کو دیکھا، دونون نے ایک دوسرے کو پسند کیا، حضرت یعقوب اور حمور حمدی کو ایک دوسرے کی پسند سے باخبر کرنے کے لئے دونون نے طبنہ کے کھیل کا انتظام کیا، اس کھیل مین جان بوجھ کر جناب دینہ نے شکم کو موقع دیا کہ وہ ان کو جیت لے، چنانچہ اس نے ان کو جیت کر کھیل والے گھروندے مین بند کر دیا، اس کی اطلاع حضرت یعقوبؑ کو ایسے الفاظ مین پہنچی، جو عربی لفظ "سکز ہا" جیسا دو دار تھی تھا، حضرت یعقوبؑ اصل حقیقت سمجھ گئے، اور اپنے لڑکون کی آمد کا انتظار کرنے لگے، اور کچھ نہین کہا، حمور کے کان مین یہ خبر پہنچی، تو اپنے لڑکے کو لیکر حضرت یعقوبؑ کے پاس آیا، لیکن حضرت یعقوبؑ کے بیٹے شمعون و لاوی نے حقیقت ماجرا کو نہین سمجھا، غصہ مین آکر ایک آدمی اور ایک بیل کا خون کر دیا، غالباً آدمی وہ ہوگا جس نے اُن کو اس واقعہ کی برے الفاظ مین خبر دی تھی، حضرت یعقوبؑ نے اپنے فرزندون کو اس جلد بازی پر ملامت کی، اور بشرط ختنہ نکاح کو منظور کیا، لوگون نے شکم کے سمجھانے سے ملت ابراہیم قبول کی، اور ہر شخص نے اپنا اپنا ختنہ کرایا، ختنہ کیساتھ قربانی کا بھی رواج تھا، اور ہے، لوگون نے ۲۰۰ جانور بطور خطا کی قربانی کے ذبح کئے اور شبام و سکم کی پاک دامنی کا مستقل ثبوت مہیا کرنے کے لئے اس بات کو اختصار کے ساتھ پتھر پر منقوش کر دیا،

زمانۂ تحریر | مسٹر تھیوڈور بنٹ نے اگر اس کتبہ مین شبام کے علاوہ کچھ اور بھی پڑھا ہوتا، اور

اس کتبہ کے مضمون کا توراۃ سے مقابلہ کیا ہوتا، تو وہ اس کا زمانہ تحریر ۱۲۰۰ ق م قرار دیتین، بلکہ اس کتبہ کی بنا پر یہ بھی کہتین کہ یورپین قیاس بازون کا یہ کہنا بے جا ہے، کہ

"سبائی نقوش فنیقی سے ماخوذ ہین فنیقی حروف کی قدامت ۱۰۰۰ ق م پہنچی ہے اسلئے

سبائی تحریرون کی قدامت ۸۰۰ ق م تک قرار دینا بے خطر ہوگا (عرب قبل محمد ص ۵۹)

اس کتبہ کا زمانہ تحریر حضرت یعقوب کے ورود مصر سے پہلے یاد کیا جا سکتا ہے، حضرت سلیمان کے زمانہ سے (۲۰۰ × ۴۰۴۳) ۹۱۰ برس پہلے یعنی ۱۹۱۰ ق م یا اس سے دس بیس برس پہلے کو اس کتبہ کا زمانہ تحریر قرار دینا چاہئے،

زبان کتبہ | کتبہ کی زبان عبرانی نہین معلوم ہوتی، حجازی عربی سے بہت مشابہ ہے، یمن کے جو کتبات پڑھے گئے ہین، اُن سے اُس کی زبان زیادہ صاف ہے، یہ قدیم حمیری ہے جس مین ابھی حبشی اور ایرانی الفاظ کی آمیزش نہین ہوئی تھی، ہم جس عبرانی سے واقف ہین، وہ تورانی عبرانی ہے جس پر مصری زبان کا نیز بابلی بولی کا اور ایک حد تک لاطینی کا کافی اثر ہے، اس مین صرف ذعو بسا کی ضمیر واحد مونث غائب بابلی اور مصری سے اثر پذیری ظاہر کرتی ہے جس زمانہ کا یہ کتبہ ہے ان دنون شام کے تین قومین باقاعدہ برسرپیکار تھین (۱) اہل بابل جن کے حملہ کا حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ مین بیان آیا ہے (۲) بنو ہود اور اُن کے خلفا جن کو شاہان بابل نے شکست دی، (۳) اہل مصر جن کو حضرت موسیٰؑ سے پہلے آثار مصر کی شہادت اور بعض قرآنی آیات کے اشارون کے مطابق ہم اس دیار پر جو بنی اسرائیل کو بطور میراث ملا، فرمان روا پاتے ہین، بنو ہود اور اُن کے خلفاء کو حضرت یعقوبؑ کے زمانہ کے بعد تاریخ عرب کے اندرہم عرب کے مختلف حصون مین آباد دیکھتے ہین، اس لئے اس کتبہ کی زبان کا عہد قرآن کی حجازی عربی اور عبرانی کا آمیزہ ہونا حیرتناک نہین ہے،

شام وشبام | اب سوال یہ ہے کہ کتبہ تو لکھا گیا اس شہر مین جس کا نام پہلے شالم تھا، پھر شکم ہوا،

پھر نابلس کہا جانے لگا، پھر یہ یمن میں کیوں ملا، اس سوال کا جواب ہم کو شام و یمن کے تعلقات . . . . کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالنے سے مل سکتا ہے،

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں دیار شام کے اندر جو قومیں آباد تھیں، اُن میں دس کے نام تکوین ۱۵: ۱۹ و ۲۰ میں مذکور ہیں، چار اقوام کے نام تقویم ۱۴: ۵ و ۶ میں مذکور ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے حضرت یعقوبؑ کے زمانہ تک اس دیار میں چودہ قومیں آباد تھیں، حضرت موسیٰؑ جب اس دیار میں آئے تو ان چودہ میں سے آٹھ کو موجود پایا، غائب شدہ چھ میں سے تین کا ذکر توراۃ میں نہیں ہے کہ وہ کیا ہوئیں، ان اقوام کا قرآن کریم نے المؤتفکات (اُلٹی پلٹی بستیوں) کے نام سے ذکر کیا ہے، باقی تین اقوام کی بابت توراۃ میں ہے، کہ

۱- حوریوں کو بنو عیسو نے ان کے دیار سے نکال دیا (مثنیٰ ۲: ۱۲)

۲- ایمیم کو بنو موآب نے ان کے دیار سے نکال دیا، (مثنیٰ ۲: ۱۰)

۳- زمزومیم کو بنو عمون نے ان کے دیار سے نکال دیا (مثنیٰ ۲: ۲۰)

یہ سب کچھ بنو اسرائیل کے مصر سے واپس آنے کے پہلے کا واقعہ ہے، زمزومیم کا نام چاہ زمزم کے نام سے بہت مشابہ ہے، سفر مثنیٰ میں تو ان کا یہ نام ہے، بنو عمون ان کو زمزومیم کہتے تھے، لیکن سفر تکوین میں ان کا نام زوزیم ہے، اور مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں ان کو کدر لاعمر وغیرہ بادشاہوں نے اُن کے ہام میں مارا (تکوین ۱۴: ۵) ہام ان کے شہر یا علاقہ کا نام تھا، باشندۂ ہام کی عبرانی جمع ہام ہوتی ہے،

اب تاریخ مکہ میں دیکھو نابت بن اسماعیل کے بعد مکہ میں زمزم کے پاس جرہم ملیں گے، جو اپنا نسب قحطانی یعنی توراتی یقطان تک پہنچاتے تھے، بنو قحطان کی ایک شاخ ہام میں جا بسی جو جرہام کہلائی پھر زمزم کے پاس آبسی اس لئے عمونیوں کی زبان پر زمزومیم کہلائی،

ایمیم تاریخ عرب کی تباہ شدہ قوم امیم تھے جو جنوبی عرب کے شرقی حصہ میں آباد تھے،

حوریم کے قبائل میں سے ایک کا توراتی نام بنو حمور ابی سکم ہے، حضرت یعقوبؑ وغیرہ جب مصر جانے لگے، تو اُن کے ساتھ بنو سکم بن حمور مصر چلے گئے، باقی بنو حمور یہین رہ گئے، حضرت موسیٰؑ کے خروج سے بہت پہلے بنو عیسو اور بنو جمہر وغیرہ دوسرے حوریون سے جنگ ہوئی، اور وہ اس دیار سے نکلے، اسی قوم کو بعد مین ہم حمیر اصغر کے نام سے یمن کے اندر آباد پاتے ہین بنو حور مین سے ایک شخص یا ایک خاندان کا نام توراۃ مین ہم کو حمدان ملتا ہے، (تکوین ۳۶: ۲۶) اس قوم کو ہم بنو ہمدان کی شکل مین یمن کے اندر آباد دیکھتے ہین، بنو عیسو نے جب حوریون کو ملک بدر کیا، تو خود بنو عیسو کے بعض قبائل نے بنو حور کا ساتھ دیا، حضرت ایوبؑ[2] بنو عیسو سے تھے، ان کی بیٹی کا نام یمامہ تھا، جس کی نسل نے یمامہ کو اسکا نام دیا حضرت عیسو کے ایک پوتے کا نام تھا تیمن بن الیفز۔ اس نام کا ترجمہ ہے الیفز کا بیٹا یمن کو روانہ ہوا،

تیمن کی ماں کا نام تمنع تھا، جو لوطان حوری کی بہن تھی، (تکوین ۳۶: ۱۲) پلنی نے اس نام کے ایک شہر کا یہودیہ کے ساحلی شہر غازہ سے ۴۴۳۶ میل یا اونٹون کی رفتار سے ۶۵ میل کی مسافت پر حضرموت کے مغرب مین پتہ دیا ہے،

زیر بحث کتبہ جس مقام پر ملا، وہ اب تو شبام کہلاتا ہے، لیکن یہ مقام بعینہ وہی جگہ ہے، جس کا نام پلنی کے زمانہ مین تمنع تھا، اس کتبہ کے ساتھ جو مہر ملی، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر ٹیوڈور بینٹ نے لکھا ہے،

"یہ مہر خاص طور پر دلچسپ ہے، اس پر سمحل رئیس شبام کا نام کندہ ہے، ہالیوی نے جو کتبات شائع کئے ہین، ان مین اس نام کے دو شخصون اور اس خاندان کے کئی افراد کے نام شاہان جبانی کے ماتحت رئیسون کی حیثیت سے ملتے ہین، جبانی کا پایۂ تخت پلنی کے بیان کے مطابق تمنع تھا، اس مہر سے قدیم جغرافیہ نویس کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ تمنع جبانی کا پایۂ تخت تھا، جبانی ایک حمیری قبیلہ تھا جو حضرموت کے مغرب مین بستا تھا"

یرحل کے نام پر غور کرو بالکل یروشلم جیسا نام ہے جس کے معنی ہیں جوار سلامتی" جس طرح ہندوانی شہروں کے نام، پراگ، اجودھیا، کاشی اور متھرا اشخاص کے نام بھی ہوتے ہیں اسی طرح مقامات کے نام عرب میں بھی شخصوں اور قوموں کے نام ہو جاتے تھے، یرحل (سحل کا جوار) پہلے شخص کا نام نہیں بلکہ شہر کا نام تھا، سحل کے نام کی عربی شکل ۔۔۔ سحول ہے، یہ ایک قبیلہ کا نام تھا، جو بنو قعلن سے تھا، جن کے نام نے القعلن کو اس کا نام دیا، یہ شبام سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ایک شہر کا نام ہے، بنو قعلن کو بنو حمیر بن سبا کی اولاد بتایا جاتا ہے۔ (معجم البلدان)

یمن میں جو قومیں بستی تھیں، اُن میں سے ایک کا نام سخیم اور ایک کا نام شبام بتایا جاتا ہے، ایک مقام کا نام شبام سخیم ہے، عربوں کی روایت کے مطابق اس شہر میں شبام اور سخیم دو مردوں کی نسلیں ملی جلی بستی تھیں، مگر ہم بتا چکے ہیں، کہ سکم کے نام کا دوسرا تلفظ سخم ہے، پس کتبہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شبام اور سخیم دو مختلف قوموں کے نام نہ تھے، بلکہ شبام سخیم ایک ہی قوم کا نام تھا، جو شبام زوجہ سخیم کی نسل سے تھی،

بنو سکم جو باپوں کی طرف سے بنو حور یعنی بنو حمیر سے تھے، مگر ماؤں کی طرف سے بنو یعقوب، بنو یوسف اور بنو نسی تھے ۱۲۰۰ ق م کے قریب ایلی ملک کے مقابلہ میں جنگ کرکے جب ناکام ہوئے تو ارض اسرائیل سے نکلے، اور بنو تبع کے پاس آکر آباد ہوئے، بنو تبع باپوں کی طرف سے بنی عمور حوری کے قرابت مند تھے، ماؤں کی طرف سے وہ بنو ابراہیم سے تھے، اس لئے بنو سکم نے ان کے جوار کو پسند کیا اور وہاں سے چلے تو اپنے ساتھ یہ مقدس پتھر بھی لیتے آئے،

ارض القرآن حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قوموں کا ذکر ہے ان میں سے مدین اصحاب لائکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار، اور قریش کی تاریخ وغیرہ پر تفصیلی مباحث (زیر طبع) "منیجر"

یحییٰ بن آدم اور ان کی کتاب الخراج

اور

جناب مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

تصانیف | امام نووی نے یحییٰ کی تصنیفات میں صرف کتاب الخراج کا تذکرہ کیا ہے، امام ذہبی نے لکھا ہے کہ "ھُوَ صاحب التصانیف" وہ صاحبِ تصانیف ہیں، لیکن انھوں نے بھی کتاب الخراج کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا تذکرہ[1] نہیں کیا ہے، ابن[2] ندیم نے کتاب الخراج کے علاوہ دو اور کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، کتاب الزوال اور کتاب[3] الفرائض، اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بہت بڑی کتاب ہے، مگر ان میں کتاب الخراج کے علاوہ کسی اور[4] کتاب کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے،

کتاب الخراج بھی اب تک ناپید تھی، لیکن ایک فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر جانیبول (Th. W. Juynboll) کے ذریعہ چند سال ہوئے کہ سامنے آئی ہے،

ڈاکٹر جانیبول کو کتاب الخراج کا ایک قدیم نسخہ ایم شارل شیفر (M. C. Schefer) کے یہاں جو پیرس میں علوم مشرقیہ کے صدر رہ چکے ہیں، ملا، انھوں نے بڑی دیدہ ریزی سے اس کی تصحیح کی اور اس پر فرنچ میں ایک مقدمہ لکھ کر ۱۸۹۶ء میں مطبعہ بریل، لیڈن سے شائع کیا، یہ نسخہ پانچویں صدی کے آخر کا لکھا ہوا ہے اور اس کی ضخامت ۹۵ صفحات ہے،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۲، [2] ڈاکٹر جیونبول اور ابو الاشبال دونوں صاحبوں میں سے کسی کی نظر ابن ندیم

کتاب سے صاحبِ نسخہ کے نام کا پتہ نہین چلتا، لیکن کتاب کی پشت پر انھون نے اپنے شیخ اور اپنے معاصرین کی سماع کی جو یادداشت لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ نسخہ نے ابو عبد الرحمن بن علی البسری سے جو کتاب کے مرتب اور جن پر اس کتاب کی تمام سندین منتہی ہوتی ہین، براہِ راست سماع کیا ہے' شیخ بسری کے سماع کی یادداشت یہ ہے،

سمعت بقراءة محمد بن علی	مین نے محمد بن علی کی قرأت سے اس کتاب
بن مخلد الی آخرہ وسمع ذالك	کو آخر تک سنا ہے، اور میرے علاوہ ابو القاسم
ابو القاسم علی بن احمد بن البسری	شیخ بسری کے پوتے، اور ان کے لڑکے ابو
البیند امرد لد لا ابو عبد اللہ	عبد اللہ اور نوفل وغیرہ نے بھی سماع کیا
الحسین و نوفل بن علی محمد بن علی (شیخ)	ہے، اور یہ سماع محرم ۴۱۶ھ مین ہوا،
الانسائی فی المحرم سنة ست عشرة (اربعمائة)	

دوسری یادداشت میں کچھ اپنے ہم عصر سامعین کے نام بھی لکھے ہین اُن کے نام کے ذکر کے بعد لکھتے ہین کہ ان لوگون نے جمادی الاولیٰ ۴۱۷ھ مین سماع کیا ہے، غالبًا یہ اختتام سماع کی تاریخ ہے، لیکن کہین بھی اپنے سماع کی تاریخ نہین لکھی ہے، کتاب کے ہر حصّہ کے شروع مین

اَخبرنا الشیخ ابو عبد اللہ البسری   شیخ بسری نے ہم سے بیان کیا،

کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا سماع شیخ بسری سے براہِ راست ہے، اور چونکہ ۴۱۶ھ سے پہلے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۷) نہین تھی اسی لئے انھون نے تصنیفات مین صرف کتاب الخراج کا تذکرہ کیا ہے ۵ہ ابن ندیم مین کتاب الفرائض کے بعد ڈیش ہے، اس کے بعد کبیر الگ ڈیش کے ساتھ لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو کتابین ہین لیکن مین نے اس کو طباعت کی غلطی سمجھ کر کبیر کو کتاب الفرائض کی صفت قرار دیا ہے،

ملہ اصل مین اس طرح لکھا ہوا ہے کسی مصحح نے اسکے متعلق کچھ کہا بھی نہین ہو لیکن میرا ذاتی خیال ہو کہ یہ انسائی ہے،

انھون نے اپنے یا کسی دوسرے کی سماع کی تاریخ نہین لکھی ہے، اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ ۴۸۴ھ ہی اُن کے سماع کی بھی تاریخ ہوگی،

بسری[1] نے اس کتاب کا سماع اپنے شیخ ابو محمد عبداللہ بن یحییٰ السکری سے ۴۱۶ھ مین کیا تھا، سماع کے وقت اُن کی عمر ۱۰ برس سے زائد نہین تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر کی روایات پر پورے طور پر اعتماد نہین کیا جاسکتا، لیکن بسری کی مرویات کو اس درجہ قبولیت حاصل ہوئی کہ ان کی کم عمری اعتماد واعتبار کے لئے مانع نہین رہی،

ڈاکٹر جانبول نے کتاب کی تصحیح وتحشیہ مین کافی محنت کی تھی، لیکن پھر بھی اس مین کچھ نہ کچھ خامیان رہ گئی تھین، اس لئے قاضی ابوالاشبال احمد شاکر مصری نے دوبارہ اس کی تصحیح کی، جہان جہان ڈاکٹر صاحب کی تصحیح مین غلطی تھی، اس کی نشاندہی[2] کی اور دوسرے ماخذون سے ہر مسئلہ کی مراجعت کرکے اسکی تخریج کی، اور یحییٰ بن آدم کے سوانح حیات[3] اور اُن کے شیوخ وتلامذہ کی فہرست کے ساتھ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء مین دوبارہ مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے شائع کیا، فجزاہ اللہ احسن الجزاء،

قاضی صاحب نے اس سلسلہ مین سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ کتاب کے رجال کی پوری تحقیق کی ہے، اور اُن کی تعدیل وجرح کے سلسلہ مین جو کچھ کہا گیا ہے، اس کو نقل کر دیا ہے، علاوہ برین جو مسائل امام ابو یوسف اور یحییٰ کی کتابون مین مشترک ہین، حاشیہ مین ان کی بھی تصریح کر دی ہے، یہ حاشیہ اپنی افادیت کے لحاظ سے کتاب کی ایک مختصر شرح ہے، لیکن انھون نے یہ نہیں لکھا کہ اس کتاب کا کیا درجہ ہے؟ اس کی خصوصیات کیا ہین اور امام ابو یوسف اور یحییٰ کی کتابون مین ... جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہین کیا فرق ہے؟

---

[1] بسری بغداد کے مشہور محدثین مین ہین ۴۰۶ھ یا ۴۰۷ھ مین اُن کی ولادت ہوئی تھی، اور ۴۹۴ھ مین وفات پائی، سمعانی نے ان کا تذکرہ کیا ہے، (ص ۱۰) [2] مثلاً ص ۶۳ ص ۱۲۲، و ص ۱۲۳ [3] مین اس کی تفصیل موجود ہے،

آیندہ سطرون مین اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے،

پوری کتاب چار حصون مین ہے جن مین ۲۳ ابواب اور ۳۰۹ مسئلے ہین، مؤلف نے صرف دو آخری حصون کی تبویب کی تھی، باقی دو حصون کی تبویب مصحح نے کی ہے، اور اوپر حاشیہ مین عنوانات کی سُرخیان قائم کردی ہین،

یحیٰ کی روایات اور ان کے اقوال عام طور پر مشہور ہین، اور تمام متقدم اور متاخر محدثین نے اپنی اپنی کتابون مین ان کو جگہ دی ہے، لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ مین اُنکی کتاب الخراج کے ساتھ زیادہ اعتنا نہین کیا گیا اور نہ اس کے نسخے زیادہ مروج تھے، چنانچہ امام مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، امام نووی، حافظ ابن حجر، بلاذری وغیرہ نے متعدد جگہ اُن کی روایات اور اُن کے اقوال اپنی اپنی کتابون مین نقل کئے ہین لیکن اُن مین سے کسی نے بھی کتاب الخراج کا ذکر نہین کیا ہے، اور نہ کہین اس کا حوالہ دیا ہے،

کتاب کی خصوصیت اور امام ابو یوسف اور ان کی کتاب مین فرق

(۱) اسلامی مالیات کے جن شعبون کے متعلق قرآن پاک کی آیات مین اشارات موجود ہین، یحیٰ بن آدم نے ہر عنوان کے تحت ان آیات کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد حدیث و آثار سے استدلال کیا ہے، مثلاً فیَ، غنیمت، تجارت، زراعت، صدقات، ما یکرہ فی الصدقہ، جذاذ و حصاد وغیرہ کے سلسلہ مین اس کی تفصیل مل سکتی ہے،

(۲) طریقہ تصنیف محدثانہ ہے یعنی ہر مسئلہ مین انھون نے اپنے شیوخ یا تابعین کے اقوال یا پھر صحابہ کے آثار یا احادیث نبوی کا تذکرہ کیا ہے، اور خود اپنی رائے پوری کتاب مین مشکل سے دو چار جگہ دی ہے،

(۳) فقہ مین کسی خاص مسلک کے پابند نہین تھے، لیکن پھر بھی انھون نے متعدد جگہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی رائے سے اختلاف کیا ہے، اور اس کے بعد محدثین کی رائے کو پیش کرکے اس کو ترجیح دی ہے، مگر جہان بھی اختلاف کیا ہے، وہان امام صاحب کا نام نہین لیا ہے، بلکہ بعض وغیرہ کا لفظ استعمال کیا ہے،

مثلاً اس مسئلہ مین کہ اگر کوئی اس پرتی زمین کو آباد کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے یا نہین، دوسرے ائمہ کی رائے ہو کہ اس کو اختیار ہے کہ وہ آباد کرے اور وہ اس زمین کا مالک ہوگا، خود امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے بھی یہی ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک اس مین امام کی اجازت کی ضرورت ہو، طرفین کے اقوال ذکر کرنے کے بعد یحیٰی اپنے دوسرے ائمہ کے اقوال کی تائید مین یہ حدیث ذکر کی ہے،

من احیا ارضا میتۃ فی غیر حق	جو کسی ایسی پرتی زمین کو آباد کرے جو کسی مسلم یا
مسلم ولا معاھد فھی لہ (ص)	معاہد کی نہ ہو تو وہ زمین اس کی ہے،

اس کے بعد لکھا ہے کہ حدیث مین امام سے اجازت کا ذکر نہین ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کی رائے اُن کے نزدیک صحیح نہین ہے،

بعض جگہ وہ دوسرے ائمہ کی بھی مخالفت کرتے ہین، مثلاً اس مسئلہ مین کہ خراجی زمین پر دوسرے محاصل عائد کئے جا سکتے ہین یا نہین، ائمۂ ثلاثہ کی رائے ہے کہ دوسرے محاصل عشر وغیرہ اس مین لئے جا سکتے ہین، امام صاحب کی رائے ہے کہ خراجی زمین مین خراج کے علاوہ اور کوئی چیز نہین لی جا سکتی، اس مسئلہ مین یحیٰی امام صاحب کے ساتھ ہین، اور فریقین کے استدلالات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہین،

قال جماعۃ من اصحابنا لیس مما	ہمارے اصحاب میں سے بعض لوگون نے لکھا
علی الارض الخراج عشر انما	ہو کہ خراب زمین پر عشر نہین ہے، اس پر
علی الارض الخراج ولیس فی	صرف خراج ہے اور اس زمین کی زراعت
زرعھا ولا فی ثمارھا شیٔ	اور اس کے پھل مین کوئی محصول نہین ہو،

سلہ زراعت کے سلسلہ مین آج کل اس قسم کے قوانین روزانہ بنتے رہتے ہین لیکن اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے یہ قانون دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا لیکن بُرا ہو تعصب کا کہ اُس نے دنیا کو اندھا کر دیا ہے،

لمسلم او لغیرہ (صفحہ ۱۶۶) وہ زمین مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی،

دوسری جگہ اس مسلک کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ میرے بعض بصری اصحاب کی بھی یہی رائے ہے" (ص ۱۶۷)

زکوٰۃ کے سلسلہ مین یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ اگر مختلف قسم کے غلے اتنی تھوڑی مقدار مین پیدا ہون کہ نصاب زکوٰۃ تک نہ پہنچے ہون، لیکن اگر ان سب کو یا ان کی قیمت کو ملا دیا جائے تو وہ نصاب تک پہنچ جاتے ہون، تو ایسا کرنا چاہئے یا نہین، امام صاحب تو غلہ مین سرے سے نصاب کے قائل ہی نہین ہین، اُن کے نزدیک غلہ کی جتنی مقدار بھی ہو اس مین عشر یا نصف عشر دینا چاہئے، بقیہ ائمہ غلہ کا نصاب پانچ وسق مقرر کرتے ہین، اس لئے ان کے یہان یہ سوال اہمیت رکھتا ہے، امام شافعیؒ ایک غلہ کو دوسرے غلہ سے یا اس کی قیمت کو ملا کر عشر ادا کرنے کو جائز نہین سمجھتے، امام احمد کا خیال ہے کہ ایک دوسرے کو ملا کر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، امام مالک صرف جو اور گیہون کو ایک دوسرے سے ملانے کے قائل ہین یحییٰ چونکہ مطلق ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے کے قائل نہین ہین، اس لئے انھون نے امام مالک کے مسلک کو بھی پسند نہین کیا، چنانچہ وہ فرماتے ہین کہ اصحاب امام مالک نے جو اور گیہون کو یکسان سمجھا ہے لیکن یہ بھی جائز نہین ہے" یہی مسلک امام شافعیؒ نے اختیار کیا، اور بعد مین یہ انہی کی طرف منسوب ہو گیا،

۴- کتاب مین بعض ایسی روایتین بھی ہین جن مین مصنف منفرد ہین، مثلاً یہ روایت

من احیا ارضاً میتةً فھی لہ و جو پڑتی زمین کو آباد کرے، وہ

لیس لعرق ظالم حق (صفحہ ۵) اس کی ہے،

ان الفاظ کے ساتھ کسی نے بھی یہ روایت نہین کی ہے، ابن حجر نے فتح الباری ج ۵ ص ۱۳ مین یحییٰ کی اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن انھون نے بھی یحییٰ کے علاوہ کسی دوسرے سلسلۂ سند کا ذکر نہین کیا ہے،

اسی طرح "بعل والشمس اور البعلی" والی حدیث میں بھی غالباً صاحب کتاب منفرد ہیں، ابن ماجہ نے اس روایت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، لیکن ان کا سلسلۂ سند بھی یحییٰ ہی پر ختم ہوتا ہے (ص۱۲۳)

امام ابویوسف اور یحییٰ کی کتاب میں چند ظاہری اور معنوی فروق یہ ہیں،

(۱) اوپر لکھا جا چکا ہے کہ یحییٰ کی کتاب الخراج کی طرف علماء نے بہت کم اعتنا کیا ہے بخلاف اس کے امام ابویوسف کی کتاب الخراج کو تمام متقدمین و متاخرین ائمہ کے نزدیک ایک خاص درجہ حاصل رہا ہے اور مشکل سے حدیث و فقہ کی کوئی کتاب اس کتاب کے ذکر سے خالی ہوگی،

(۲) امام ابویوسف کی کتاب میں ۳۰ ابواب اور یحییٰ کی کتاب میں کل ۲۲ ابواب ہیں اس ظاہری فرق کے علاوہ معنوی حیثیت سے بھی امام ابویوسف کی کتاب بہت بلند ہے، اس میں ہر عنوان کے تحت جزئیات اور بہت سے مجتہدانہ نکات اور متنوع مسائل ملتے ہیں،

(۳) امام ابویوسف کی کتاب میں بعض مباحث ضمناً آگئے ہیں لیکن یحییٰ نے ان کے مستقل ابواب قائم کئے ہیں، مثلاً تحجیر، شراب کی تجارت پر ذمیوں سے ٹیکس لینے جدا ذوحصا د یا سبزی میں زکوٰۃ وغیرہ کے مباحث کو امام ابویوسف نے ضمناً ذکر کیا ہے، لیکن یحییٰ نے ان کے لئے الگ الگ ابواب قائم کئے ہیں،

(۴) امام ابویوسف کی کتاب میں گو جزئیات اور متنوع مسائل زیادہ ہیں، لیکن پوری کتاب تقریباً تمامتر حنفی مسلک کے مسائل تک محدود ہے، اس کے مقابلہ میں یحییٰ کا طریقۂ تصنیف محدثانہ ہے، اور وہ ہر عنوان کے تحت مختلف احادیث، آثار اور اقوال نقل کر دیتے ہیں اور خود اس کا فیصلہ بہت کم کرتے ہیں، اس سے یہ فائدہ ہے کہ پڑھنے والے کو ہر موضوع پر خود سوچ کر کسی امام کی رائے کو راجح یا مرجوح قرار دینے کا موقع ملتا ہے،

علمی حیثیت سے کتاب میں بعض تسامحات بھی ہیں مثلاً

۱۔ زکوٰۃ پر بحث کی ہے لیکن زکوٰۃ کے مصرف کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے یا دریا سے حاصل کی ہوئی اشیاء کے بارے میں کوئی بحث نہیں ہے،

۲۔ ان کے شیوخ اور سلسلہ سند کے رواۃ میں بہت سے ضعیف اور بعض مجہول اشخاص بھی ہیں، مثلاً شیوخ میں محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، ایوب بن جابر بن سیار، عبد الجبار الزبیدی ان کو کذاب تک کہا گیا ہے، سنان بن ہارون، الصلت بن عبد الرحمن، عثمان بن مقسم، عمر بن ہارون، عمرو بن ثابت بن ہرمز، قیس بن الربیع، مفضل بن صدقہ وغیرہ عام رواۃ میں مخلی (ص ۷۶) جن کا تذکرہ رجال کی کسی کتاب میں نہیں ملتا، عبد الرحمن القاری (ص ۵۱) کا تذکرہ بھی کسی کتاب میں نہیں ہے، اسی طرح محمد بن مساور، عبادہ بن نعمان، ابو علی الصفار وغیرہ کا تذکرہ بھی متداول کتابوں میں موجود نہیں ہے، اسی طرح ابراہیم بن محمد (ص ۳)، عبد الرحمن بن معاویہ (ص ۲۷)، اسماعیل بن ابی سلیم (ص ۱۰۴)، ابو حماد (ص ۱۰۵) وغیرہ کو علماء نے ضعیف اور ان میں سے بعض کو وضاع حدیث تک لکھا ہے،

پوری کتاب میں سیکڑوں لغات اور فقرے ایسے ہیں جن کی مکمل تشریح کی ضرورت تھی، ان کے حل کئے بغیر عبارت کا مفہوم واضح نہیں ہوتا، ضرورت تھی کہ کتاب کے ساتھ ایسے الفاظ کی ایک فہرست بھی منسلک ہوتی، مثلاً اس اثر

لیس علی عربی ملك یعنی عربی النسل پر کسی کی ملکیت نہیں ہوا

کے نقل کرنے کے بعد یہ جملہ ہے،

ولکنا نقومھم الملۃ خمیس من الا بل کا مطلب بالکل واضح نہیں ہوتا، مصنف نے اس آیت "قری ظاہرۃ" کی تشریح کے سلسلہ میں بھی فروگذاشت ہوگئی ہے، اگو عام ائمہ تفسیر کی طرح انھوں نے بھی اس کی تشریح قری عربیۃ کے لفظ سے کی ہے، مگر انھوں نے اس سے ایک غلط

سرزمین مراد لی ہے جو صحیح نہین ہے،

تفسیر ابن کثیر سے ابن عباسؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ

ھی قری عربیۃ بین المدینۃ والشام	مدینہ اور شام کے درمیان جو آبادیان ہین
قری ظاھرۃ ای بینۃ واضحۃ یعرفھا	وہی قری عربیہ ہین، اس کو ظاہرہ اسلئے
المسافرون،	کہا گیا ہے کہ ان کو مسافرین عام طور پر

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مخصوص خطہ کا نام نہین ہے، بلکہ مدینہ وشام کے درمیان کی آبادیون کو قری ظاہرہ کہتے ہین، پھر معجم البلدان کتب لغت تاریخ وغیرہ مین کوئی مقام اس نام کا نہین ملتا، اس لئے ظاہر ہے کہ مصنف کو اس مین سہو ہو گیا ہے،

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس مین ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب مین مدد مل سکتی ہے،

قیمت :- ؏

القضاء فی الاسلام

اس مین طریقہ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابون سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بید مفید ہے، ضخامت: ۳۰۹ صفحے، قیمت :- ۱۲ر

"منیجر"

ارگجہ

(ایک نایاب مخطوطہ)

از

جناب سید عزیز مہدی صاحب بخاری بنگلوری

"فارسی زبان کی شاعری خصوصاً اس کی شاعرانہ صنعتوں کا مذاق ہندوستان سے بالکل اٹھتا جاتا ہے، اور گو اس قسم کی شاعری تصنع سے خالی نہیں ہوتی، لیکن اس کے ادبی کمال ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس کے کچھ قدیم نمونے یادگار پاستان کی حیثیت سے شائع کئے جاتے ہیں،"

(م)

ارگجا ہندی لفظ ہے، اس کے معنی ایک خوشبو مرکب کے ہیں، جو مشک، عنبر، گلاب، صندل، کافور وغیرہ سے بنایا جاتا ہے، آخر کے الف کو ہائے ہوز سے بدل کر اس کو مفرس کر لیا گیا ہے،

نواب حیدر علی خان بہادر بانی سلطنت خداداد سرینگ پٹن کے عہد حکومت میں محمد کمال بن نور محمد مہدوی ایک باکمال شاعر گذرے ہیں، اُن کے آبا و اجداد کا وطن برار تھا، نواب سعادت اللہ خان نواب آرکاٹ کے عہد میں محمد کمال برار سے ارکاٹ آئے، پھر وہان سے سرینگ پٹن آکر یہان سکونت اختیار کرلی، انھون نے ایک بیاض مین بہت سے اولیا، اللہ صوفیائے کرام اور متقدمین شعراء کا فارسی اور دکنی منظوم کلام جمع کیا ہے، اس بیاض کی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین دکنی شعراء مثلاً وؔلی، نصرتیؔ، ہاشمیؔ، موتنؔ، یوسفؔ، سراجؔ، سلطان عبد اللہ قطب شاہ وغیرہ ریختہ گو شعراء کا بے شمار نایاب کلام موجود ہے،

منظوم کلام مختلف اصناف سخن مثلاً رباعی، مخمس، مثمن، ترجیع بند، مستزاد، ہجویات، قصائد، کبت، دوہرہ، ریختی، جکری، لنا وغیرہ پر مشتمل ہے، کلام کی اس ہیئت مجموعی کے لحاظ سے جامع نے اس بیاض کو ارگجہ کے نام سے موسوم کیا ہے،

مرزا عبد اللہ بیگ ایک ہمعصر شاعر نے اس بیاض پر پینتیس اشعار کا ایک قصیدہ دکنی زبان میں لکھا ہے، مرزا عبد اللہ بیگ نے نفس ارگجہ کی تعریف کے لحاظ سے اس بیاض کے الفاظ، فقرون، مصرعون اور اشعار کو مختلف عطریات اور ان کے خوشبودار اجزائے ترکیبی سے تشبیہ دی ہے، پھر انھون نے اس بیاض کو ایک رنگین چمن قرار دیکر اس کے اشعار کو چمن کے لوازمات یعنی مختلف اقسام کے پھولون، پھلون اور اشجار سے تشبیہ دی ہے، غرض یہ قصیدہ بہت دلچسپ ہے، اس قصیدے کے چھٹے اور ساتوین شعر مین انھون نے اس امر کا اشارہ کیا ہے، کہ حافظ محمد کمال نے اس بیاض کو ترتیب دیکر کسی حاکم وقت کو نذر گذرانی تھی، اگرچہ حاکم وقت کے نام کی صراحت نہین ہے، تاہم قیاس کیا جاتا ہے کہ غالباً نواب حیدر علی خان بہادر کو نذر گذرانی ہوگی،

اس بیاض کی تقطیع ۶ × ۴، ۱ انچ ہے، اور تقریباً چھ سو صفحات کی ضخامت رکھتی ہے، اس پر حافظ محمد کمال کی مہر جا بجا لگی ہوئی ہے، مہر کے اندر سنہ ۱۱۹۱ھ کندہ ہے، جلد چمڑے کی ہے، جو نہایت دیدہ زیب ہے، اسکے دونون پشتون کے حاشیہ پر ڈیڑھ یا دو انچ لمبی مہر کا نقش ہے، جس مین لا یمسہ الا المطہرون لکھا ہوا ہے،

مذکورہ بیاض مین سے تھوڑا سا نایاب کلام انتخاب کرکے بغرض اشاعت مرسل ہے، امید ہے کہ آنجناب ازراہ علم پروری اس کو معارف مین شائع کرکے ممنون فرمائیں گے،

یہ قصیدے جناب یحییٰ محمد اللہ المتخلص بہ یحییٰ کے ہین، جو جامع بیاض حافظ محمد کمال کے فرزند ارشد ہین یحییٰ عربی فارسی اور ترکی زبانون مین خاصی مہارت رکھتے تھے، اور نواب حیدر علی خان بہادر کے عہد کے سرآمد شعرائے وقت سے تھے، انھین دکنی یعنی ریختہ شاعری مین بھی ید طولیٰ حاصل تھا،

حافظ محمد کمال کے پیر و مرشد بندگی سید یحییٰ تھے، جن کا قیام آرکاٹ مین تھا، اور جن کا انتقال

[illegible] میں ہوا، ہی غالبا عاشقا صاحب نے اپنے فرزند ارجمند کا نام اپنے پیر و مرشد کے نام پر رکھا ہے یحیی صاحب کی پیدایش اور انتقال کی تاریخ نہیں معلوم ہو سکی، انکے بچپن اور تحصیل علم کے بارے میں بھی معلومات فراہم نہ ہو سکے، البتہ انھوں نے مختلف اشعار میں چند اشارات کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ...... اپنے والد بزرگوار سے تحصیل علم کی ہے،

مخمس در منقبت شاہ مردان علی مرتضی کرم اللہ وجہہ

در مصرع اوّل مرصع

اے سدرہ واق خطہ خضرائے زرنگار — دے ہفت طاق قطعۂ غبرائے نوبہار

از یک اشارتت نخش گشت استوا — افروخت شمعہا زمہ و مہر تابدا

مذ نعما دگوہر مکنون و شاہوار

مرصع

خفا نہا ز نشۂ میش شکرین مذاق — پروانہا ز شمع رخش آتشیں نطاق

ویرانہا ز نور مہش خوشترین رواق — افسانہا ز عشق لبش برترین وثاق

روشن چو کرد خیر رسل سرور کبار

مجنس

صد تحفہ درود مبارک بآنجناب — بادا ز دل از حرم کبریا نقاب

اے دل بسوی مدحت آنصف شکن شتاب — الہام گر ضیای ز کاہش فگند و تاب

یعنی علی ولی علی شاہ ذو الفقار

(شیر حق بر آید از توشیع)

شاہے سریر سلطنت داد گستری — یوسف حسن طلعت او یافت برتری

روشن ز لمعہ اش شدہ خورشید خاوری   حاجت روائے ہر دو جہان شد زصفدری

قدرش قوی و قبلۂ ارباب اعتبار

لاحق تجنیس

اے صادمصفدری شدہ از صولتت صبیح   وے صارم تو صیحۂ روح الامین صحیح

صدق صفائے صفوتِ تو صادر مرتجح   صدر انشار صفحۂ تو مبح رامرتجح

صیت صلابت ز صمصامت آشکار

مرصع مجنس

روشن ز ماہتاب کمال تو شمع طور   گلشن ز آب و تاب جمالِ تو جمع حور

این ز آفتابِ جلالِ تو لمعِ نور   معدن ز کامیاب مقالِ تو جمع دور

مخزن ز انتساب لآل تو درج زار

معادر والعجز علی الصدر

گیسوے عنبرینش معنبر چو لیل قدر   قدرے فزود مطلعِ مہرش بصبحِ فجر

فجرے روان گلاب طرازش بروے صدر   صدرش ز نور قدس خدا روشنی چو بدر

بدرش بہر دادہ ضیاے بیادگار

تجنیس مکرر

زور شک گلشنِ تو بہ گلزار نازنار   از تیغ روز بانت بکار کار زار

شد پردہ نوات برخسار سار ساز   پرپر شفقتِ تو زاد بار بار باز

زاصحاب مصطفیٰ شدہ زاخیار یار بار

مصرع اوّل مقلوب بعض و دوم مقلوب کل و سیوم و چہارم مقلوب بعض و پنجم مقلوب مستوی

ماہی سپہر اوج ہمایون بظل ہما قندیل عرش شرع زامن است رہنما

شکر زشکر شربت بہات از خوا رشک بہ تنیشکر بغز وداے شہ علا

ران باز حرفزا لب از فرح زاب نار

مقطع معطل

آوردہ روح در دم اول ورا درود دارد ورد او آدم و ہر راح راودود

آرام روح درارم در دا و درود او راک راد وار د و در درک دلع رود

رودادہ روح را دراو را وداد

موصل دو حرفی

مرقومہ مدحت کرمش پی ندید شد موشح بزیب موکب عالی پدید شد

تا یافت ہالہ تابش ماہش فرید شد با فر فرجد لیش چو مومن مرید شد

باشد مرتع صدمت نامش ثمر بہار

موصل سہ حرفی

نعل لبش قلم سطر سلک سین کشد نعل ین بنا صیہ مرچین کشد

کلک قضا بخا خفی نسخ کین کشد مشک ختن علم بسر تخت چین کشد

شمس ضحی خش بہ حسن او شمار

مجنس موصل چہار حرفی

لطفش محیط جبر نسیلم چنیں متین حلمش نہفت پنجہ ہیضا جبین جبین

چینید نسیم غنچہ شبنم نکین نکین، بلبل بعشق بسمل تیغش ہمین یکین

گلشن شگفت تختہ فیضش سپہر داد

مجنس موصل پنج حرفی

تشبیہ طلعتش بیتیم بعنقہ یافت — تمکین شعشعہ بجلم نہفتہ تافت
کیفیت جنبش طلسمی شگفتہ تافت — تیغش مشتمل ز بخجل شکستہ یافت
بینش شتہر بشنشاہ کامگار

موصل تمام مصرع

تشبیہ طینتش بہ ختن مشک نے پسند — لعل یمن بہ لعل لبش حلی سیم گند
بے غم جبین گلست تختش بسے بلند — فیضش مبین بشعشعہ غیبے (؟) قیل بند
بہ تنک بہ گنج فیض یقین معلی ہزار

مصرع اول مقطع و دوم موصل دو حرفی و سیوم سہ حرفی و علیٰ ہذا القیاس

دارو دمار زدوے درش دل ز ذوق شد — چرخے برقی بہ ترتیش بس برین چو مہ
ہن فیض بخش خضر نسق لطف بین ہمہ — بیشش صبح طلعت ببے بتصفیہ،
منظور مصطفےٰ است مکرم باقتدار

موشح موصل الشفتین کہ بطریق مدور نگارند

مہر منیر مرکز تمت مہی معاد — مظہر مسیح مسجد معمور مستفاد
معنی مفید مالک ملک ملک مواد — مارا مبین مکارم مہرش مبین مراد
مشہور میر معرکہ محتشم مدار

رقطا

آن صبح نو بفر جدی سپہر تحفہ یاب   زائر انجضرتِ علم قرب از سیاب (؟)
عبرت ربائے از اثر بوئش شکناب   دیدم نسیم باغ دی از مشک شدخوشاب
نعت منارشِ لب حیران کند ہزار

خیفا

دار جبین مہر زفیضش مراد ہا   آرد تجنت دہر زتبین عمادہا
معمو جیبش حلم زبخشش سوادہا   آمد شفیق برہمہ ضیفی ارادہا
سالار غیب مرد دبیشین مدار کار

تجنیسِ خط

اے روشن از جبین مبین شمس سان توئی   دی گلشن زمان زمن چون جنان توئی
شیرین مذاق وذوق ز خوش چنان توئی   دی معدن امان وامین لعل کان توئی
زین صحن چون چمن گل خندان توئی بہار

واسع الشفتین

اے شہسوار صفت دلیران اصفہان   سرلشکرِ جنود ولاور غضنفران
سازند سجدہ درگہ او درا سخنوران   عالی قدر دلیلِ نکوئی شہنشہان
زینت فضائے تختہ این تازہ لالہ زار

معرب ومخرج

اول مصراع فتحات متوالیہ وثانی کسرات وثالث ضمات ورابع تسنوی وخامس نفوی،

ای سطح چرخ از حرمِ عظمتش سرسا   مہر ہشت گیر ززیب ہی ضیا

گلشن شگفت خوش گل او چون خوغچی ماو سپہر برتری با منظرش بہ پا

شایستہ مقدری ز سیادت ذو الافتخار

مکرر

بر چرخ از شعاع مہت آنچہ رفت رفت بر لعل از صفای خطت آنچہ رفت رفت

بر باغ از نسیم رخت آنچہ رفت رفت بر مشک از شمیم لبت آنچہ رفت رفت

ہم آنچہ رفت رفت سوے خطہ تتار

ملمع

ان یلتفت کمال بالشرح والکتاب بیند چو مہر روشن و چون آئینہ تباب

ان یتقطر غمامہ فی البحر والحباب از رکنذ ز نور چو مہتاب و آفتاب

للارض یکلونورہ کا للیل والنہار

معنی اول بردوم و ۲ و بر ۳ و ۳ بر ۴ و ۴ بر ۵ موقوف

آید بدرگہ کرمش آفتاب تا سازد ز نور انور او اقتباس یا

صد سجدہ از نیاز گذارد بخاک با صدق طویت وبر دو بر سپہر تا

بر روشنان چرخ زند کوس اشتہار

ترجمہ

کہ دو مصرع اول ترکی، و در سیوم و چہارم معنی اول بفارسی وعلی ہذا القیاس

آئی گک کرسدن و غربیت یلدزے یوباقی یول آتلہ آغرش ترے

مہتاب آسمان ہدی رست اخترے رنگ رہی سوار نبردی بزودے

باقی کنذ زی شدہ یقین اسفید چون نہار

سیاق اعداد و معما

ده چند کرد روشنیش نه سپهر را　　از هشت باغ کرده چو هر هفت شش سها
پنج اصبعش چهار عناصر نموده دا　　هر سه حروف تهجی ادو و هلال سا
از تاج زر بسر شده یک زاوش (؟) قرار

بیت خواجہ حافظ

افگنده پرتوی تو ضیا بر بهشت و ثبت　　پرهای شاهباز به پرواز تست ست
طبعم ز قول خواجه بصدر توحید جست　　زانجا که پرده پوشی خلق کریم تست
بر قلب ما بخش که نقدیست کم عیار

معنی ہر مصرع بر پنجم موقوف

بارد ز ابر قطرهٔ لولوی زر فشان　　بخشد زمین ز معدن خود لعل بی جان
خیزد ز خاکِ غنچه درستی شده عیان　　آرد هزار بدرهٔ زر صبح ز آسمان
قصد عطا اگرچه کند آن علا وقار

بند ہندی کہ مصرع پنجم فارسی

لالہ کے لب سے لیکے عقیقی کٹوریان　　نرگس کے پھول سو جو کرین قہوہ خوریان
رخودلہ ریزا اوس کی تنلسے ہو قریان　　..... ہور بہشت چمن مین ہو حوریان
آرند ازو اگرچہ ارغوان بکار

حسن مقطع

اے قصر پرتریش بسا برترانہ ہلال　　دے مہر انوریش بسا انور از جلال

یعنی بادارقات سخن یافت از کمال[1] از ابر بختش شدہ سرسبز چون نہال

یارب دوام سایۂ او زرفشان بدار

در مدح حیدر علی بہادر

اے تازگی ز فتحت دین پیمبری را　　وے روشنی ز تہنیت خورشید خاوری را

فرمان پذیر گردد این چار دانگ عالم　　کشتی چو از نیامت صمصام صفدری را

عدلت علم کشد چون بر خط کواکب　　از بیخ چرخ کند در طرح ستمگری را

بکشاید از نگینت قلاع ہفت اقلیم　　تیرت کند منبک سد سکندری را

تا گشت نافۂ زن بو از شمیم خلقت　　در خلق شد رواجی این مشک اذفری را

مجموعۂ صنائع بیرا سخنہا زبانت　　دیباچہ شود چو ش نحو زمخشری را

در جویبار حسرت غرقہ کند سراسر　　رفتار خوش خرامت سرو صنوبری را

زیور طراز گلشن وقت تفرج تو　　شوید بآب شبنم رخسار عبہری را

از گفتگوی تازی شعر ستایش تو　　آرد بیاد خاطر اشعار انوری را

شیرازۂ شفق را صحاف چرخ بندد　　بر صفحۂ بیاض وصف تو زیوری را

اے کامیاب مطلب امداد غوث اقطاب　　حرز یمانی آمد بازوی برتری را

چلہ نشین گردون پذکرد ذوالکتابہ　　بر دو در رایت تو تعویذ یاوری را

از فیض بخشی تو عالم شود تونگر　　بکشاید از بدرہ دینار جعفری را

ریزی چو گنج گوہر بر جندیان پردل　　ہم چون صدف شود وادست برآذری را

---

[1] اس آخری بند کے تیسرے مصرع میں جو لفظ کمال آیا ہے وہ اُن کے والد کی جانب اشارہ کرتا ہے جن کا اسم گرامی حافظ محمد کمال اور تخلص یہ کمال تھا،

در دار ملک دوران در داده دولت تو ❊ در هر دو صور ما دم باد دلاوری را

افواج غیب دایم حامی عسکر تو ❊ نصرت خدات بخشد طرز تهوری را

چو آهوان صحرا بر مرسیاه دشمن ❊ یابد چو در بیابان بوی غضنفری را

روز مصاف اعدا از بهر خوردن خون ❊ باشد دهن کشاده ضرغام اژدری را

بر قلعهٔ مقرنس عزم یورش چو سازی ❊ بیم هلاکت آمد مریخ و مشتری را

از دست تیغت دستان تنگدستان ❊ دستی دهد اگرچه دست تو داوری را

در بحر خون اعدا از بس بسالت تو ❊ گلگون برق تازد خواهد شناوری را

ای فیض بخش عالم جم جاه با تهور ❊ جمشید حشمت آمد افواج سروری را

نواب ذو المناقب حیدر علی بهادر ❊ بفزوده آب از تو نام بهادری را

هرچند انتظام مدح مبارک تو ❊ رونق فزا شده خوش مرا سحر(؟) ذریرا

در چار بیت آخر از گفتگوی تازی ❊ ریزم بصحن معنی گنج هنروری را

یحیی لهذه الشعر اختم علی التحیة ❊ قل یا الٰهی اعط من فضلک کثیرا

یا مالک الممالک اجله من جلوس ❊ توجه بالعدالت زین بر منبر(؟) را

نوره من فیوض ایدلک الٰهی ❊ کالبدر فی الظلام والشمس مستنیرا

کرمه یا مکرم فتحه یا مفتح[1]

واعزه یا معزز وانصره یا نصیر •

---

[1] ان نظموں کے جن مصرعوں یا الفاظ کی صحت میں شبہہ تھا، ان پر سوالیہ نشان بنا دیا گیا ہے۔

ادبیات

حشرِ جذبات

از جناب سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری

ہجر میں تیرے میں بے تاب و توان اور سہی
یعنی غم میں مری ہستی کا زیان اور سہی

گل ہیں افسردہ، بہاروں سے چمن ہے محروم
ہے یہی رنگ خزان کا تو خزان اور سہی

محرم جلوۂ رنگین دل دارفتہ ہے
یہ تجلی ہے تو وہ جلوہ کنان اور سہی

لب میں خشک، آنکھ ہے خونناب فشان جب ہی
جذبۂ غم میری صورت سے عیان اور سہی

رنگِ عشرت میں تو اب ہوتے نہ ہوگا کوئی فرق
تیری محفل میں مری ایک فغان اور سہی

اب تو اخفائے محبت کی بھی کوشش ہے فضول
جب ہے صورت سے عیان اشک روان اور سہی

آستان میں ہیں تری جذب ہزاروں سجدے
مرے سجدے کا وہاں ایک نشان اور سہی

یوں تو ہیں سیکڑوں نسبت تیری طرف سے لیکن
اس محبت میں ترا وہم و گمان اور سہی

مری صورت سے سمجھنا تو نہ تھا کچھ دشوار
میں نے مانا کہ محبت کی زبان اور سہی

یوں تو دلکش ہے ترے وعدۂ رنگین کا فریب
دل کی تسکین کے لئے حسن بیان اور سہی

آشیان جب ہے مرا برق کی زد میں ثاقب
نالۂ غم مرا اک شعلہ فشان اور سہی

باب التقریظ والانتقاد

مشکلات القرآن

از جناب مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۹۰ صفحے، قیمت: عام، پتہ:-

ابوالخیر صاحب مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور ضلع اعظم گڈہ،

یہ مولانا داؤد اکبر اصلاحی کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جو مختلف اوقات میں ترجمان القرآن (لاہور) وغیرہ میں شائع ہوئے،

اس مجموعہ میں ۱۲ مضامین ہیں جن میں سے ۹ کا تعلق قرآن مجید کی اقسام سے ہے، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے مولانا فراہی کی تحریروں سے کافی استفادہ کیا ہے، ایک مضمون سورۂ قمر کی ایک آیت (ولقد یسرنا القرآن) سے متعلق ہے، ایک مضمون سورۂ اعراف کی ایک آیت پر روشنی ڈالتا ہے، ان مضامین پر کوئی خاص تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن تین مضامین سے مجھے تھوڑا اختلاف ہے جس کو ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، ممکن ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ مولانا داؤد اکبر اگر غور فرمائیں گے تو اپنی رائے سے میری بات کی طرف رجوع کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ کریں گے،

ذبح بقر اور قتل نفس | ذکر بقرہ ۶۷ تا ۷۱ میں خدا نے ایک گائے کے ذبح کرنے میں بنو اسرائیل کی ٹال مٹول کا ذکر کیا ہے، پھر بقرہ ۷۲ تا ۷۳ میں ایک قتل نفس کا تذکرہ ہے، عام مفسرین کے نزدیک یہ دونوں قصے ایک ہی واقعہ کی دو کڑیاں ہیں، مفسرین کا بیان ہے کہ ایک قاتل کا سراغ دینے میں لوگوں نے حیلے بہانوں سے

کام لیا، تو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، اس حکم کی بار بار کے سوال و جواب کے بعد تعمیل کی گئی پھر خدا نے حکم دیا، اور گائے کے ٹکڑوں سے مقتول کو مارا گیا، تو وہ جی اٹھا، اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا، مولانا کو اس تفسیر کی صحت تسلیم نہیں ہے، اس میں وہ حق بجانب ہیں، لیکن ان کا یہ ارشاد نظر ثانی کا محتاج ہے کہ

"بظاہر تو ان ٹکڑوں سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گائے کے گوشت کے ٹکڑے سے حسب حکم مقتول پر ضرب لگائی گئی اور وہ زندہ ہو گیا، (ص ۱۰)

اگر قرآن سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے تو پھر یہ کہنا جسارت ہے کہ

"لیکن بات یوں نہیں ہے بلکہ (اضربوہ ببعضہا) میں ہ کا مرجع بتاویل مذکر مقتول ہے اور ھا کا مرجع نفس غیر مقتول ہے، یعنی جس کسی پر شبہہ ہو اور اس کے قاتل ہونے کی قوی قرائن سے تائید ہوتی ہے، اس سے مقتول پر ضرب لگاؤ یعنی چسپاں کرو، چنانچہ تفتیش ہوئی اور قاتل کا سراغ لگ گیا، ایسا ہوتا تھا، کہ یکا یک پوری جماعت بنی اسرائیل جو بمنزلہ ہوتے (مردہ) کے تھی اسے زندگی نصیب ہو گئی، (ص ۱۰)

افسوس ہے کہ صاحب مضمون نے زیر بحث آیتیں یک جا لکھ کر ان کا ترجمہ نہیں کیا ہے، یہ نہیں معلوم کہ (اضربوہ ببعضہا) کو اردو میں وہ کیسے ادا کرتے "مارو اس (مذکر) کو اس (مونث) کے بعض سے" کا مطلب نہ معلوم یہ کہاں سے ہو گیا کہ جس پر قاتل ہونے کا شبہہ ہو اس سے مقتول پر ضرب لگاؤ یعنی چسپاں کر دو، اس عجیب عبارت کا مفہوم شاید ناظرین سمجھ سکتے ہوں، میں تو فہم سے قاصر ہوں،

مولانا فرماتے ہیں کہ "قرآن پاک اور کلام عرب میں اذ مستقل واقعہ کی تعبیر کے لئے آتا ہے (ص ۱۰) عام خیال کی رو سے ترتیب واقعہ وہ نہ ہونی چاہئے جو پائی جاتی ہے، بلکہ پہلے قتل نفس پھر ذبح بقرہ کا ذکر ہونا چاہئے (ص ۱۱) اذ کے استعمال اور بیان واقعہ کی ترتیب کا اقتضا ہے کہ ذبح بقرہ اور قتل نفس کو دو مستقل واقعہ قرار دیا جائے، اور دونوں کے ذکر کی علت جدا جدا ٹھہرائی جائے، (ص ۱۱) لیکن میرے خیال میں مولانا کو اپنی دلیل

گے ان عناصر پر از سر نو غور کرنا چاہئے بقرہ ۲: ۴۳، مین (واذ نجیناکم) فراکر پھر ۲: ۴۹ مین (واذ فرقنا بکم) بول کر ایک ہی واقعہ کی دو کڑیون کا جدا جدا ذکر کیا گیا ہے، واقعہ کے آخری جزء کا بیان مین مقدم ہونا کوئی عجیب بات نہین ہے، بقرہ ۶۰ : ۶ کو اگر مولانا کا اصول تسلیم کر لیا جائے، تو (۶۰، ۶) کے بعد ہونا چاہئے کیونکہ بنی اسرائیل کا گناہ تو (۶ : ۷) کے حکم کی تعمیل کے بعد معاف ہوا،

ذبح بقرہ کے حکم کی بابت مولانا نے فرض کیا ہے کہ "خطا کی قربانی ہے" (ص ۱۵) "یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ پوری قوم کی جانب سے گوسالہ پرستی کے گناہ کا کفارہ ہو" (ص ۱۶) لیکن آیت کے سیاق و سباق سے اس مفروضہ کی کوئی گنجایش نہین نکلتی، یہ سچ ہے کہ بنی اسرائیل مین خطا کی معافی کے لئے دعا کرتے وقت قربانی کا دستور تھا، مگر گئوسالہ پوجا وہ گناہ نہ تھا جو خطا کی قربانی سے معاف ہو جاتا "بقرہ ۶۰ : ۷، اور خروج ۳۲ : ۶ ۳ یا ۲۹ کے مطابق اس گناہ کا کفارہ یہ تھا کہ ۳ ہزار اشخاص جنھون نے گوسالہ کو پوجا تھا قتل کئے گئے،

خطا کی قربانی کے لئے خاص قسم کی بچھیا یا بچھوے کی تعیین نہ تھی (تثنیہ ۲۱ : ۱ یا ۹) کے مطابق آئین تھا کہ جب قتل ثابت ہو جاتا، قاتل کا پتہ نہ لگتا، تو ایک مادہ بچھیا ذبح کی جاتی، اور اس بچھیا پر اپنے ہاتھ دھو کر لوگ قسم کھاتے تھے کہ ہمارے ہاتھ نے یہ کام نہین کیا ہے، اور نہ ہماری آنکھون نے دیکھا ہے، اس بچھیا کے لئے ضروری تھا کہ اس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو، اور جو جوے تلے نہ آئی ہو، اس خصوصیت کو سمجھ کر جب ہم قرآنی الفاظ (لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث) پر غور کرتے ہین، تو صاف نظر آتا ہے، بقرہ ۸ : ۶ تا ۱۰ مین استی تثنیہ ۲۱ : ۱ تا ۹ کی بچھیا کا کچھ مزید خصوصیات کے ساتھ ذکر ہے، اور اس لئے میرے نزدیک واقعہ کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص کے قاتل کا سراغ لگانے کی غرض سے بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا وہ جانتے تھے کہ اس حکم کا مقصد کیا ہے، اس لئے ٹال مٹول کی باتین شروع کین کہ ان کے جواب مین ایسی خصوصیات کا اضافہ کیا گیا جن کی بدولت وہ مصر کی زرین معبود، یا ثور یا حاتحور بن گئی اور تلاش کرکے ذبح

کی گئی، اس واقعہ کے ذکر کے بعد (بقرہ ۶: ۸) میں منقول حکم کی علت خدا نے یہ فرما کر یاد دلائی کہ

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ	اور (یہ بھی یاد کرو کہ) جب تم نے ایک شخص
فِیْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ	کو مار ڈالا تھا پھر ہر ایک تم میں سے الزام ٹالنے
تَكْتُمُوْنَ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ	لگا تھا، اور اللہ اس کو ظاہر کر کے رہنے والا
بِبَعْضِهَا،	تھا جسے تم چھپاتے، چنانچہ (وہ ظاہر ہو گیا)
	ہم نے کہا اُسے اس کے بعض سے مارو،

اضربوہ کی ضمیر کا مرجع "ما کنتم تکتمون" ہے اور ببعضہا کا مرجع یقیناً بقرہ صفراء ہے، اس گائے کے مل جانے پر خواہ مقاومت کی وجہ سے خواہ اس وجہ سے کہ یہی گائے وجہ قتل تھی، نامعلوم قاتل کی ہستی جسے چھپایا جا رہا تھا ظاہر ہو گئی، خدا نے فرمایا اُسے جسے تم چھپاتے تھے، اس (گائے) کے بعض سے مارو، تلوار سے قصاص لینے کی بجائے گائے کی ہڈیوں کے ذریعہ انتقام لیا گیا کیونکہ کیونکہ آئین یہ تھا کہ مقتول جس طرح سے قتل ہوا، تو قاتل کو بھی اسی طرح کی سزا دی جائے، چونکہ یہ ما کا حکم دراصل قصاص کا حکم تھا، اس لئے اس کے بعد خدا نے فرمایا،

وَكَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَ	اور اس طرح (قصاص کے ذریعہ) اللہ مرنے والوں
يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	کو زندہ رکھتا ہے، اور تم کو اپنی آیتیں دکھاتا
	ہے تاکہ تم لوگ سمجھو،

اس آیت میں خدا نے کسی متعین مردے کے جی اٹھنے کا نہیں بلکہ احیاء موتی کے ایک طریقہ کا ذکر کیا ہے، اس لئے "موتی" سے مراد "من مات" نہیں بلکہ (من قضی علیہم الموت) ہے، اور احیاء موتی سے مراد جلانا نہیں بلکہ زندہ رکھنا مراد ہے، مردوں کا جی اٹھنا کوئی عجیب بات نہیں ہے، اگر اس جگہ (فاحیاہ اللہ) ہوتا تو ہم بھی یہ ماننے پر مجبور تھے کہ مردہ جی اٹھا اور اس نے قاتل کا نام بتا دیا، لیکن قرآن مجید کے الفاظ ایسا نہیں بتاتے، بلکہ بتاتے ہیں کہ اس طریقہ سے اللہ مرنے والوں کو مارے جانے سے بچاتا ہے؛

قصہ اسیرانِ بدر | تیسرا مضمون انفال ۹، ۳ تا ۵ پر روشنی ڈالتا ہے، ان آیتوں کی عام تفسیر یہ ہو کہ حضرت رسولِ خدا نے اسیرانِ بدر کی بابت صحابہؓ سے رائے لی، حضرت عمرؓ نے سب کو قتل کر دینے کی رائے دی، حضرت ابوبکرؓ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا، انکی رائے پر عمل کیا گیا، تو یہ آیتین عام مسلمانون پر عتاب کے لئے نازل ہوئین، اگر تفسیر اسی حد تک ہوتی تو معقول بات تھی، مگر روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ خدا کو حضرت عمرؓ کی رائے پسند تھی، حضرت ابوبکرؓ کی رائے جسے رسول نے پسند کیا تھا، خدا کو پسند نہین تھی، فاضل مضمون نگار نے اس روایتی تفسیر کے ناقابل تسلیم ہونے پر جو دلیلین دی ہین، وہ قوی اور حق بجانب ہین، لیکن خود جو تفسیر کی ہے وہ تسلی بخش نہین ہے، اُن کے نزدیک یہ آیتین یہود کے ایک اعتراض کے جواب مین ہین، ان کے بیان کئے ہوئے مطلب پر اعتراض اور اُن کی رائے سے اختلاف کی وجہین بتانے مین ناظرین کا کافی وقت لینا ہوگا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اختصار کے ساتھ اپنی تفسیر پیش کرون،

ان آیتون کے نزول سے پیشتر خدا نے حکم دیا تھا کہ

فَاِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ	جب (میدانِ جنگ میں) کافرون سے
الرِّقَابِ حَتّٰی اِذَا اَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا	مڈبھیڑ ہو تو گردنین مارنا یہان تک کہ جب
الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً	اُن سے جنگ کر چکو تو مضبوط جکڑ لینا پھر
حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا	یا تو احسان کرنا یا فدیہ لینا تا آنکہ لڑائی
(محمد ۱ : ۴)	اپنے اوزار رکھدے،

• سورۂ انفال مین اس آیت کی طرف اشارہ موجود ہے، میدانِ بدر مین کچھ لوگ اسیر ہوئے ان اسیر ہونے والون مین حضرت عباسؓ اور حضرت عقیلؓ وغیرہ بھی تھے، جو لڑنے کو جبراً لائے گئے تھے ان لوگون نے لڑے بھڑے بغیر اپنے آپ کو اسیر ہو جانے دیا، چاہئے تو یہ تھا کہ ان کو محض احسان و تبرع کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا، لیکن رائے عامہ کے مطابق ان سے فدیہ لیا گیا، اس لئے واقعہ پر عتاب کے لئے

نہین بلکہ آیندہ احتیاط برتنے کی ہدایت دینے کے لئے خدا نے فرمایا،

ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی	کسی نبی کے لئے مناسب نہین کہ زمین (یعنی
یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا	میدان جنگ) مین خوب جنگ کرنے سے
واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز	پیشتر اس کے پاس اسیر ہون، تم لوگ دنیا
حکیم لولا کتاب من اللہ سبق	کی دولت چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا
لمسکم فیما اخذتم عذاب	ہے، اور اللہ عزیز ہے، حکیم ہے، اگر پہلے
عظیم، فکلوا مما غنمتم حلالا	سے اللہ کا ایک نوشتہ (محمد ا:ہ) موجود نہ
طیبا واتقوا اللہ واللہ غفور	ہوتا تو تم نے جو فدیہ لیا ہے اس کی بدولت
رحیم	تم کو بڑا عذاب چھوتا، مگر (اب) کھاؤ
	اس چیز مین سے جو تم کو غنیمت ملی ہے حلال
	(اور) طیب (جان کر) اور (آیندہ) اللہ
	سے ڈرتے رہنا، بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے

اس کے بعد کی آیت مین اسیرون کو تسکین دی گئی ہے، کہ اگر تمھارے قلوب مین خیر ہے تو وہ تم کو اس سے بہتر دے گا، جو تم سے لیا گیا ہے "کتاب من اللہ سبق" کی تعیین کے لئے قرآن کی ورق گردانی کے بدلے اقوال کی جستجو اور "اثخان" کا ترجمہ "جنگ" کی بجائے "خونریزی" سمجھنے سے آیت کا مفہوم جو کسی مزید تشریح کا محتاج نہین ہو دشوار ہو گیا تھا، اُس آیت کے سیاق و سباق مین کوئی ایسی آیت نہین ہے جس کی وجہ سے اسے یہود کے کسی اعتراض کا جواب سمجھا جائے، یہ آیت یقیناً مسلمانون کو مخاطب کرتی ہے، فدیہ لینا روا تھا، مگر اس سے بہتر احسان تھا، زیادہ بہتر کام پر مسلمانون نے کم بہتر کو ترجیح دی تھی، اور وجہ ترجیح خیال آخرت نہین، بلکہ دنیاوی مفاد کی محبت تھی، یہ بات مسلمانون کے لئے زیبا

نہین تھی، اسی حقیقت کو بتانے کے لئے یہ آیتین اُتری ہین، ان آیتون کو عتاب سمجھنا کسی طرح بھی ٹھیک نہین ہے۔ اللہ نے ان آیتون مین قہر و غضب کے اعلان کی بجائے مغفرت و رحمت کا اعلان کیا ہے، مغفرت کا لفظ بتاتا ہے کہ جو ہوا وہ مناسب نہ تھا، لیکن پھر بھی قابل درگذر کام تھا، اگر یہی کام کتاب اللہ کی روادار کے استدلال کے بغیر بطور خود مفاد دنیا کی خاطر ہوا ہوتا تو یقیناً موجب عتاب ہوتا، یہ تنبیہ ہے نہ کہ عتاب۔

ایذائے موسیٰ | چوتھا مضمون سورۂ احزاب کی آیت (لا تکونوا کالذین اذوا موسیٰ) کی بابت سے فاضل مضمون نگار نے کافی غور سے کام لیا ہے، آیت کے اندر مذکور ایذا کی تعیین مین جو حضرت موسیٰ کو دی گئی تھی، موصوف کو ناکامی ہوئی، اس لئے فیصلہ کیا ہے کہ "نہین کہا جا سکتا، کہ ایذا کی کی فلان سی نوعیت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دینے کی استعمال کی گئی"۔ اس فیصلہ کا ان کو یقیناً حق تھا، لیکن شاید ان کا یہ اُشا د اپنی حد سے تجاوز ہی ہوگا کہ جو کچھ بھی اس بابت کہا جائے گا ظن قیاس سے زیادہ اس کی حیثیت نہ ہوگی، میرے خیال مین ان کو باور کرنا چاہئے، کہ فوق کل ذی علم علیم ہو سکتا ہے، کہ آیت کے ابتدائی مخاطبون کی طرح اب بھی کسی کو اس خاص اذیت کا علم ہو جس کی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے، یہ آیت (یا ایھا الذین امنوا) سے شروع ہوتی ہے عہد نبوت کے مومنین صادقین کی بابت ضرور ہم کو بہت بلند قسم کا حسن ظن رکھنا چاہئے، لیکن اس حسن ظن کو ایسا بھی نہ ہونا چاہئے کہ جن کو خدا نے (الذین امنوا) کہا ان کو ہم بزور تاویل (الذین نافقوا) بنا دین، عہد نبوت مین جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اپنے ایمان کی آخری منزل تک بتدریج پہنچے، ایمان و اسلام کے ابتدائی مرحلہ مین ایسے مسلمانون نے جو بعد مین شیخین کی نظیر بن گئے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا حضرت موسیٰ کی شان مین کوئی بات ایسی کہہ دی ہو جو مناسب نہ تھی تو اس مین کیا استبعاد ہے؟

حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل کے اذیت دینے کا ذکر قرآن کی دو آیتون مین ہے، سورۂ صف

مین ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا لمہ تؤذوننی اس آیت کی تفسیر کے لئے کسی معین واقعہ کی تلاش ضروری نہین ہے، قولاً اور فعلاً جو اذیت بھی حضرت موسیٰؑ کو دی گئی تھی اسی مراد لیا جا سکتا ہے، لیکن سورۂ احزاب مین خدا نے مسلمانون سے فرمایا،

لَا تکونوا کالذین آذوا موسیٰ	ان جیسے نہ بنو جنھون نے موسیٰ کو اذیت
فبرأہ اللہ مما قالوا وکان	دی، پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کے قول سے
عند اللہ وجیھا	بری کیا اور وہ اس کے پاس وجیہ تھے،

حضرت موسیٰ کی وجاہت کے برخلاف اُن کی شان مین ایک تکلیف وہ بات کہی گئی جو بالکل غلط تھی، یہ آیت سورہ احزاب مین ہے جس کے اندر حضرت زینبؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی بابت لوگون کی چہ میگوئیان کا جواب ہے، ما کان علی النبی من حرج (۵۰۵) سے پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگ اس نکاح کو ایام جاہلیت کے دستور کی ترازو پر تولتے تھے، اور اس نکاح کو جائز خیال نہین کرتے تھے، بعینہ اسی طرح ایک زمانہ مین سفر عدد کے بیان کے مطابق

"مریم اور ہارون نے موسیٰ کا شکوہ اس کوشی عورت کی بابت کیا تھا، جو اُس نے لی تھی، کیونکہ اس نے ایک کوشی عورت لی تھی، ①.....چنانچہ خداوند نے یہ سنا ② سو خداوند نے ناگہان موسیٰ کو ہارون کو اور مریم کو فرمایا،.........⑤...... میرا بندہ موسیٰ ایسا نہین ہو وہ میرے سارے گھر مین امانت دار ہے، ⑤ پ عدد،

سورۂ احزاب کی آیت مین اسی بات کی طرف اشارہ ہے آیت احزاب مین سفر عدد کے مولف کی اس بیان کی اصلاح بھی کر دی گئی ہے، حضرت موسیٰؑ کی شان مین ایک کوشی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی بابت نامناسب بات کہنے والون مین حضرت ہارونؑ اور ان کی بہن مریم شامل نہین قرآن کے بیان کے مطابق وہ عام بنو اسرائیل تھے جنھون نے "نامناسب بات کہی تھی،

اب رہے وہ الفاظ جو حضرت موسیٰ کی شان میں کہے گئے وہ نہ تو توراۃ میں مذکور ہیں، اور نہ قرآن میں، اتنا سمجھ لینا ہمارے لئے بس ہے کہ کوشی عورت کے ساتھ نکاح کو کلیف دہ پیرایہ بیان میں نامناسب بتایا گیا تھا، ٹھیک الفاظ تصنیف کرنے کا ہم کو حق نہیں ہے، حضرت رسول خدا کی شان میں جو الفاظ کہے گئے تھے، ان کی تلاش روایات میں کی جاسکتی ہے لیکن یہ آپ کی شان میں ہماری گستاخی ہوگی، فہم قرآن کے لئے صرف نوعیت کا علم کافی ہے،

مولانا کے اور مضامین کے اندر بھی کچھ باتیں ایسی ہیں جن سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، ہر دو آدمی کے فہم میں تباین ہونا قدرتی بات ہی، میرے نزدیک ہر اختلاف رائے واجب الاظہار نہیں ہوتا، ان تین مضامین کے متعلق چونکہ میں توقع رکھتا ہوں کہ فاضل مضمون نویس صاحب کو اپنی رائے پر اصرار نہ ہوگا اور وہ غور فرمائیں گے تو میرے مؤید ہو جائیں گے، اس لئے میں نے یہ سطریں لکھیں، باوجود اس کوشش کے کہ تبصرہ مختصر ترہو، اچھا خاصہ طویل ہوگیا ہے،

بہرحال اس اختلاف رائے کے باوجود فاضل صاحب قلم کو میں بھی رائے دونگا کہ وہ قرآن پر غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھیں اور اس قسم کے مضامین سے لوگوں کو استفادہ کا موقع دیتے رہیں، دل میں اگر تقوی اور خلوص ہے تو یقیناً اُن کو اجر اور پڑھنے والوں کو قرآن فہمی نصیب ہوتی رہیگی

سیرت سید احمد شہید بریلویؒ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی استاذ ندوۃ العلماء کی مشہور تالیف جس میں مسلمانوں کے جان آزادی اُس راہ میں اُن کی قربانوں اور ہندوستانی مسلمانوں کی تجدید و اصلاح کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے، قیمت للعہ دارالمصنفین سے طلب کیجئے،

"منیجر"

وفیات

مولانا اصغر حسین صاحب مرحوم سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

از جناب ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی

افسوس ہے کہ ۷ ذوالحجہ شب جمعہ کو بوقت نماز عشاء مولانا اصغر حسین ندوی سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم محلہ نبولیہ بہار شریف کے رہنے والے اور صوبۂ بہار کے طبقۂ علماً کے فضلاء میں سے تھے، معقولات کیساتھ منقولات میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، حدیث و سنن سے خاص شغف تھا،

طالب علمی میں عسرت کی زندگی بسر کی، آپ کی تعلیم کے ابتدائی مراحل مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں طے ہوئے، امیر شریعت حضرت مولانا سجاد صاحب مرحوم و مغفور سے شرف تلمذ تھا، دار العلوم دیوبند میں تکمیل کی تھی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے مشکوٰۃ علم و عمل سے اقتباس نور کیا تھا، فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار میں درس و تدریس کے مسند پر جلوہ فرما ہوئے یہیں سے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ گئے اور مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم کے بعد اس کے پرنسپل ہوئے تقریباً دو برس ہوئے اس سے ریٹائر ہو کر اپنے وطن میں تبلیغ دین و تصنیف و تالیف میں مصروف تھے کہ ۷ ذوالحجہ کو سفر آخرت کیا، "کل نفس ذائقۃ الموت" موصوف کی یادگار صرف لڑکیاں ہیں، اولاد ذکور میں کوئی نہیں،

آپ کو تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا، مدرسہ کے فرائض اور ذمہ داریوں کے باوجود اپنے جو قلمی کام کئے وہ اگرچہ مختصر لیکن مفید و قابل قدر ہیں، سوال و جواب کی شکل میں ترمذی شریف کی ایک مفید شرح لکھی جس کا نام نزلِ الثوملی ہے، یہ شرح اگرچہ نامکمل چھپی ہے لیکن اپنے اختصار و جامعیت کی وجہ سے عربی درسگاہوں میں مشہور و متعارف ہے، اس کا اردو ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے، سفرنامۂ حجاز بھی مرتب کیا تھا جس کا نام ارمغان حجاز ہے اس کی اشاعت بھی ہو چکی ہے، فی الحال تفسیر المنار کو اردو کا جامہ پہنا رہے تھے، مگر زندگی کی آخری منزل ہی طے ہو گئی،

اس ترجمہ کے بعض اجزاء مثلاً تمہید تفسیر قرآن و مقدمۂ تفسیر قرآن شائع ہو چکے ہیں،

مطبوعات جدیدہ

جب خون بہ رہا تھا: از جناب ابو سعید صاحب بزمی ایم اے، تقطیع چھوٹی ضخامت:- ۲۵۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد سے ر، پتہ:

کتاب منزل کشمیری بازار لاہور،

مصنف اخبار مدینہ کے مشہور اڈیٹر اور مخلص قوم پرور تھے، آزادی ہند کی جد و جہد مین بڑی مصیبتین جھیلین، لیگ کے عروج کے زمانہ مین تحریک پاکستان کے شدید مخالف تھے، پھر کانگریس کے تقسیم ہند کی تجویز مان لینے کے بعد ان کے خیالات بدل گئے، اور وہ پاکستان کے حامی بن گئے، اُن کی عمر کا بڑا حصہ سیاست وصحافت کے میدان مین گذرا، اس لئے ہندوستان کی سیاست کے جملہ نشیب وفراز اور اس کے ہر گوشہ پر اُن کی نگاہ تھی، چنانچہ اس کتاب مین انھون نے پاکستان کے قیام کی تاریخ تحریر کی ہے، اور واقعات سے دکھایا ہے، کہ اس کی ذمہ داری تنہا مسلمانون پر نہین بلکہ ہندوستان کی عام فرقہ وارانہ ذہنیت پر ہے، اس سلسلہ مین تحریک پاکستان کے اسباب، قیام پاکستان کے پہلے کے حالات اس کے بعد جو خونین واقعات پیش آئے، اور لیگ کے لیڈرون کی غلطیون سے جو نقصانات اٹھانا پڑے، اُن کی تفصیل ہے، اور پاکستان کی مخالفت کے خطرناک سیاسی واقتصادی نتائج پاکستانیون کے فرائض اُن کی ذمہ داریون اور پاکستان کے آیندہ نظام پر بحث کی ہے، اور قیام پاکستان کے جو نقصانات ظاہر کئے جاتے ہیں، اُن کی تردید کی ہے، اس کے علاوہ پاکستان کے ماضی و حال

اور مستقبل کے تمام اہم واقعات اور مسائل پر نگاہ ڈالی ہے، مصنف کہنہ مشق صاحب قلم ہیں، اس لئے ان خشک سیاسی مباحث میں بھی پوری ادبی شان قائم ہے، مصنف نے ایک مورخ کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کر دیا، اس پر نقد و تبصرہ آیندہ مورخین کا کام ہے لیکن اب ماضی سے زیادہ حال اور مستقبل پر غور کرنے کی ضرورت ہے، جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا، اب دونوں حکومتوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ گذشتہ تلخیوں کو فراموش کر کے اتحاد و اتفاق کے ساتھ اپنے اپنے ملکوں کی ترقی کی کوشش کریں کہ یہی ان کی فلاح کا صحیح راستہ ہے،

Persian Psalms (یعنی زبورِ عجم کا انگریزی ترجمہ) از آرتھر جے۔ آربری، استاذ عربی، کیمبرج یونیورسٹی، ضخامت ۱۲۷ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت :- عہ، پتہ :- محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

کیمبرج یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر ڈاکٹر آرتھر جے۔ آربری، ڈاکٹر اقبال کی شاعری کے بڑے قدر دانوں میں ہیں، زبورِ عجم کے انگریزی ترجمہ سے پہلے انھوں نے اقبال کی نظم لالۂ طور کا بھی انگریزی ترجمہ کیا ہے، زبورِ عجم میں ان کو بہت سی خوبیاں نظر آئیں چنانچہ لکھتے ہیں :-

"کہ زبورِ عجم کی غزلوں میں بڑی تازگی اور خوبصورتی ہے، ان کے اظہارِ بیان میں بڑی وسعت اور گہرائی ہے، پڑھنے والے ان میں خیالات و جذبات کی ایک نئی دنیا پاتے ہیں، وہ ان میں ایک ایسا عالم دیکھتے ہیں، جو امید اور بلند ہمتی سے لبریز ہے، وہ ان میں ایک ایسی دنیا محسوس کرتے ہیں، جس میں ایک بڑے مفکر نے اپنے خیالات پیش کر کے یہ بتایا ہے، کہ اس آلام و مصائب کے زمانہ میں ایک نئے زمانہ کی صبح نمودار ہونے والی ہے"؛

فاضل مترجم نے ان ہی تاثرات کی بنا پر زبورِ عجم کا انگریزی ترجمہ شروع کیا، یہ ترجمہ منظوم ہے، کسی نظم کا نظم میں ترجمہ کرنا بہت مشکل کام ہے، کیونکہ منظوم ترجموں میں ایک شاعر

کے معانی و مطالب تو بیان کئے جا سکتے ہیں، لیکن اس کی شاعری کے صوری اور لفظی محاسن زائل ہو جاتے ہیں، اس لئے عام طور سے اس قسم کی کوشش کامیاب نہیں ہوتی، تاہم فاضل مترجم کا بیان ہے کہ ترجمہ میں انھوں نے کافی احتیاط مدنظر رکھی ہے، اور ایک غیر زبان میں ترجمہ کی دقتوں کو سامنے رکھتے ہوئے حتی الوسع اقبال کے خیالات کی پوری ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے ڈاکٹر نکلسن نے اسرار خودی کا انگریزی میں ترجمہ کرکے اقبال کا فلسفۂ خودی اہلِ مغرب کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، امید ہے کہ زیرِ نظر کے اس انگریزی ترجمہ کے ذریعہ سے وہ اقبال کے دوسرے افکار و تصورات کے سمجھنے کی کوشش کریں گے، اور لائق مترجم کی یہ محنت مشکور ہوگی،

ارمغان آلام از جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر ترقیات صوبہ بہار تقطیع چھوٹی ضخامت: ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، پتہ: نظامی پریس بدایون،

فاضل مؤلف سیاسیات کے ساتھ علم و ادب کا بھی سنجیدہ اور ستھرا مذاق رکھتے ہیں، جس سے اصحابِ علم واقف ہیں، قلعہ احمد نگر کی اسیری کی تنہائی میں انھوں نے اردو فارسی اور کچھ عربی اور ہندی کے پسندیدہ اشعار کا انتخاب کیا تھا، اور نثر میں بھی اپنے بعض خیالات و تاثرات قلمبند کئے تھے، جس کو نظامی پریس بدایون نے بیاض کے طور پر شائع کر دیا ہے، اس کی تحریر کے وقت اس کی اشاعت کا کوئی خیال نہیں تھا، اس لئے اشعار میں کوئی ترتیب نہیں ہے، اشعار کی پسند کا تعلق انفرادی ذوق سے ہے، یہ ضروری نہیں ہے، کہ ایک شخص کا انتخاب دوسرے کے لئے بھی پسندیدہ ہو، لیکن مجموعی حیثیت سے اس انتخاب میں مصنف کا حسن مذاق نمایاں ہے، نثر کا حصہ اگرچہ برائے نام ہے تاہم اس سے بھی مصنف کے افکار و تصورات کا اندازہ ہوتا ہے،

(م)

جلد ۶۴ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۹ء عدد ۶

مضامین

مقالات

ادبیات

شذرات

افسوس ہے کہ گذشتہ مہینہ جماعت اہلحدیث کے مشہور و ممتاز عالم اور نامور مناظر مولانا محمد ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی نے ۷۰ سال کی عمر میں انتقال کیا، مرحوم کی ساری عمر دین و علوم دینیہ کی خدمت میں گذری، مدرسہ سعیدیہ بنارس میں چالیس سال تک حدیث نبوی کا درس دیا، جو اُن کی سب سے بڑی فضیلت ہے، درس و تدریس کے ساتھ وعظ و تبلیغ اور تالیف و تصنیف کا شغل بھی تھا لیکن اُن کی بیشتر تصانیف مناظرانہ ہیں، آریوں، عیسائیوں اور قادیانیوں سے بڑے معرکہ کے مناظرے کئے، احناف سے بھی اسکی نوبت آجاتی تھی ادھر چند برسوں کے اندران پر فالج کے کئی ہلکے حملے ہوئے جس سے اُن کی صحت بگڑ گئی تھی اس کے باوجود اُن کے علمی و تعلیمی مشاغل جاری تھے، کہ گذشتہ ۱۵ نومبر کو جمعہ کے دن پھر اچانک حملہ ہوا اور چند گھنٹوں کے اندر قال اللہ و قال الرسول کی یہ آواز ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی، مرحوم کے انتقال سے ہندوستان کے طبقۂ علماء میں ایک ممتاز جگہ خالی ہوگئی، اللّٰھم اغفرہ مغفرۃً واسعۃً،

دوسرا قومی حادثہ مدراس کے مشہور اور مخیر سیٹھ جمال محمد کی وفات ہے، مسلمانوں میں صاحب ثروت تاجروں کی کمی نہیں لیکن مرحوم کے اوصاف و خصوصیات کی مثال مشکل سے ملیگی، دولت دنیا کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دینداری کی دولت بھی عطا فرمائی تھی، اور ان کا دل ملک و ملت کی محبت سے بھی معمور تھا، انھوں نے بڑی دولت پیدا کی اور اسی فیاضی سے اس کو قوم و ملک کی راہ میں صرف کیا، ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی ایسی تحریک نہیں تھی جس میں اُن کی امداد شامل نہ رہی ہو، مذہبی اور تعلیمی کاموں سے خصوصیت کیساتھ بڑی

دلچسپی تھی، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند، مدرسۃ العلوم علی گڈھ مسلم یونیورسٹی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، جامعہ ملیہ اور اس قسم کے تمام دوسرے اداروں کے وہ معاون و مددگار تھے، شہر مدراس اور اس کے مضافات میں کئی عربی مدرسے اپنے صرف سے چلاتے تھے، مدراس میں انگریزی خوان مسلمان طالب علموں کے لئے ایک ہوسٹل بنوایا جس میں اُن کی مذہبی تعلیم و تربیت کا بھی انتظام تھا، سیکڑوں غریب طالب علموں کو وظائف دیتے تھے، حضرۃ الاستاذ مدظلہ کے خطبات مدراس، محمد مارماڈیوک پکتھال اور سر اقبال مرحوم کے انگریزی خطبات بھی مرحوم ہی کے جذبۂ دینی کی یادگار ہیں،

مرحوم کو سیاسی کاموں سے بھی دلچسپی تھی، تحریک خلافت میں اُن کا بڑا حصہ تھا، اس میں انھوں نے یکمشت ایک لاکھ کا عطیہ دیا تھا، ایک زمانہ تک کانگریس کے بھی سرگرم رکن رہے، لیکن پھر سیاست سے الگ ہو گئے تھے، اپنی زندگی میں انھوں نے لاکھوں روپیے دین و ملت کی راہ میں خرچ کئے، مدراس میں اُن کا دولتکدہ اہل حاجت کا ملجا و ماویٰ تھا، لیکن اس دولت و ثروت کے ساتھ خود اُن کی زندگی نہایت سادہ تھی ادھر چند برسوں سے ان کا کاروبار بگڑ گیا تھا، لیکن اس حالت میں بھی جو پہلے کے مقابلہ میں گویا غربت کی حالت تھی، اُن کی فیاضی میں فرق نہیں آیا، افسوس ہے کہ ۹ نومبر کو اس محسن قوم کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ اُن کے حسنات کے طفیل میں عالم آخرت کی تونگری عطا فرمائے،

حکومت افغانستان حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن پاک اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے حاشیہ موضح الفرقان کا فارسی ترجمہ مع متن قرآنی بڑے اہتمام سے شائع کر رہی ہے یہ ترجمہ و تفسیر تین جلدوں میں ہے، دس دس پاروں کی ایک جلد ہے، اس کی پہلی جلد کئی سال ہوئے شائع ہوئی تھی، اور دار المصنفین میں ہدیۃً آئی تھی، اب دوسری جلد موصول ہوئی ہے، غالباً تیسری جلد بھی جلد شائع ہو، اللہ تعالیٰ حکومت افغانستان کی اس دینی خدمت کو قبول فرمائے،

ہمارے رفیق سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے بزم صوفیہ کے نام سے ہندوستان کے قدیم صاحب تصنیف صوفیائے کرام کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، اردو میں صوفیہ کے تذکروں کی کمی نہین، لیکن وہ عموماً کشف وکرامات کے حالات پر مشتمل ہین، بزم صوفیہ تاریخی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہو، اور اس مین صوفیائے کرام کی مذہبی و علمی زندگی، اُن کے اخلاق وسیرت اور تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے، اس موضوع پر اردو مین اس نوعیت کی پہلی کتاب ہوگی، یہ کتاب قریب قریب چھپ کر تیار ہوگئی ہے، امید ہے کہ اس مہینہ کے آخر تک شائع ہو جائیگی،

اردو زبان کی موجودہ حالت کا اس کے حامیوں کو پورا احساس ہے، اور اُن کے دل مین اسکی بقا و ترقی کا جذبہ بھی ہے لیکن ابھی تک اس کے لئے کوئی عملی قدم نہین اٹھایا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اردو کے اصحاب علم و قلم کم از کم اس کی بقا و ترقی کے ذرائع پر اپنے خیالات پیش کرین تاکہ اردو کے عام ہمدردون کے سامنے بھی اس کے سب پہلو آجائین، اس کے لئے معارف کے صفحات حاضر ہین، اردو کے اصحاب فکر ادیبون کو خصوصیت کے ساتھ اس کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے،

گذشتہ مہینہ ارکان دارالمصنفین کی درخواست پر بزرگ محترم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدظلہ تشریف لائے تھے لیکن فرصت کی قلت کی بنا پر موصوف کا قیام مختصر رہا، تاہم اس مختصر قیام مین رفقا کے کامون کو ملاحظہ اور مفید علمی مشورون سے مستفید فرمایا، حضرت الاستاذ مدظلہ حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے، اور وہان عام معمول سے کچھ زیادہ قیام کا ارادہ تھا، اس لئے ابھی تک ان کی واپسی کی کوئی اطلاع نہین ہے لیکن یقین ہے کہ وسط ستمبر تک انشاءاللہ مراجعت ہو جائیگی،

مقالات

ہندوستان مین توپ کی تاریخ

از

مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی

"اس مضمون کا انگریزی ترجمہ اسلامک کلچر حیدرآباد مین شائع ہوچکا ہے مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے اصل اردو معارف مین شائع کیا جاتا ہے" "م"

ہندوستان مین توپ ہندوستان مین توپ کا استعمال کب سے شروع ہوا، اس کے متعلق کوئی صحیح تاریخ (سنہ) نہین بتائی جاسکتی، البتہ ضیا برنی نے محاصرۂ رنتھنبور ۶۹۹ھ کے موقع پر ایک جگہ تحریر کیا ہے:

روزے نصرت خان نزدیک حصار	ایک دن نصرت خان قلعہ کے پاس
رفتہ بود و در دستن پاشیب و برآوردن گرگج	گیا ہوا تھا، اور سرکوب اور دمدمہ بنانے
جدی کرد، واز درون حصار سنگ مغربی	کی فکر مین مشغول تھا، اور قلعہ سے سنگ
روان می داشتند، ناگاہ سنگے بر نصرت خان	مغربی برابر آرہے تھے کہ اچانک ایک
رسید واو بدان مجروح گشت[1]،	پتھر نصرت خان پر گرا جس کو وہ زخمی ہوگیا

آگے چل کر ایک دوسری جگہ اسی واقعہ کی نسبت تحریر کرتا ہے کہ جب محاصرہ مین زیادہ دن گذر گئے

---

[1] فیروز شاہی ص ۲۷۲ کلکتہ،

تو ریت بھرکر خندق کو پاٹنے کی کوشش کی گئی، اس حالت مین راجپوت اندرونِ قلعہ سے آگ اور پتھر برساتے تھے،

واز اطرافِ ممالک جیریان آوردند	اطرافِ ممالک سے بورے اور تھیلے طلب
وخریطہ با فندہ برلشکر قسمت نمودند وخریطہا	کرکے فوج مین تقسیم کئے، ان مین ریت بھرکر
را ریگ پر کردند، ودر غار می انداختند،	غار کو پاٹنے لگے، اوران پر سرکوب اور
وبہاٹ ہاے پاشیب می بستند، وگرگج بر	دمدمے تیار کئے گئے، اور سنگ مغربی
می آوردند وسنگ مغربی ہا نصب کردہ بودند	نصب کئے گئے، اور اسی سے دمدمون
وبسنگِ مغربی پاشیب را خراب می کردند	کو خراب کرتے تھے، اور قلعہ کے اوپر سے
واز بالا حصار آتش می ریختند،[۱]	آگ برساتے تھے،

سنگِ مغربی کی تحقیق اس سے بہت پہلے منجنیق اور آگ کا استعمال ہندوستان مین عام ہوچکا تھا، اسلئے یہ بات ضرور قابلِ غور ہے کہ یہ سنگ یا سنگِ مغربی کیا چیز ہے، فرشتہ نے اس کو منجنیق قرار دیا ہے لیکن اگر واقعی یہ منجنیق ہی تھی، تو ضیا برنی کو اس جدید لفظ کے استعمال کی کیا حاجت تھی، وہ منجنیق ہی استعمال کر سکتا تھا، جیسا کہ جا بجا استعمال کیا ہے، میرا خیال ہے کہ درحقیقت یہ توپ تھی، جو چھٹی صدی ہجری مین ایجاد ہوچکی تھی، اور ساتوین صدی کے آخر اور آٹھوین صدی کی ابتدا مین، اسپین، افریقہ، مصر اور عربون مین رائج تھی، چونکہ یہ جدید آلہ اسپین اور افریقہ سے دوسرے ملکون مین رواج پذیر ہوا، اوران ممالک کو عربی مین "ممالک مغرب" کہتے ہین، اس لئے اس کا نام سنگِ مغربی رکھا، جس کو عربی مین "مدفع" کہتے ہین،

محمد بن عمر مکی جو عرصہ تک عرب مین مقیم رہ چکا ہے، اپنی تاریخ مین جو ۶۹۹ھ کے محاصرہ جھاین کے متعلق ہے لکھتا ہے،

۱؎ فیروز شاہی ص ۲۶۲،

ورتب يوماً نصرت خان وداز	اور ایک دن نصرت خان نے لشکر کو مرتب
بالعسكر ووقف على المدافع المقابلة	کیا، اور لشکرگاہ (کیمپ) یا چھاؤنی کے
للبرج الذى يكون فيه هنبرديو	گرد گھوم کر اس توپ کے پاس کھڑا ہوا جو
وكان اذ ذاك محمد شاه الثانى	ہنبردیو کے برج کے سامنے تھا، اور اس وقت
جانب منه فلما رأى نصرت خان	اس میں محمد شاہ موجود تھا، اُس نے جب
عرفه فقال لهنبرديو ذاك الراكب	نصرت خان کو شناخت کیا، تو ہنبردیو سے
فلان فما لى منك ان اصبته	کہا کہ یہ فلان سوار ہے، اگر میں اس کو
	قتل کر دوں تو کیا انعام دوگے؟
قال قلادتى، هذه، واشار	اس نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے کہا کہ یہ
باصبعه اليها وكانت من ذهب	گلوبند جو قیمتی جڑاؤ سونے کا تھا، اس نے
مرصعة بجواهر مثمنة، فرماه	تاک کر ایک گولہ مارا جس سے اس کا خاتمہ
بالمدافع فاصابه، فتمايل عن	ہو گیا، جب وہ زین سے گر کر زمین پر
سرجه ولحق بالارض فضج اهل	آیا، تو اس کے گرنے کی خوشی میں برج
البرج استحساناً وفرحاً بسقوط	والے چیخ اٹھے، اور ایک شور برپا
الفارس؛[1]	ہو گیا،

یہی مصنف ایک دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

وجدّ فى ارتفاع المدافع الى	قلعہ کو فتح کرنے کے لئے توپ اور دمدمہ
فتح القلعة وكذلك الساباط فكانت	کو بلندی پر لیجانے کی کوشش کرنے لگے
المدافع تضرب وتخرب من الجانبين	غرض توپیں دونوں طرف سے چل رہی

---

[1] ظفر الوالہ ص ۰۰۰ مطبوعہ لیڈن۔

ویسلط اهل القلعة علی تخریب الساباط وحرقه والقاء الاعمال النارية،

تھیں، اور نقصان پہنچا رہی تھیں، اور قلعہ والے دمدمہ کو تباہ کرنے جلانے اور آگ برسانے میں زیادہ کامیاب ہو رہے تھے،

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ فرشتہ کی طرح مصنف نے بھی غلطی کی، اور سنگ مغربی کا ترجمہ بجائے منجنیق کے مدفع کر دیا، بلکہ مورخ ضیا برنی نے جہاں منجنیق استعمال کیا ہے مصنف نے بھی منجنیق ہی لکھا ہے، چنانچہ سلطان علاء الدین خلجی کے ابتدائی حالات میں لکھتا ہے،

خرج علاء الدین من کرة الی ان نزل بظاهر دهلی کان قطاراً المال یسایره امامه، والمنجنیق معه، فمن استقبله من الملوك والامراء الجلالیة امر باکیاس التنکة الذهب توضع فی المنجنیق ویرمی بها الیه[1]،

علاء الدین کڑہ سے چل کر دہلی کے سامنے مقیم ہوا، اور مال والوں کی صفیں اس کے آگے آگے رہتی تھیں، اس کے ساتھ منجنیق تھی، ملوک اور امراء میں سے جو اس سے ملنے آتا، تو اشرفیوں کی تھیلیاں منجنیق کے ذریعہ اس کی طرف پھینکی جاتیں،

مصنف عرصہ تک عرب میں رہ چکا تھا، اور سنگِ مغربی سے واقف تھا، اسی لئے اس نے صحیح ترجمہ مدفع کیا، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

امّا ضیاء برنی فروی انه رکب یوماً الی الحصار ودنا منه وبینما یجتهد فی رفع الساباط، اصحابه

ضیا برنی نے لکھا ہے کہ ایک دن وہ سوار ہو کر قلعہ کے پاس گیا، اور اس کے قریب دمدمے کو بلند کرنے کی کوشش

---

[1] ظفر الوالہ ص ۷۷۰

جرالمدفع ومات بعد یومین[1]،	کر دیا تھا کہ توپ کا ایک پتھر لگا اور دو دن کے بعد مر گیا،

اس تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مصنف نے ضیاء برنی کے "جنگ مغولی" کا ترجمہ مدفع تحقیقی علم کے ساتھ کیا ہے، مصنف کے بیان کی تائید طبقات بہادر شاہی سے بھی ہوتی ہے، اس کا مصنف بابر اور ہمایون کا ہم عصر ہے،

سلیمان اکت خان نے جب سلطان علاء الدین کو قتل کرکے تخت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور علاؤ الدین بچکر اپنے خیمہ کے پاس چلا آیا، اور اس کے لشکر والون نے اس کو دیکھ کر جس طرح خوشی منائی ہے اس کو مصنف مذکور اس طرح ادا کرتا ہے،

وکان فی العسکر من الفرح بجہ	چھاؤنی مین خوشی کی ایسی دھوم تھی کہ
ما کان یشبہ ضجۃ البعث النفیر	گویا حشر برپا ہے، کہین نفیری اور نقارہ
من جانب والنقارۃ من جانب	کی آواز، کہین انسانون اور ہاتھیون
والنداء من جانب والافیال	کی چیخ، کسی طرف بندوقون کی آواز[1]
من جانب وقرقعۃ البنادق من	کسی جانب توپون کی گرج تھی،
جانب ورعد المدافع من جانب[1]	

یہ توپ اس قدر وزنی تھی کہ اس کو ایک سو بیل کھینچتے تھے جس وقت چلتی تھی تو زمین ہل جاتی تھی، یہ تعداد مین چار تھین[2]

سلطان علاء الدین خلجی متوفی ۷۱۶ھ کے عہد مین جنوبی ہند	علاء الدین کے عہد مین دکن کی حالت

---

[1] ظفر الوالہ ص ۔۔۔ [1] طبقات بہادر شاہی بحوالہ ظفر الوالہ جلد ثانی صفحہ ۳۰۲، لیڈن

[2] ایلیٹ جلد ششم ضمیمہ ص ۴۶۶،

(دکن) کی چھ ریاستین مشہور تھین، تلنگانہ، مہاراشٹر، چولا، پانڈیا، چیرہ، ہوسیالا لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد پانڈیا خاندان معبر (مدراس) کی چولا سلطنت مین مدغم ہوگئی، اور مہاراشٹر کو جس کا پایہ تخت دیوگیر (دولت آباد) تھا، علاء الدین خلجی نے اپنے مقبوضات مین شامل کرلیا، باقی تمام ریاستین باجگذار ہوگئین،

قطب الدین خلجی متوفی ۷۲۰ھ کے عہد مین ان ریاستون نے بغاوت کی جس کے تدارک کے لئے خسروخان بھیجا، اوس نے معبر کو فتح کرلیا اور باقی ریاستین بدستور باجگذار رہین،

سلطان محمد تغلق متوفی ۷۵۲ھ کے زمانہ مین دولت آباد (مہاراشٹر) اور معبر (مدراس) کی دو اسلامی ریاستین پیدا ہوئین، جن کا پایہ تخت گلبرگہ اور مدورا تھا، باقی تین ریاستین رہ گئی تھین، ان مین سے چیرہ کے محاصل کا بڑا حصہ چونکہ مسلمان تاجرون کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا، اس لئے وہان کا راجا ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا تھا، یہ ریاست نواب حیدر علی تک قائم رہی، باقی دو ریاستین ایک تلنگانہ جس کا پایہ تخت ورنگل تھا، اور ہوسیالا خاندان کی جس کا پایہ تخت دھورسمندر تھا، کافی طاقتور تھین،

مسلمانون کے بار بار حملے سے دھورسمندر اپنی رونق کھو بیٹھا تھا، اس لئے یہان کا راجہ تنور چلا گیا،[۱] محمد تغلق کے عہد مین گرشاسپ کی بغاوت کے وقت راجہ کمپلہ کی ریاست جو ہوسیالا خاندان کے ماتحت تھی، اسلامی مقبوضات مین شامل ہوگئی تھی،

فرشتہ راوی ہے کہ ورنگل کی حکومت بھی بغاوت کی وجہ سے محمد تغلق نے فتح کرلی، اور اس کا راجہ کنّا (کرشنا) بن لدردیو بھاگ کر ہوسیالا خاندان کے راجہ بلال دیو کے پاس تنور پہنچا، اور اس سے امداد طلب کی، اور دونون کی راے سے یہ طے پایا، کہ بلال دیو، تنور کو چھوڑ کر اسلامی مقبوضات کی سرحد پر پایہ تخت بنائے، اور کرشنا کو مدد دیکر ورنگل پر قبضہ کرادے، چنانچہ اُس نے اپنے لڑکے "بیجن" کے نام پر "بیجن نگر" آباد کیا، جو آخر مین بیجانگر ہوگیا،

---

[۱] سفرنامہ ابن بطوطہ کا حاشیہ ص ۲۶۲ دہلی،

اس زمانہ مین محمد تغلق پے درپے بغاوتون کے باعث پریشان تھا، اس سے فائدہ اٹھا کر بلال دیو نے کرشنا کا ورنگل پر قبضہ کرا دیا، اس وقت دکن مین بہمنی سلطنت کی ابتدا ہو چکی تھی، اسی کے دوش بدوش بیجانگر نے جلد جلد ترقی شروع کر دی۔ اور آخر چند ہی دنون کے بعد دونون ہندوستان اور دہلی کی اسلامی یاسٹون کا خاتمہ کر دیا، اور یہان اطراف کے تمام علاقون پر قبضہ کرکے بڑا طاقتور راجہ بن گیا، بقول وجیانگر مین ہی ۱۳۲۳ء جس ورنگل فتح ہو تو ہری ہر اور بکا دو بھائی وہان سے بھاگ نکلے، اور کمپلہ مین اکر ملازم ہو گئے، اور فتح کمپلہ کے بعد جب یہان کی حکومت مسلمان نہ سنبھال سکے، تو ان دونون بھائیون کو دیدی، جو درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے وزارت تک پہنچ چکے تھے، ہری ہر جو راجہ ہو گیا تھا، اُس نے اپنے گرو ودیارنیا کے نام پر ایک شہر بسایا، جس کا نام ودیانگر رکھا، جو بیجانگر ہو گیا،

دکن مین بندوق | دکن کے متعلق اس قدر سمجھ لینے کے بعد اب یہ معلوم کرنا ہے کہ یہان توپ کب سے استعمال کی گئی، یون تو دکن مین بھی ہر قسم کے آلات حرب کا استعمال رائج تھا، چنانچہ محمد شاہ بہمنی نے جنگ تلنگانہ ۷۶۰ھ مین منجنیق استعمال کی تھی،[۱] مگر توپ کے متعلق کوئی صحیح تاریخ متعین نہیں بتائی جا سکتی، البتہ یہ صحیح ہے کہ دکن مین عرصہ سے یہ مستعمل تھی، اور یہان کے راجہ اس سے بخوبی واقف تھے، مسلمانون کو سب سے پہلے محمد شاہ بہمنی کے عہد مین اس سے سابقہ پڑا، کیونکہ اس زمانہ مین بندوق کا بھی عام رواج ہو چکا تھا، چنانچہ تلنگیون نے واپسی کے وقت محمد شاہ بہمنی کے لشکر کو اس سے سخت نقصان پہنچایا، یہان تک کہ خود محمد شاہ کے بازو پر بھی اس سے چوٹ آئی ہے،[۲]

بیجانگر مین توپ خانہ | توپ کا بھی استعمال دکن مین جاری تھا، اور طاقتور راجے اس کو کام مین لاتے تھے، ۷۶۷ھ کی جنگ بیجانگر مین راجہ میدان جنگ مین کوئی سو توپین لایا تھا، جو شکست کے بعد محمد شاہ بہمنی کے ہاتھ لگین، فرشتہ لکھتا ہے،[۳]

---

[۱] بحوالہ تاریخ معبر علی گڑھ [۲] فرشتہ ص ۲۸۸ [۳] فرشتہ ص ۲۸۷ لکھنؤ [۴] ایضاً ص ۲۸۶

بروایت تحفۃ السلاطین دو ہزار فیل وسی	تحفۃ السلاطین کی روایت کے مطابق
صد ارابہ توپ وضرب زن وہفت صد اسپ	دو ہزار ہاتھی، اور تین سو گاڑی توپ
ویک صد سنگھاسن مرصع واصل سرکار	سات سو گھوڑے ایک سو جڑاؤ پالکی شاہی
بادشاہی شدہ، باقی غنائم ہا امرا متصرف	ملکیت مین داخل ہوئی، باقی پر امراء
گردیدند،	قابض ہوئے،

سلاطین بہمنی کا توپ خانہ | اس کے بعد فرشتہ لکھتا ہے کہ محمد شاہ بہمنی نے اس کی طرف خاص توجہ کی، اور اس کے لئے ایک مخصوص محکمہ قائم کیا، اور ایک اعلیٰ افسر کا تقرر عمل مین لایا، جس کا نام مقرب خان تھا، جو سیستان کا رہنے والا تھا، اس کے الفاظ یہ ہین،

سلطان محمد شاہ (بہمنی) بصلاح خان محمد	سلطان محمد شاہ بہمنی بمشورہ خان محمد قلعہ
عمل کردہ پیرامون تسخیر قلعہ نگردید و	فتح کرنے کے پیچھے نہ پڑا، اور تمام ملک اور
فرامین مطاعہ بجمیع قلعہ و ممالک محروسہ	قلعون مین فرمان بھیج کر توپین طلب کین،
مرسول داشتہ توپ وضربزن بسیار طلب	اور آتش بازی (توپ سازی) کا کارخانہ
کردہ کارخانہ آتشبازی راکہ پیش ازان	(جو دکن کے مسلمانون مین اس وقت
دردکن میان مسلمانان شائع نہ بود محل اتحا	تک رائج نہ تھا) قائم کرکے اس کا علحدہ
ساختہ سرکار آنرا بمقرب خان ولد صفدر	ایک محکمہ بنایا، اور مقرب خان ولد صفدر
خان سیستانی کہ از امرائے معتمد بود رجوع	خان سیستانی کو جو معتمد امراء مین سے تھا
فرمود، وجمیع رومیان وفرنگیان[1] کہ ملازم	اس کا افسر بنایا، اور تمام رومی (ترکی)
آن موکب منصور بودند تابع مقرب خان شدہ	اور فرنگی (؟) کو جو اس لشکر مین نوکر تھے،

---

[1] فرنگی اس عہد مین ہندوستان نہین آئے تھے، غالبًا سہو مصنف یا کاتب ہے،

توپ خانہ بزرگ ترتیب یافت، اس کے ماتحت بنایا، اور اس طرح ان لوگوں کے ذریعہ ایک بڑا توپ خانہ تیار کرلیا،

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام صوبہ دکن (جنوبی ہند) میں اس سے قبل توپ کا رواج نہ تھا، غالباً اس سے فرشتہ کی مراد سلطنت بہمنی ہے، جو صرف چند سالوں سے قائم ہوئی تھی، ورنہ اس سے پہلے جنوبی ہند میں توپ رائج ہوچکی تھی، جیسا کہ خود فرشتہ نے لکھا ہے کہ راجہ بیجانگر نے تین سو توپیں میدانِ جنگ میں چھوڑیں، جو اس کا ثبوت ہے کہ جنوبی ہند میں اس کا عام رواج ہوچکا تھا، ورنہ ہندو ریاست بیجانگر میں اتنی توپیں کہاں سے آتیں، درحقیقت جنوبی ہند کے مسلمان اس کو عرصہ سے استعمال کررہے تھے،

یہ مسلمان زیادہ تر یمن، بصرہ، عراق، مصر اور ایران کے تھے، جیسا کہ تمام عرب سیاحوں نے اس کا بتفصیل ذکر کیا ہے،

جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی

جنوبی ہندوستان میں ہر جگہ مسلمان پھیلے ہوئے تھے، اور تقریباً تمام جنوبی ہندوستان میں ہندو راجاؤں کی حکومت تھی، لیکن مسلمان بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے، ان حکومتوں کے عرصۂ دراز تک شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کے مقابل قائم رہنے کا سبب بھی انہی مسلمانوں کا وجود تھا، جو ملازم کی حیثیت سے ان راجاؤں کے پاس رہتے تھے، ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی کے وسط میں ہندوستان کی سیر کی ہے، لکھتا ہے:-

"دو دن کے بعد ہم ہنور پہنچے، (جس کو آج کل ہنور کہتے ہیں، احاطۂ مدراس میں داخل ہے، بیجانگر کے ماتحت تھا)...... اس شہر میں بہت سے مسلمان ہیں، ان میں سب سے بڑا حسین سلطان ہے...... اس شہر کے راجہ کا نام ہریہر ہے، تیس جنگی جہاز اس کے پاس ہیں، لیکن سب کا افسر تولاؤ نامی مسلمان ہے، (ابن بطوطہ ج ۲ ص ۱۸۵ مطبوعہ مصر)

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے،

"شہر ہنور کے (یہ بیجانگر کے ماتحت تھا، اب اس کو ہونور کہتے ہین، اور علاقہ بمبئی مین شامل ہے) مسلمان باشندے شافعی مذہب ہین، وہ دیندار نیک، اور بحری طاقت کے لئے مشہور ہین، یہان ایک خانقاہ ہے جس کے منتظم شیخ محمد ناگوری ہین، فقیہ کا نام اسماعیل ہے، عہدۂ قضا پر مولانا نورالدین ہین، ایک عالم خطیب بھی مقرر ہین، شہر مین ۲۳ مدرسے لڑکون کے اور ۱۳ لڑکیون کے لئے ہین، لڑکیان اکثر حافظ قرآن ہوتی ہین، مالابار کے لوگ سلطان جمال الدین کو کچھ خراج بھی دیتے ہین، کیونکہ اُن کے پاس بحری طاقت بہت بڑی ہے، وہ چھ ہزار پیادہ اور سوار بھی رکھتا ہے، یہ بڑا نیک بخت ہے، اور ایک ہندو راجہ کا ماتحت ہے، جس کا نام ہریب" ہے[۱] (صحیح نام ہری ہر ہے جو بیجانگر کا راجہ تھا)

شہر منگلور کے حال مین لکھتا ہے :-

"اس شہر مین فارس اور یمن کے اکثر سوداگر آتے ہین، .... یہان کا راجہ مالابار مین سب سے بڑا حکمران ہے، اس کا نام "رامدیو" ہے، اس شہر مین چار ہزار مسلمان رہتے ہین، اُن کی آبادی شہر کے باہر ہے، کبھی کبھی شہر والون سے اُن کی لڑائی بھی ہو جاتی ہے، تو راجہ دونون مین صلح کرا دیتا ہے، شہر کا شافعی قاضی بدرالدین معبری نامی ہے، اس کا بیان ہے کہ فاکنور مین مسلمانون کی آبادی کم اور اُن کی قوت کچھ نہین ہے، لیکن اس شہر مین راجہ ہم سے خود خوف کھاتا ہے، اور اس لئے کسی یرغمال کی ضرورت نہین ہے[۲]

کالی کٹ بہت بڑا بندرگاہ ہے، یہان مین فارس بلکہ تمام دنیا کے جہاز آتے ہین، یہان

---

[۱] ابن بطوطہ جلد ۲ مطبوعہ مصر ص ۱۳۲ [۲] ایضاً ص ۱۳۷۔

کا راجہ ہندو ہے جس کا نام ساموری ہے، یہان کے پورٹ کمشنر کا نام ملک التجار ابراہیم ہے، شہر کا قاضی فخر الدین عثمان اور خانقاہ کا ناظم شیخ شہاب الدین گازرونی ہے، ناخدا مشقال تاجر اعظم اسی شہر مین رہتا ہے، جس کے جہازات ہندوستان چین یمن، فارس جاتے ہیں،[1] فتح گورا (سنداپور) کے موقع پر لکھتا ہے،

سلطان جمال الدین (والی ہنور ماتحت بیجا نگر) کے پاس ۵۲ جنگی جہاز تھے،...... شنبہ کے دن چل کر منگل کے دن ہم سنداپور پہنچے، اور کھاڑی مین داخل ہوئے، معلوم ہوا، کہ سنداپور کے باشندے لڑائی کے لئے تیار ہین، اور منجنیق لگائے ہوئے ہین، رات کو ہم ٹھہرے رہے صبح ہی جنگ شروع ہوگئی، اور دشمنون نے جہاز پر منجنیق سے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے ایک شخص جو بادشاہ کے قریب تھا، اس کو پتھر لگا،........ ہم تلوار پکڑ کر شہر مین داخل ہوئے، اکثر ہندو اپنے راجہ کے محل مین پناہ گزین ہوگئے، ہم نے ان پر آگ برسائی تو وہ نکل پڑے، ان سب کو گرفتار کر لیا گیا، جو دس ہزار کے قریب تھے[2]،

وصاف نے معبر کے (مدراس) حال مین لکھا ہے، کہ وہان کے راجہ کا نام سندر پانڈے ہے[1] وزیر کا تقی الدین عبد الرحمن ہے، ۱۲۹۳ء مین اس راجہ کی وفات ہوئی "مدورا اس کا پایہ تخت تھا، ۱۳۱۱ء مین جب کافور نے معبر (مدراس) کو مطیع کیا تو یہان کے راجہ کا نام "ویرا پانڈے" تھا،[3] ۱۳۱۶ء مین راجہ کے سرکشی پر ملک خسرو خان گجراتی نے سلطان قطب الدین خلجی کے عہد مین اس ملک کو ممالک اسلامیہ مین داخل کر لیا، ۱۳۳۵ء مین سید حسین کیتھلی نے یہان خود مختار حکومت قائم کی، جس کو راجہ بیجا نگر نے آہستہ آہستہ دبانا شروع کیا، تا آنکہ ۱۳۷۰ء مین اس کا بالکل خاتمہ کر دیا، بیجا نگر کے اس راجہ کا نام "ہری ہر دوم" تھا،[4]

لہ ابن بطوطہ ... حاشیہ ابن بطوطہ ص ۳۶۲ دہلی ... تاریخ معبر ص ۱۹ علی گڈھ،

معبر کے حال میں ابن بطوطہ لکھتا ہے،

"اس بادشاہ (غیاث الدین شاہ معبر) کے قرب وجوار میں ایک راجہ بلال دیو تھا، یہ عظیم الشان راجہ تھا، اس کا لشکر ایک لاکھ کے قریب تھا، ان میں سے بیس ہزار مسلمان تھے"[۵]

یہ بلال دیو دھور سمندر کا راجہ تھا جیسا کہ دوسری تاریخوں میں تحریر ہے،

مندرجہ بالا بیان سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ جنوبی ہندوستان کی ہندو ریاستوں میں مسلمان ملکی اور فوجی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، اور ان کے تعلقات ان تمام اسلامی ملکوں کے ساتھ قائم تھے، جہاں توپوں کا رواج عام طور پر ہو چکا تھا،

دکن میں توپوں کا رواج نہ صرف بیجانگر ہیں تھا، بلکہ دوسری ہندو ریاستوں نے بھی اسکی تقلید کی تھی چنانچہ چولا خاندان نے بھی اپنی فوج میں توپوں کو رائج کیا، یہ توپیں بڑی بھی ہوتی تھیں اور چھوٹی بھی، انہی میں سے ایک توپ آج کل تنجور (مدراس) کے قدیم قلعہ میں رکھی ہے، جس کا نام راج گوپال ہے، اس توپ کی لمبائی ۲۳ فٹ ۶ انچ اور قطر ۲ فٹ ۵ انچ ہے، اگرچہ اس کے ڈھلنے کی تاریخ معلوم نہیں ہے، لیکن قیاس ہے، کہ "جنگ تالی کوٹہ" کے بعد ڈھالی گئی ہے، اسی سے وہ عادل شاہی توپ لم چھڑی اور لنڈے قصاب اور نظام شاہی توپ ملک میدان کے لگ بھگ ہے،[۶]

آٹھوین صدی کے آخر اور نوین صدی کی ابتدا میں توپ خانہ اس قدر ترقی کر گیا، کہ مجاہد شاہ متوفی ۷۹۹ھ فیروز شاہ بہمنی متوفی ۸۲۵ھ اور ہندوستان کے دوسرے بادشاہوں کے فتوحات کا دار و مدار اسی پر ہو گیا تھا، اور اب توپ خانہ کا استعمال قلعہ شکنی کے کام کے علاوہ میدان جنگ میں

---

۵ ابن بطوطہ ص ۱۰۹۔ ۶ مصر ص ۳ رپورٹ محکمہ آثار قدیمہ ہند ۱۹۳۰ء (بحوالہ ہند ایکم نمبر ۱۹۳۸ء)

مختلف طریقوں سے ہونے لگا تھا،

توپوں کا قلعہ ۸۲۵ھ کی جنگ بیجا نگر میں احمد شاہ بہمنی نے جب دیکھا کہ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور شب کو لوٹ مار کا بازار زیادہ گرم ہو جاتا ہے، تو اُس نے توپ خانہ کا حصار قائم کیا، یعنی فوج کے چاروں طرف اس طرح سے توپیں نصب کیں کہ دشمن قریب نہ آسکے، یہ طریقہ غالباً ترکوں کی ایجاد ہے، اسی نے اس طریقۂ جنگ کو رومی طرز کہتے ہیں،

فرشتہ لکھتا ہے:-

وبنا برآن کہ قریب ۱۰ لک پیادہ و	قریب دس لاکھ پیادہ اور توپچی، اور
توپچی و کماندار در لشکر خصم بود، در ہر شب	کماندار دشمن کے لشکر میں موجود تھے جو
بطریق دزدان خرابی بسیار می کردند	چوروں کی طرح لشکر میں گھس کر نقصان
و اسپ و آدم می کشتند، ہر آئینہ سلطان	پہنچاتے، گھوڑوں اور آدمیوں کو مار ڈالتے،
احمد شاہ بطریق روم عرادہ ہاے آتش	سلطان احمد شاہ رومی طریقہ پر توپوں کو
خانہ کہ عدد آن قریب دو ہزار بود در	جن کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی، لشکر کے
لشکر کشیدہ مدت چہل روز بہ نشست[1]	ارد گرد قائم کرکے چالیس روز بیٹھا رہا،

کشمیر میں توپ ۸۲۶ھ میں کشمیر کے بادشاہ سلطان زین العابدین کے پاس جب (رجب) نامی ایک شخص نے جو اس فن کا بڑا ماہر شخص تھا، اس کو کشمیر میں بڑی ترقی دی، اور بارود بنانا اور توپ اور بندوق ڈھالنا کشمیریوں کو سکھایا، اس کی اس فیاضانہ تعلیم سے کشمیر میں اس فن کے بڑے بڑے ماہر پیدا ہوگئے، فرشتہ لکھتا ہے،

در عہد سلطان (زین العابدین) جب	سلطان زین العابدین کے زمانہ میں جب

---

[1] فرشتہ ص ۳۲۰ نولکشور، [2] کتاب مذکور ص ۳۴۴،

نام آتشبازے پیدا شد کہ چشم روزگار مثل	(رجب) نامی ایک ایسا آتش باز کشمیر
ازان ندیدہ بود، و در فن آتشبازی	میں آیا، کہ زمانہ میں اس کی مثال نہ تھی،
اختراعات کردہ کہ مردم حیران ماندند و در	اس نے ایسی ایسی ایجادیں کیں کہ لوگ
کشمیر تفنگ او پیدا کرد، و در حضور سلطان	متحیر ہو گئے، کشمیر میں بندوق اسی نے ایجاد
دارو ہا ساخت و ہنرہا نمود، و مردم را	کی، بادشاہ کے سامنے بارود سے مختلف قسم
تعلیم داد[1]	کے ہنر دکھائے اور پھر لوگوں کو اس کی تعلیم دی،

اس بادشاہ کے آخر عہد میں توپ خانہ اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ کشمیر اور تبت جیسے پہاڑی مقام کے اکثر قلعے اسی کے ذریعہ سے فتح ہوئے، اور سلطان کا بڑا لڑکا آدم خان اسی کے ذریعہ اپنی فتح کا ڈنکا بجاتا رہا۔ فرشتہ میں ہے،

و آدم خان پسر بزرگ سلطان از کشمیر بحکم	سلطان کا بڑا لڑکا آدم خان اپنے باپ
پدر برآمد، بجمعیت تمام از سوار و پیادہ	کے حکم سے سوار، پیادہ توپچی، اور تیرانداز
و توپچی و تیرانداز بہم رسانید، و ولایت	کا لشکر لیکر کشمیر سے نکلا، اور تبت کو آسانی
تبت را بآسانی فتح نمود، و غنائم بے شمار	کے ساتھ فتح کر ڈالا، اور بے شمار لوٹ
نزد شاہ آورد[2]	کا مال باپ کے پاس لایا،

گجرات میں توپ گجرات میں توپ کا استعمال ہو گیا تھا، اور سلطان احمد شاہ اول نے ۸۲۵ھ کی جنگ مالوہ میں اس کا استعمال کیا، اور غالباً اسی کی بدولت تمام گجرات کے راجاؤں اور ہمسایہ سلطنتوں پر اس کو تفوق حاصل تھا، فرشتہ احمد شاہ کے حال میں لکھتا ہے،

و از گجرات آلات قلعہ کشائی از منجنیق و	اور گجرات سے قلعہ فتح کرنے کا سامان

---

[1] فرشتہ ص ۳۴۳ نولکشور، [2] ایضاً ص ۳۴۴،

ارابہ وغیرہ طلب نمود،[۱]	مثلاً منجنیق، اور ارابہ وغیرہ طلب کیا،

یون تو ارابہ کے لغوی معنی "گاڑی" کے ہیں[۲] لیکن اصطلاح میں خاص اس گاڑی کو کہتے ہیں جس پر توپ رکھی جاتی تھی، ظفرالوالہ میں ہے،

والارابۃ عبارۃ عن آلۃ اکل ذات العجل	اور ارابہ سے مطلب ایسی ہی گاڑیاں
تسیر بہن حیوانین وعلیہا العمل بالہند،[۳]	ہیں جن کو دو جانور (بیل) کھینچتے ہیں،
	اور ہندوستان میں اسی پر عمل (توپ)[۴]

اس کی تائید گجرات کی ایک قلمی تاریخ سے بھی ہوتی ہے جس میں احمد شاہی افسرون کی ایک فہرست مع تنخواہ کے دی ہے، جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ اس عہد میں توپین اتنی وزنی تھین کہ اس کو ہاتھی کھینچتے تھے، چنانچہ کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ تنخواہ داروغہ توپ خانہ فیل دو ہزار تنکہ تھی،[۵]

مالوہ میں توپ مالوہ میں بھی توپ کا رواج ہو چکا تھا، اور قلعہ کشائی کے موقع پر اس کو استعمال میں لاتے تھے، سلطان محمود خلجی شاہ مالوہ کے حال میں فرشتہ نے لکھا ہے کہ محاصرہ منڈل گڑھ کے وقت توپون کے صدمہ سے حوض کا پانی خشک ہو گیا، چنانچہ ۸۶۲ھ کی جنگ کے متعلق لکھتا ہے، کہ

ودر اندک مدت حصار را بدستیاری	تھوڑی مدت میں قلعہ فتح کر لیا، لیکن
توفیق کشود ند، ، ، ما خلقے کثیر اسیر گشت و	بہت آدمی قید اور قتل ہوئے، راجپوت
بقتل رسید، وراجپوتان بقلعہ دیگر کہ	دوسرے قلعہ میں جو پہاڑ پر تھا چلے
بر کوہ بود، پناہ بردہ، باستحکام و تحصن	گئے، اور اس کو محفوظ اور مستحکم کر کے مغرور
آن مغرور گشتند، وچون آب حوضہائے	ہو بیٹھے، مگر جب توپ کی دھمک سے
بالائے قلعہ بواسطہ صدمات توپ فرو رفت	قلعہ کے تالاب کا پانی زمین کے اندر چلا گیا

[۱] فرشتہ ص ۲۰۱ جلد دوم [۲] لغات کشوری [۳] ظفرالوالہ ص ۳۳ [۴] دفتر اول یہ لفظ [۵] تاریخ گجرات قلمی موکہ بی بی فضل انشاء موضع ۵ ... مستقل ہم ہے،

و آب کہ در قلعہ اول بود بدست لشکر محمود	اور پہلے قلعہ کا پانی محمود کے قبضہ میں ہو گیا
افتاد و از بے آبی نالہ و فغان برداشتہ	تو پانی نہ ہونے کے باعث لوگ پیاسے ہونے
العطش گویان امان خواستند[1]	لگے، اور امان مانگنے پر مجبور ہو گئے،

محمود شاہی توپیں گجرات میں سلطان محمود بیگڑہ کا عہد انتظام مملکت اور ترقی کے لحاظ سے بڑا اہم یادگار خیال کیا جاتا ہے، اس زمانہ میں اس کا توپخانہ اتنا طاقتور اور اعلیٰ درجہ کا تھا کہ ہمسایہ سلطنتوں میں کوئی بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکتا تھا، اس کے پاس ہر قسم کی توپیں تھیں، محاصرہ کی توپ اور میدانی توپ کے علاوہ بحری بیڑے کے لئے بھی توپیں تیار کی گئی تھیں، مالابار کی بحری لڑائی میں اس کے استعمال سے نمایاں فتح حاصل کی، فرشتہ میں ہے،

و در ماہ رجب ۸۸۸ھ داعیہ نمود کہ جمعے را	رجب ۸۸۸ھ میں خیال تھا کہ کچھ فوج
درانجا گذاشتہ عازم تسخیر چاپانیر گردید،	اس جگہ چھوڑ کر چاپانیر کو فتح کرے کہ
ازان اثنا خبر رسید کہ ملیباریان کشتی بسیار	اس کو خبر ملی کہ مالاباری لوگ کچھ کشتیوں
گرد آوردہ می خواہند کہ متردوین دریا را	کے ذریعہ مسافروں کو تکلیف دینا چاہتے
آزار و مزاحمت رسانند، سلطان فسخ عزیمت	ہیں، سلطان نے ارادہ بدل دیا، اور
مذکور کردہ، در جہاز سوار شد و با چندین	جہاز پر سوار ہو گیا، اور چند جہازوں کو
جہاز آراستہ، و دیگر مشحون از مردان کار	جنگی آدمیوں، توپ، تیر و کمان وغیرہ
و توپ و تفنگ و تیر و کمان بسیار بدفع	سے بھر کر ان لوگوں کو نکالنے کے لئے
آن جماعت روانہ شد[2]	روانہ کیا،

گجرات کے مشہور ترین قلعہ چاپانیر کو جو اس عہد تک کسی سے فتح نہ ہو سکا تھا ۸۸۹ھ میں

---

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۲۵۱، [2] ایضاً ص ۲۰۱،

محمود بیگڑے کے توپ خانہ نے اس طرح نقصان پہنچایا کہ آخر مفتوح ہوگیا، فرشتہ لکھتا ہے،

اتفاقاً قبل از آن بچند روز از مغرب رویہ توپے بزرگ بر دیوار قلعہ بزرگ انداختہ بودند شگافے درآن پدید آمدہ بود درآن روز ملک ایاز سلطانی فرصت یافتہ باتفاق جمعے از سپاہیان خود بآن شگاف رسانید از آنجا بحصار بزرگ در آمد،[1]	اتفاقاً چند روز پہلے مغرب کی طرف ایک بڑی توپ سے قلعہ کی دیوار گرا دی تھی جس سے شگاف ہوگیا تھا، اس دن ملک ایاز سلطانی موقع دیکھ کر کچھ سپاہیون کے ساتھ اس شگاف سے بڑے قلعہ مین پہنچ گیا،

۹۱۳ھ مین سلطان کا بحری بیڑا زبردست ہوگیا تھا، کاٹھیاواڑ سے لے کر مالابار کی سرحد تک اس کے ذریعہ حفاظت ہوتی تھی، ملک ایاز اس زمانہ مین امیر البحر تھا، جب پرتگیزون نے ایک ساحلی مقام پر قلعہ تعمیر کرانا چاہا اور اسلامی ملکون کے جہازون کی آمد و رفت پرتگیزون کی لوٹ مار سے بند ہونے لگی، تو ایک طرف سے ترکی سلطان نے اپنا جنگی بیڑا پرتگیزون کو شکست دینے کے لئے روانہ کیا، اور دوسری طرف سے سلطان محمود نے ملک ایاز کو حکم دیا کہ وہ دیو بندر مین اور تھانہ وغیرہ کے بیڑے لے کر رومی (ترکی) جہازون کے ساتھ ملکر جنگ کرے، چنانچہ اس جنگ مین ترکی اور گجراتی توپ خانہ نے اپنی آتش فشانی سے متعدد جہاز غرق کرکے کامل فتح حاصل کی، فرشتہ نے لکھا ہے،

سلطان غلام خود ایاز را کہ امیر الامراء و سپہ سالار بود از بندر دیپ (دیو) با چند کشتی خاصہ مشحون از ابطال رجال و مملو از آلات قتال بدفع فرنگیان	سلطان نے اپنے غلام ایاز کو جو امیر الامراء اور سپہ سالار بھی تھا، دیو بندر سے چند کشتیون کے ساتھ جو جنگی سپاہیون اور جنگی آلات سے بھری تھین، فرنگیون

---

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۲۰۲،

(پرتگیز) نامزد فرمودہ، دہ جہاز بزرگ
رومی (ترکی) کہ از جانب خون کار روم
(سلطان ترک) بہ غزا آمدہ بودند با ایاز
ہمراہی کردہ، و ایاز تا بندر چیول رفتہ با
عیسویان (پرتگیز) بمقابلہ پیوست و یک
جہاز بزرگ فرنگان کہ یک کرور متاع
داشت و بزرگ ایشان (افسر) دران
بود بہ توپ مسلمان شکستہ در دریا غرق شد[1]

کو نکالنے کے لئے نامزد کیا، اور دس بڑے
جہاز جو سلطان روم کی طرف سے جہاد
کے لئے آئے ہوئے تھے، اس کے ساتھ
کر دیئے، اور ایاز نے بندر چیول پہنچ کر
پرتگیزون سے مقابلہ کیا، اور فرنگیون کا
ایک بڑا جہاز جس مین ایک کروڑ کا مال
تھا، اور ان کا افسر بھی اسی مین تھا مسلمانون
کی توپ کے گولون سے ٹوٹ کر دریا مین غرق ہوگیا،

سنہ ۹۲۴ھ مین سلطان مظفر حلیم بن سلطان محمود اول نے جب میدنی راے کے ظلم و ستم سے مسلمانون کو نجات دلانے کے لئے مالوہ پر حملہ کیا، تو قلعہ کے محاصرہ مین توپین موجود تھین، اس سے اس نے پورا کام لیا ہے، درحقیقت محمود بیگڑا کے ترتیب دیئے ہوئے اعلیٰ درجہ کے توپ خانہ ہی سے یہ مضبوط قلعہ فتح ہوا، ورنہ اس سے پہلے کسی گجراتی بادشاہ کا قدم وہان تک نہین پہنچا تھا،

محاصرہ کے متعلق اسی عہد کی کتاب مظفر شاہی مین ملا ملالی لکھتے ہین :-

و نفط اندازان بہ سنگ مغربی کوہ را
سرمہ دیدۂ جنگ آوران می ساختند
و شکوہ گولہ رعد آتش در دل کوہ
می انداختند،
چون چند کرت آتش باز سپہر غلولہ مہا

اور نفط اندازون نے سنگ مغربی
(توپون) سے پہاڑ کو سپاہیون کے لئے
سرمہ بنا دیا، اور توپ کے گولہ کا دبدبہ
پہاڑ کے دل مین بٹھایا،
جب متعدد دفعہ آسمان نے چاند کے

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۲۰۴،

از کارخانۂ مشرق بر عرصۂ مغرب روان
گردانید، از صدمہ گولہ صدمنی سنگِ مغربی
کوہ سنگی دل بر لرزہ درآمد و دیوار حصار
از زخم سنگِ دہن باز کرد و نالۂ شکستگان
آزاد نہاد، و سرہای برج چو دندان ہای
سین رخنہ رخنہ شد،[1]

گولہ کے مشرق کے کارخانہ سے مغرب کے
میدان مین بھیجا، تو سنگ دل پہاڑ
بھی صدمنی گولون کے صدمہ سے لرز
اٹھا، اور قلعہ کی دیوار نے منہ کھول کر
پتھر کے زخم سے اپنے ٹوٹنے کا شکوہ شروع
کیا، اور برجون کے سرسین (س) کے دندانہ
کی طرح سوراخ دار ہوگئے،

بہادر شاہی توپین | سلاطین گجرات مین بہادر شاہ گجراتی کو توسیع مملکت مین سب پر فوقیت حاصل تھی، بحر عرب (کاٹھیاواڑ، گجرات) سے لے کر اجمیر اور بیانہ تک اور سرحد سندھ سے دکن تک کا علاقہ اس کے زیر نگین تھا، اس کو توپ سے عشق تھا، اس نے طرح طرح کی توپین جمع کی تھین، خوش قسمتی سے اسکو فرنگی خان اور رومی خان دو ماہر فن بھی مل گئے تھے، رومی خان نے ایسی ایسی توپین ڈھالین کہ ہندوستان مین آج تک کسی نے نہین دیکھی تھین، مرآۃ سکندری مین ہے کہ رومی خان نے فتح چتوڑ مین ایسے ایسے کرتب دکھائے کہ لوگ دنگ رہ گئے، چنانچہ ایک جگہ ہے کہ

می گویند حکمت ہائے کہ رومی خان در
محاصرہ قلعہ چتوڑ می نمود کسے نہ دیدہ بود
و نشنیدہ، چہ در برآوردن توپہا بالائے
کوہ محاذی قلعہ، وچہ درکشیدن نقبہا
وچہ در برآوردن ساباط ہا کہ درانداک

لوگ کہتے ہین کہ قلعہ چتوڑ کے محاصرہ
مین رومی خان نے ایسے ایسے کرتب
دکھائے کہ آج تک نہ کسی نے دیکھے
نہ سنے تھے، چنانچہ توپون کو بلند پہاڑ پر
قلعہ کے مقابل بجا کر، اور نقب لگا کے

---

[1] مظفر شاہی قلمی مملوکہ بھولاناتھ لائبریری احمد آباد،

مدت کفار قلعہ عاجز آمدند[1]	اور دمدمون کو اس طرح تیار کرایا کہ تھوڑی ہی مدت میں قلعہ کے لوگ عاجز آگئے،

رومی خاں ترکمان خاندان سے تھا، اس کا اصلی نام مصطفیٰ خان ہے، جو کسی غلامون کی طرف سے مصر مین تھا، وہان سے یمن آیا، پھر عدن مین رہا۔ کچھ دنون کے بعد ۹۳۷ھ مین بندر دیو (کاٹھیاواڑ) پہنچا، یہان بہادر شاہ گجراتی نے اس کی بڑی قدر دانی کی، اور رومی خان کا خطاب دے کر افسر توپ خانہ بنایا،[2]

رومی خان اپنے ساتھ ایک بہت بڑی توپ لایا تھا، اس کا نام عام طور پر لوگون نے بعد کو مصری توپ رکھا، اس کے متعلق مراۃ سکندری مین ہے،

سلطان بخطہ دیو تشریف برد واز دیو توپ	سلطان دیو پہنچا اور چتوڑ فتح کرنے کی
کلان مصری کہ رومی خان آوردہ بود آن	نیت سے وہ مصری بڑی توپ جو رومی
توپ را بجانب محمدآباد فرستاد مع صد	خان لایا تھا، دیو سے محمدآباد مع دوسری
توپ دیگر، بہ نیت فتح چتوڑ می گویند	سو توپون کے بھجوایا، کہتے ہین کہ علاوہ
کہ ورا گاوان بسیار کہ بآن می بستند صد	بہت سے بیلون کے جو اس مین جوتے
نفر کہار آن را می کشیدند تا از جا می جنبید[3]	گئے تھے، تین سو کہار اس کو کھینچتے تھے تاکہ
	اپنی جگہ سے جنبش کرے،

اس توپ کا اصلی نام "لیلیٰ" تھا، سلمان ترکمان نے اس کو مصر مین سلطان سلیمان ترکی کے نام سے تیار کرایا، جب کامران کے قریب سلمان شہید ہو گیا، تو امیر مصطفیٰ توپ خانہ اور جہاز لے کر بندر دیو چلا آیا، اور بہادر شاہ کے حکم سے ایک دوسری توپ اس کے مقابل کی تیار کرائی، جس کا نام "مجنون" رکھا،

[1] مراۃ سکندری ص ۲۴۴ بمبئی طبع دوم [2] ظفر الوالہ ص ۲۱۰، جلد اول لیڈن [3] مراۃ سکندری صفحہ ۲۴۴،

ظفرالوالہ میں ہے:-

وکان من ھدایتہ لہ مدفع صنعہ	اور اس کے تحفون میں سے سلطان کے لئے
سلمان باسو سلیمان صاحب	ایک توپ تھی جس کو سلمان نے سلطان
الروم سماہ لیلی، فنصب مدفعًا	روم سلیمان کے نام سے ڈھال کر اس
باسم بہادر سماہ مجنون وکان	کا نام لیلی رکھا تھا، اس نے ایک دوسری
کمجنون ولیلیٰ یضرب بھما	توپ بہادر شاہ کے نام سے تیار کی
المثل،[1]	جس کا نام مجنون رکھا، اور دونون
	مثل مجنون اور لیلی کے تھے،

یہ مصری توپ عہد اکبری مین چانپانیر مین تھی، یہان سے سورت بندر پہنچی، اور آج کل جوناگڈھ کے قلعہ مین مسجد کے سامنے رکھی ہے، کتابون مین گراس کو سلیمانی توپ کہتے ہین، مگر کرانال کے نام سے عوام مین مشہور ہے، یہ توپ ۱۳ فٹ سات بالشت لمبی ہے، اور تقریبًا ۲ فٹ کا دہانہ ہے، اس کا گولہ پتھر کا تھا، جو کئی من وزن کا ہوتا تھا، جب مین پہلی مرتبہ جوناگڈھ ۱۹۲۶ء مین گیا تھا، تو عجائب خانہ کے دروازے پر اس کا گولہ بطور نمونہ کے پڑا تھا، آج کل یہ توپ بیکار کردی گئی ہے، اس کے ڈھالنے والے کا نام "محمد بن حمزہ" ہے، ہندو عوام اس کی پرستش کرتے تھے، چنانچہ مین نے جب اس کو دیکھا تو اس وقت بھی سیندور لگا تھا،

اس توپ پر مندرجہ ذیل عبارت منقوش ہے،

امر بعمل ھذہ المکحلۃ فی	یہ توپ خدا کی راہ مین (کام کرنے کے لئے)
سبیل اللہ تعالیٰ سلطان العرب	بحکم عرب اور عجم کے بادشاہ سلطان سلیمان خان

[1] ظفرالوالہ دفتر اول ص ۲۲۰،

والمعجم سلطان سلیمان خان	ابن سلیم خان (خدا اس کی مدد کو غالب کرے)
محمد بن سلیم خان عز نصرہٗ	خدا اور دین کے دشمن ہند میں داخل ہونے
لقھر اعداء اللہ والدین الکفار	والے ملعون پرتگالیون کو شکست دینے
الداخلین ببلاد الھند پرتغال	کے لئے مصر میں ڈھالی گئی، ۹۳۷ھ
اللعین فی محروسۃ مصر سنۃ ۹۳۷ھ	بنانے والا محمد بن حمزہ،

عملہ محمد بن حمزہ

ایک دوسری توپ اسی عہد کی مگر اس سے چھوٹی قلعہ کی فصیل پر اُس جگہ رکھی ہے، جہان پانی کے حوض بنائے گئے ہیں، اس کا بنانے والا بھی محمد بن حمزہ ہے، اس کا گولہ ایک من کا ہوتا تھا، جیسا کہ اس کے اوپر کندہ ہے،

لیلیٰ کا حال توآپ نے معلوم کرلیا، مجنون کی سرگذشت بھی سُن لیجئے، مجنون کا دوسرا نام توپ بہادر شاہی ہے، یہ توپ چانپانیر (گجرات) مین رکھی ہوئی تھی، جب بہادر شاہ گجراتی ہمایون سے شکست کھاکر جزیرہ دیو مین پناہ گزین ہوا اور ہمایون چانپانیر پہنچا، تو قلعہ والون نے تمام توپین اندر کرلین، اس توپ کو وسط کوہ تک لے کر پہنچے تھے کہ ہمایون نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، اہلِ قلعہ نے توپ کو کیل مار کر بے کار کردیا، ہمایون اس کو دیکھ کر مایوس ہوگیا، لیکن جب رومی خان نے (جو سلطان بہادر شاہ سے غداری کرکے ہمایون سے مل گیا تھا) اسکو دیکھا تو کہا مین اس کا علاج کردون گا، اور اس کی مرمت کرکے درست کردیا، لیکن پہلے کے بہ نسبت قد میں چھوٹی ہوگئی، بارود بھی کم لینے لگی، مگر اس پر بھی اس کا جو حال تھا، اس کا اندازہ مرآۃ سکندری کے بیان سے ہو سکتا ہے،

اما آن قدر کہ ہم ماندہ بود آفت وبلائے خدا — لیکن جو کچھ بھی باقی رہ گئی تھی، وہ

بود، می گویند کہ چون رومی خان مجرا کرد بضرب اوّل دروازہ اوّل را بر انداخت، و بضرب دوم درخت عظیم قریب دروازہ بود آن را از بیخ و بُن بر انداخت درمیان اہلِ قلعہ از مشاہدہ این حال زلزلہ افتاد[1]

آفت اور بلائے آسمانی تھی، کہتے ہیں کہ جب رومی خان نے اس کو چھوڑا تو پہلے ہی گولہ سے آگے کے دروازہ کو گرا دیا، اور دوسرے گولہ سے ایک عظیم الشان درخت جو دروازے کے قریب تھا، جڑ سے گر گیا، اس کو دیکھ کر قلعہ والوں پر لرزہ طاری ہو گیا،

یہ حال دیکھ کر اختیار خان وزیر بہت پریشان ہوا، لیکن رومی خان کے حریف فرنگ خان نے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں اس توپ کو ابھی بیکار کئے دیتا ہوں، اختیار خان نے کہا کہ اگر تم نے بے کار کر دیا تو میں تم کو نہال کر دوں گا، چنانچہ فرنگ خان نے اس پر تاک کر ایسا گولہ مارا کہ یہ بہادر شاہی توپ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، مرآۃ سکندری میں ہے،

اختیار خان گفت اگر تو توانی ترا نہال خواہم کرد، او بجرأت اوّل چنان زد بر دہن دیگ کہ پارہ پارہ گشت اہلِ قلعہ خوش شدند، اختیار خان چیزے کم بہ او داد، اما راجہ نرسنگھ دیو، ہفت من طلا با و انعام نمود[2]

اختیار خان نے کہا کہ اگر تم سے یہ ہو سکے تو تم کو نہال کر دوں گا، اس نے نشانہ لگا کر اس کے دہانہ پر ایسا مارا کہ پہلے ہی گولہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، قلعہ والوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی، اختیار خان نے اس کو کچھ کم دیا، لیکن راجہ نرسنگھ دیو نے سات من سونا

---

[1] مرآۃ سکندری ص ۲۰۱ بمبئی [2] ایضاً

۹۴۳ھ میں بہادر شاہ کو معلوم ہوا کہ پرتگیز دیو پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، اس وقت وہ مالوہ میں تھا، چنانچہ یلغار کرتا ہوا، جزیرہ دیو میں پہنچا، پرتگیز اس کی آمد کو سُن کر اس بدحواسی سے بھاگے کہ اپنی سب سے بڑی توپ چھوڑ گئے، اور یہ توپ بہادر شاہ کے ہاتھ لگی، جس کو اس نے چانپانیر بھجوا دیا، اس کے متعلق فرشتہ کا بیان ہے،

چو قریب بہ بندر دیو رسید فرنگیان فرار	جب بندر دیو کے قریب پہنچا تو فرنگی بھاگ
نمودند و توپ بزرگ ایشان کہ بہ	گئے، اور اپنی ایک بہت بڑی توپ
کلانی آن توپ در دیار ہندوستان	جس کے مقابل میں ہندوستان میں کوئی
نبود بدست آمد، شاہ او را با جر ثقیل	توپ نہ تھی، چھوڑ گئے، بادشاہ نے اس کو
بمحمد آباد چانپانیر فرستاد[1]	آلہ جر ثقیل کے ذریعہ محمد آباد چانپانیر بھجوا دیا،

اس کا نام توپ فرنگ رکھا گیا،

یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ بہادر شاہ گجراتی جس کے پاس بہتر سے بہتر توپ خانہ تھا آخر اسی کی بدولت اس کا زوال ہوا، فتح چتوڑ کے بعد جب ہمایوں نے بہادر شاہ پر حملہ کیا ہے تو رومی خان کے مشورہ سے توپوں کا قلعہ بنا کر بہادر شاہ مع تمام لشکر کے بیچ میں ہو گیا، ہمایوں نے یہ تدبیر کی کہ اس کا محاصرہ کر کے خاموش بیٹھ رہا۔ اور رسد کی آمد و رفت بند کر دی جس سے لشکر میں ایسا قحط پڑ گیا، کہ آخر سلطان بہادر کو بھاگ جانا پڑا، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت سلطان کے پاس کتنی بڑی تعداد میں توپیں موجود تھیں،

اس وقت تک توپ سے قلعہ اور میدان میں کام لیا جاتا تھا، لیکن مجرموں کو سزا دینے کیلئے کبھی استعمال نہیں کی گئی تھی، جب سلطان سکندر گجراتی قتل کر دیا گیا، اور سلطان بہادر شاہ تخت نشین

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۲۲۲، نولکشور،

اور قاتل پکڑ کر اس کے سامنے لائے گئے، تو اُس نے قاتل عماد الملک خوش قدم کو توپ سے اڑانے کا حکم دیا ہے، گجرات میں یہ پہلا واقعہ ہے،

ظفرالوالہ میں ہے:۔

و فی اثناء ذلک جئی بعماد الملک	اس درمیان میں عماد الملک حاضر کیا
وامر بہ فی فوالمدفع ففعل	گیا، حکم ہوا کر توپ کے منہ پر رکھ کر اس
بہ مایفعل بالعطب قوس	کو اڑا دو، جب توپ چھٹی، تو وہ ایسا
النداف[۱]	تھا، جیسے نداف روئی دھنک دیتا ہو

[۱] ظفرالوالہ دفتر اول ص ۲۰۰ الیڈن،

(باقی)

مقدمہ رقعات عالمگیر

اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فنِ انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشار کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشار، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کیگئی ہو، قیمت :۔ صر

رقعات عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اس نے کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب سیاست اور تاریخ کے بیسیوں حقایق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت للعہ ضخامت ۴۰۰ صفحے،

"منیجر"

عربی نظم و نثر کی مختصر تاریخ

دورِ جاہلیت

مولانا عبدالسلام ندوی

یہ بتانا سخت مشکل ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عربی شاعری کی ابتدا کب سے ہوئی؟ کیونکہ قدرتی طور پر ہر چیز ابتدا میں ناقص ہوتی ہے، پھر رفتہ رفتہ ترقی کرکے درجۂ کمال کو پہنچتی ہے لیکن زمانۂ جاہلیت کے جو اشعار ہم تک پہنچے ہیں، وہ صورۃً اور معنیً ہر حیثیت سے مکمل ہیں، نہ ان کے وزن میں کوئی خرابی ہے، اور نہ اُن کے معنی میں کوئی نقص ہے، نہ طریقۂ ادا میں کوئی ناہمواری ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان اشعار سے پہلے شعرا کا ایسا کلام ضرور موجود رہا ہوگا جس میں اس قسم کے تمام نقائص موجود رہے ہوں گے، پھر رفتہ رفتہ ترقی کرکے اس نے موجودہ قصائد اور معلقات کی شکل اختیار کی ہوگی، عرب کے قدیم ترین شعرا کے کلام سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُن سے پہلے بھی چند شعرا موجود تھے، جن کا کلام ہم تک نہیں پہنچا، مثلاً امرؤالقیس جو عربی زبان کا پُرانا شاعر ہے کہتا ہے:-

عوجا علی الطلل المحیل لعلنا تبکی الدیار کما بکی ابن خذام

"کھنڈروں پر ٹھہر جاؤ کہ ہم اُن اجڑے ہوئے گھروں پر ابن خذام کی طرح روئیں"

لیکن ابن خذام کا کوئی شعر ہم تک نہین پہنچا ہے،

عنترہ کہتا ہے :۔

هل غادر الشعراء من متردم

کیا شعراء نے کوئی مضمون چھوڑ دیا ہے

لیکن ان شعراء کے کلام سے ہم ناواقف ہین،

عربی زبان کے قدیم ترین اشعار جو ہم تک پہنچے ہین، وہ جنگ بسوس کے زمانہ مین یا اوس سے کچھ پہلے کے گئے ہین، یعنی ہجرت سے ایک سوتیس سال پہلے کے اشعار کا ہم کو علم ہے، لیکن اس زمانہ سے پہلے جو شعراء گذرے ہین، اُن کے کلام کا کوئی علم نہین تاہم اس زمانہ کے شعراء جو کچھ کہتے تھے، اُن کی تعداد چند اشعار سے زیادہ نہین ہوتی تھی، اس کے بعد دوسرے شعراء نے ترقی کی، اور قصائد کہنے لگے، اور مورخین کے بیان کے مطابق سب سے پہلے امرؤ القیس کے ماموں مہلہل بن ربیعہ اور خود امرء القیس نے پانچوین صدی عیسوی کے اخیر مین طویل قصائد لکھے، بہرحال عربی شاعری کی ابتداء رجز سے ہوئی، جس کی بحر نہایت آسان تھی، اس کے بعد شعراء نے دوسری بحرون مین اشعار کہے، اور زمانۂ جاہلیت مین نہایت کثرت سے شعراء پیدا ہوئے اور تقریبًا ہر قبیلہ مین شعراء کی ایک خاص تعداد موجود تھی، لیکن سب کے سب نے عام شہرت حاصل نہین کی، بلکہ جن شعراء نے حاصل کی وہ سب کے سب شمال یعنی حجاز اور اس کے طبقات کے باشندے تھے، ان مین بعض تو یمنی تھے، جو شمال مین آکر آباد ہوگئے تھے، مثلاً امرؤ القیس، افوہ الاودی اور حاتم طائی یمنی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن انھون نے شمال مین آکر شہرت حاصل کی، اور اور بعض عدنانی قبائل سے تعلق رکھتے تھے، مثلاً مہلہل، مرقش اکبر، مرقش اصغر، طرفہ، حارث بن حلزہ، متلمس اور اعشی قبیلہ ربیعہ کے شاعر تھے اور بعض کا تعلق قبیلہ مضر سے تھا،

جن قبائل مین مشہور شعراء پیدا ہوئے، وہ صرف دو ہین،

۱۔ قیس:۔ نابغہ ذبیانی، زہیر بن ابی سلمیٰ، کعب، لبید اور حطیہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے،

۲۔ تمیم:۔ اوس بن حجر اسی قبیلہ سے تھا،

مورخین ادب کا بیان ہے کہ سب سے پہلے شاعری قبیلہ ربیعہ سے شروع ہوئی، پھر قبیلہ قیس مین منتقل ہوگئی اس کے بعد قبیلہ تمیم مین جاکر پختگی حاصل کی،

اہل عرب کی زندگی پر شاعری کا اثر

عرب مین شاعر ہر قبیلہ کے لئے ایک ضروری شخص تھا، جو اس کے فضائل کا اعلان کرتا تھا، اپنے اشعار کے ذریعہ سے اس کے دشمنون کی چالون کو ناکامیاب بناتا تھا، لڑائیون مین اس کو جوش دلاتا تھا، اور صلح مین اس کو سوجھ بوجھ کی باتین سکھاتا تھا، اس لئے ہمارے زمانہ مین مختلف پارٹیون کے اخبارات کا جو درجہ ہے، وہی زمانۂ جاہلیت مین ہر قبیلہ کے شاعر کا تھا، بالخصوص جنگ کے زمانہ مین وہ ایک فوجی باجہ تھا، جو لڑنے اور مرنے کا جوش دلون مین پیدا کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنے شاعر پر فخر کرتا تھا، ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین لکھا ہے، کہ

"جب عرب کے کسی قبیلہ مین کوئی اچھا شاعر پیدا ہوتا تھا، تو تمام قبائل آآ کر اس کو مبارکباد دیتے تھے، دعوتین ہوتی تھین، عورتین شادی بیاہ کی تقریبات کی طرح جمع ہو کر گاتی بجاتی تھین، مرد اور بچے سب کے سب خوشیان مناتے تھے"

شاعر کی مدح وذم کا یہ اثر تھا کہ وہ اپنی مدح کے ذریعہ پست درجہ اشخاص کو بلند اور ہجو کے ذریعہ بلند رتبہ اشخاص کو پست کر دیتا تھا، یہی وجہ ہے کہ لوگ شعراء کی بڑی عزت کرتے تھے تاکہ اُن کی ہجو سے بچ جائین، یا ان کی مدح سے متمتع ہون،

اس کے علاوہ زمانۂ جاہلیت کے شعراء ذہنی اور عقلی حیثیت سے بھی ممتاز ہوتے تھے، اور انھون نے زندگی کے بہت سے مسائل کو اور لوگون سے بہتر طریقہ پر سمجھا، اور اُن کو شاعرانہ قالب مین ڈھالا، بہت سے مسائل ایسے تھے جن کو اہلِ عرب سمجھتے تھے، لیکن ان کو بہترین طریقہ پر بیان نہین کر سکتے تھے، لیکن شعراء نے اون کے جذبات اور محسوسات کو عمدگی کے ساتھ بیان کیا، غیر متمدن قومون مین شعراء کی حیثیت وہی ہوتی ہے، جو متمدن قومون مین علماء و حکماء کی ہوتی ہے، اور زمانۂ جاہلیت کے شعراء نے عرب مین یہی حیثیت حاصل کر لی تھی،

زمانۂ جاہلیت کے انواع شاعری اہلِ یورپ نے شعر کی چار قسمین کی ہین،

۱- رزمیہ جس مین صرف جنگی اور فوجی واقعات بیان کئے جاتے ہین،

۲- تاریخی جس مین قومی مفاخر قصے کی صورت مین بیان کئے جاتے ہین، مثلاً ہومر کی ایلیڈ اور فردوسی کا شاہ نامہ،

۳- غنائی جس مین ایک شاعر صرف اپنے جذبات کو ظاہر کرتا ہے، مثلاً غزل اور فخریہ،

۴- تمثیلی یعنی ڈرامہ جس مین چند اشخاص کسی واقعہ کو مجسم شکل مین نمایان کرتے ہین،

ان اقسام مین زمانۂ جاہلیت کے شعراء نے طویل رزمیہ نظمین نہین لکھین، اگرچہ زمانۂ جاہلیت مین اس کثرت سے لڑائیان ہوئین کہ اگر اُن کے واقعات نظم کئے جاتے، تو طویل رزمیہ داستانین تیار ہو جاتین، لیکن ابھی تک اہلِ عرب کے تخیل مین اس قدر وسعت پیدا نہین ہوئی تھی کہ وہ ان طویل واقعات کو شاعرانہ قالب مین ڈھال سکتے، اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ رزمیہ شاعری ایک قسم کی ادبی تاریخ ہوتی ہے، یعنی تاریخی واقعات کو شاعرانہ قالب مین ڈھالنا پڑتا ہے، لیکن تاریخی واقعات کی نظم و ترتیب کے لئے تمدنی ترقی کی ضرورت ہے، اور اہلِ عرب نے اس قدر تمدنی ترقی نہین کی تھی، با اینہمہ چھوٹے چھوٹے سادہ قصے عربی شعراء نے نظم کئے ہین

شلاً عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ کے معلقات مین اس قسم کے قصے موجود ہین،

یہ بات بھی تعجب انگیز ہے کہ دورِ جاہلیت کی شاعری مذہبی اثرات سے بالکل خالی ہے، عرب ایک بت پرست قوم تھی، اور وہان سیکڑوں بُت پوجے جاتے تھے، لیکن اُن کی شاعری مین کہین ان بتون کا نام اور اُن کی پرستش کے طریقون کا ذکر نہین آتا، کبھی کبھی وہ لات و عزیٰ کی قسم تو کھا لیتے ہین، لیکن عام طور پر اُن کی شاعری مذہبی تاثرات و جذبات سے خالی ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت کے شعراء ہر زمانہ کے شعراء کی طرح آزاد خیال اور مذہبی جذبات سے خالی ہوتے تھے، اس کا دوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمانہ اسلام کے راویانِ اشعار نے اس قسم کے اشعار کی روایت کو مذہب کے خلاف سمجھ کر چھانٹ دیا، بہرحال دورِ جاہلیت کی شاعری تاریخی واقعات اور مذہبی اثرات سے خالی ہے، عام طور پر اُن کی شاعری غنائی ہے اور اس صنف کے تحت مین غزل، فخریہ، مرثیہ، مدح و ذم اور وصف داخل ہین، اور دورِ جاہلیت کی عربی شاعری کا تمام تر سرمایہ یہی ہے، بقیہ انواع جستہ جستہ اُن کے کلام مین پائے جاتے ہین، لیکن ان اصناف مین بھی ہجو کا عنصر عربی شاعری کا جزو غالب ہے، کیونکہ قبائلِ عرب مین متصل لڑائیون کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اور جاہلی شعرا تلوار کی زبان کا جواب اپنی شاعرانہ زبان سے دیا کرتے تھے، اسی سلسلہ مین اگر ایک طرف وہ اپنے دشمنون کے معائب کو کھول کھول کر بیان کرتے تھے، تو دوسری طرف اپنی قوم کے محاسن کو خوب چمکاتے تھے، اس لئے ہجو کے بعد فخریہ ان کی شاعری کا دوسرا نمایان عنصر تھا،

یہی حال غزل کا بھی تھا کہ وہ قصائد کی تشبیب مین عورتون کے حسن و جمال اور اپنے عشق و محبت کے واقعات کا ذکر کرتے تھے، البتہ اس صنف مین شعراء کی حالت مختلف تھی، امرؤ القیس کے مضامین مین عریانی اور فحاشی پائی جاتی تھی، اس کے بخلاف عنترہ اور زہیر کے عاشقانہ

خیالات، نہایت متین، سنجیدہ اور پاکیزہ ہوتے تھے، لیکن یہ عجیب بات ہو کہ شعرائے جاہلیت کے کلام مین شراب و کباب کا ذکر بہت کم آتا ہے، اور جہان آتا ہے اس کا تعلق ایرانی شاعری کی طرح بزم عیش کی رنگینیون سے نہین ہوتا، بلکہ اس پردے مین وہ اپنی فیاضی پر فخر کرتے ہین،

وہ حکیمانہ اور اخلاقی شاعری بھی کرتے تھے، اور شنفری اور زہیر نے اس صنف مین امتیازی حیثیت پیدا کی ہے،

اپنے گرد و پیش کے مناظر کی تصویر بھی جس کو شاعرانہ اصطلاح مین وصف کہتے ہین، وہ نہایت خوبی کے ساتھ کھینچتے تھے، مثلاً امرؤ القیس نے رات، لبید، اور طرفہ نے اونٹنی کی رفتار، شنفری نے بھوکے بھیڑیون، نابغہ نے نہر فرات، عنترہ نے تیزرون کے چلنے کی حالت اور کیفیت کا منظر نہایت خوبی کے ساتھ دکھایا ہے، اور اس صنف میں انھون نے نہایت عمدہ تشبیہات پیدا کی ہین، جو بالکل خیالی نہین ہین،

لفظی اور معنوی حیثیت سے دورِ جاہلیت کی شاعری کی خصوصیات

دورِ جاہلیت کی شاعری اہلِ عرب کی اجتماعی زندگی کا نہایت صحیح مرقع تھی، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ شاعری عرب کا دفتر تھی، جس مین اُن کی لڑائی، تاریخ، اخلاق و عادات، عقل و ذہانت کے رجسٹر مرتب کرکے رکھے جاتے تھے، اور دورِ جاہلیت کا ہر شاعر ان رجسٹرون مین وہی واقعات درج کرتا تھا، جن کو وہ آنکھون سے دیکھتا تھا، اور دل سے محسوس کرتا تھا، اور ان واقعات کو وہ انھی الفاظ مین بیان کرتا تھا، جو نہایت صحت کے ساتھ ان پر دلالت کرتے تھے، یہ وہ خصوصیت ہے جس مین دورِ جاہلیت کے شعراء کا کلام بعد کی عربی شاعری سے علانیہ ممتاز نظر آتا ہے، کیونکہ جاہلی شعراء کا کلام ایجاد تھا، تقلید نہ تھا، لیکن بعد کے عربی شعراء نے صرف اُن کی تقلید کی، اس لئے ان کی شاعری اُن کی زندگی کی اصلی تصویر نہ تھی،

شعراے جاہلیت کے کلام کی ایک اور خصوصیت بے تکلفی اور سادگی ہے، اور یہ اُن کی سادہ بدویانہ زندگی کا لازمی نتیجہ ہے، اس بنا پر اُن کے اشعار غلو اور مبالغہ سے خالی ہوتے ہیں، اُن کے الفاظ مین بھی یہی سادگی ہوتی ہے، اس لئے ان کے کلام مین لفظی صناعیاں بہت کم پائی جاتی ہین،

اگر ہم مرثیہ کو مستثنیٰ کرین تو ان کے قصائد کا ایک ہی انداز ہوتا ہے، پہلے وہ کسی عورت کے ساتھ تشبیب کرتے ہین، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک جگہ سے سفر کرتے ہین، راہ مین معشوق کے کھنڈر پر گذر ہوتا ہے، تو وہان ٹھہر کر گریہ وزاری کرتے ہین، اور اسی سلسلے مین اس کے حسن و جمال اور اپنے عشق و محبت کا ذکر بھی کرتے ہین پھر اپنے گھوڑے یا اونٹنی کی تیز رفتاری کا تذکرہ کرتے ہین، اور اُن کو اُن جنگلی جانورون سے تشبیہ دیتے ہین جن سے وہ واقف ہوتے ہین، جو چیزین راستہ مین اُن کی نظر سے گذرتی ہین، اُن کا ذکر بھی کرتے ہین، اس کے بعد اصل مطلب پر آتے ہین، لیکن اُن کی تشبیب اور گریز مین کوئی ربط و علاقہ نہین ہوتا، قصیدے کا خاتمہ بھی اسی بے تکلفی سے کرتے ہین، کبھی کبھی قصیدے کے آخر مین چند حکیمانہ شعر بھی کہہ جاتے ہین،

ان تمام خصوصیات کی واضح ترین مثال وہ قصائد ہین، جو "معلقات" کے نام سے مشہور ہین، ان مین سب سے بڑے قصیدہ کے اشعار کی تعداد ایک سو پانچ شعر اور سب سے چھوٹے قصیدہ کے اشعار کی تعداد ۶۴ ہے،

اس موقع پر دو باتون کا ذکر نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے،

۱- ایک یہ کہ شعراے جاہلیت کا کلام خلافت عباسیہ کے پہلے دور مین قید تحریر مین آیا، اس دور سے پہلے اس کی روایت زبانی طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ زمانہ جاہلیت مین ہر شاعر کے اشعار کا ایک خاص راوی ہوتا تھا، جو اس کے اشعار کو یاد کرتا اور اس کی روایت کرتا تھا، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جو شخص راوی ہوتا تھا، وہ خود بھی شاعر ہوتا تھا، مثلاً امرؤ القیس، ابی

دواد الایادی، زہیر اوس بن حجر تمیمی اور حطیئہ عبسی زہیر مزنی کے راوی تھے، اور خود بھی بہت بڑے شاعر تھے، لیکن چونکہ شعر کہنے کے ساتھ ہی اشعار جاہلیت قید تحریر مین نہین لائے جاتے تھے اس لئے شعرائے جاہلیت کے بعض اشعار مشکوک سمجھے جاتے ہین اور بہت سے اشعار کی روایت مختلف الفاظ مین کی جاتی ہے،

۲- دوسرے یہ کہ زمانۂ جاہلیت کے تمام اشعار ہم تک عدنانی زبان مین پہنچے ہین یمنی زبان کا کوئی شعر ہم تک نہین پہنچا ہے، حالانکہ یمنی زبان عدنانی زبان سے بہت سی باتون مین مختلف تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جزیرۂ عرب کا شمالی حصہ دورِ جاہلیت کی شاعری کا مرکزی مقام تھا، اور اسلام سے بہت پہلے ایسے مؤثرات پیدا ہوگئے تھے جنھون نے عرب کی زبانون مین اتحاد پیدا کر دیا تھا، اور قریش کی زبان کو ان سب پر فضیلت حاصل ہوگئی تھی،

۱- ان مین پہلا موثر تو یہ تھا کہ بہت سے یمنی قبائل قبیلۂ مضر کے وطن یعنی شمال مین ہجرت کرکے آگئے تھے، اور انھی کی زبان بولنے لگے تھے، خانۂ کعبہ کی زیارت کے لئے قریش کے وطن مکہ مین جو مختلف قبائل آتے رہتے تھے، وہ بھی قریش کی زبان سے متاثر ہوتے رہتے تھے،

۲- دوسرا موثر یہ تھا کہ عرب کے مختلف بازارون اور میلون مین عرب کے قبائل جمع ہوکر اپنے اشعار اور اپنے خطبات پیش کرتے تھے، اور ان مین سب سے اہم عکاظ کا بازار تھا جو مکہ کے قریب تھا،

۳- تیسرا سبب یہ تھا کہ قرآن قریش ہی کی زبان مین نازل ہوا تھا، اس لئے راویون نے اس زبان کے علاوہ دوسری زبانون کے اشعار کی روایت ہی نہین کی، کیونکہ ان زبانون کے اشعار سند مین پیش نہین کئے جا سکتے تھے، اور حمیری زبان مضر کی زبان کے مقابل مین ایک عجمی زبان سمجھی جاتی تھی، بااین ہمہ یمنی شعراء کے اشعار حمیری الفاظ سے بالکل خالی نہین ہین، مثلاً امرؤالقیس جو یمنی قبائل سے تعلق

رکھتا ہے کہتا ہے:۔

"و ان شفائی عبرۃ مھراقۃ"

اس شعر میں "اہراق" کا فعل یمنی زبان کا لفظ ہے، اس کے برخلاف مضری زبان کا لفظ "اراق" ہے،

معلقات شعرائے جاہلیت کے قصائد میں چند طویل قصیدون کا نام "معلقات" ہے، جس کے معنی لٹکائے جانے کے ہین اور اُن کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اہل عرب نے قدیم شاعری کے سات قصیدون کا انتخاب کیا، اور اُن کو عمدہ ریشمی کپڑون مین سنہرے حروف سے لکھ کر خانۂ کعبہ کے پردون مین آویزان کیا، اسی بنا پر ان قصیدون کو معلقات کی طرح مذہبات بھی کہا جاتا ہے، یعنی وہ قصیدے جو سنہرے حروف مین لکھکر خانۂ کعبہ کے پردون مین لٹکائے گئے، ابن عبد ربہ نے اپنی کتاب عقد الفرید مین، ابن رشیق نے اپنی کتاب العمدہ مین اور ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین اسی روایت کی تائید کی ہے، اور یہ تینون مصنف مغرب یعنی اندلس کے رہنے والے ہین لیکن بہت سے علمار نے اس روایت کا انکار کیا ہے، اور ان کا خیال ہے کہ عباسی دور مین حماد راویہ المتوفی ۱۵۶ھ نے جب دیکھا کہ لوگون مین شاعری کا ذوق کم ہو رہا ہے، تو اس نے ان قصائد کو جمع کیا، اور ان کا نام "مشہورات" رکھا، بہرحال ان علمار کے نزدیک یہ روایت صحیح نہین ہے کہ یہ قصائد خانۂ کعبہ کے پردون مین آویزان کئے گئے، اس مسئلہ مین دور جدید کے محققین مین بھی باہم اختلاف ہے، اور سب نے مختلف دلائل سے اپنے اپنے نظر کی تائید کی ہے،

ان قصائد اور ان قصائد کے کہنے والے شعرار کی تعداد مین بھی اختلاف ہے، بعض کے نزدیک اُن کی تعداد آٹھ اور بعض کے نزدیک دس ہے، لیکن اُن کی مشہور تعداد سات ہے، اور جن شعرار نے یہ قصائد کہے ہین، ان کے نام یہ ہین، امرار القیس، زہیر، طرفہ، لبید، عنترہ، عمرو بن کلثوم، حارث بن حلزہ،

۱-امرؤ القیس | امرؤ القیس شاہی خاندان کا آدمی تھا اور رندانہ زندگی بسر کرتا تھا، اس لئے اسکی شاعری اس کی زندگی کا صحیح مرقع ہے، جس میں سیر و شکار، شراب و کباب اور معشوقوں کے اختلاط اور میل جول کا ذکر اکثر آتا ہے، لیکن وہ عاشقانہ مضامین کو اس قدر عریانی اور بیباکی کے ساتھ بیان کرتا ہے، جو فحاشی کی حد تک پہنچ جاتی ہے، بایں ہمہ تمام مورخینِ ادب کے نزدیک سب سے پہلے اس نے عربی شاعری میں نئے نئے مضامین پیدا کئے، اور اس میں نئے نئے اصناف کا اضافہ کیا، سب سے پہلے اس نے غزل کی ابتدا کی، اور مناظر قدرت پر طویل نظمیں لکھیں، اور نئی نئی تشبیہیں پیدا کیں، اس کے مجموعۂ اشعار میں سب سے زیادہ شہرت اس کے معلقہ کو حاصل ہے، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اس کو اپنے ایام شباب میں کہا ہے اور اس میں اپنی چچا زاد بہن عنیزہ کے ساتھ اپنے عشق و محبت کا واقعہ بیان کیا ہے، اس میں سب سے پہلے اس نے معشوق کے کھنڈر پر گریہ وزاری کی ہے، پھر عاشقانہ خیالات کا سلسلہ شروع کیا ہے، اور دوستوں کے ساتھ اپنی رندانہ صحبتوں بالخصوص دارۃ جلجل کے دن کا ذکر نہایت عریان الفاظ میں کیا ہے، اس کے بعد بہت سے قدرتی مناظر دکھائے ہیں، اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے رات کی درازی کی تصویر کھینچی ہے، پھر ایک ویران میدان کا نقشہ کھینچا ہے، اس کے بعد اپنے گھوڑے کے ڈیل ڈول اور اس کی تیز رفتاری کا منظر دکھایا ہے، پھر نیل گاؤ کے شکار کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد بجلی کے چمکنے اور پانی کے برسنے کی کیفیت دکھائی ہے، اور ان سب کا خاتمہ اس پر کیا ہے کہ چڑیوں نے جب بارش اور بارش کی پیدا کی ہوئی تر و تازگی دیکھی ہے تو چہچہانے لگی ہیں،

اس کے دیوان میں اور بھی بہت سے بڑے بڑے قصیدے ہیں، جن کا امتیازی وصف منظر نگاری ہے، بالخصوص وہ گھوڑے، اور سیر و شکار کا منظر نہایت خوبی کے ساتھ دکھاتا ہے، اسی طرح وہ نئی نئی تشبیہات کا ڈھیر بھی لگا دیتا ہے، مثلاً عورتوں کو ہرن، اور انڈے سے، اور گھوڑے کو عقاب اور

عصا سے سب سے پہلے اُسی نے تشبیہ دی ہے، اور اس کے بہت کم اشعار تشبیہ سے خالی ہوتے ہین، اُس نے شام اور یمن کے جو بہت سے سفر کئے ہین، انھون نے بھی اُس کے خیالات مین وسعت پیدا کی ہے، اور نئے نئے الفاظ کے استعمال کا موقع دیا ہے، چنانچہ اُس نے اپنے محبوب کے جلوؤن کو راہب کے چراغ اور اس کے سینے کو سجنجل سے تشبیہ دی ہے، اور یہ سجنجل رومی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی آئینہ کے ہین،

امر ؤ القیس نے بہت سے اشعار ایسے لکھے ہین، جو عربی زبان مین ضرب المثل ہوگئے ہین،

۲- طرفہ | طرفہ قبیلہ ربیعہ کا شاعر ہے اور وہ اپنی قوم کے ساتھ بحرین مین رہتا تھا، و مختلف شہرون کی سیاحت کرکے رندانہ زندگی بسر کرتا تھا، اس طرح جب اُس نے شراب و کباب مین اپنا سارا مال ضائع کردیا تو پھر اپنے اعزہ و اقربا کے پاس واپس آیا، اور اس کے بھائی نے اس کی مالی امداد کی، لیکن اس مال کو بھی اُس نے اُڑا دیا، اس کے بعد اس نے عمرو بن ہند کے دربار کا قصد کیا، جو ۵۵۴ء مین تخت نشین ہوا تھا، اور شعراء کا بڑا قدردان تھا، عمرو بن ہند نے اس کا خیر مقدم کیا، اور اپنے بھائی قابوس کا مصاحب بنا دیا، جو رندانہ زندگی بسر کرتا تھا، اور سیر و شکار کا بڑا شوقین تھا، طرفہ بھی اس کی رنگین صحبتون مین شریک ہوتا تھا، اور اُس کے ساتھ سیر و شکار کو بھی جاتا تھا، لیکن وہ بذات خود ایک آزاد شخص تھا، اور مصاحبت کی ذلیل زندگی کو ناپسند کرتا تھا، اس لئے اُس نے عمرو بن ہند اور اس کے بھائی قابوس کی ہجو لکھی، جس کے پاداش مین عمرو بن ہند نے اُس کو حیلہ سے قتل کرا دیا،

اس نوجوان شاعر کا جس نے ۲۶ سال کی عمر مین وفات پائی ہے سب سے بڑا شاعرانہ کارنامہ اس کا یہی طویل معلقہ ہے، جس کے اشعار کی تعداد ۱۰۵ ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے عمرو بن ہند کے دربار مین پہنچنے سے پہلے اس معلقہ کو لکھا ہے جب کہ وہ اپنا تمام مال رندی اور اوباشی مین تلف کرچکا ہے، اور اپنی قوم مین خالی ہاتھ واپس آیا ہے، اس کے معلقہ کا موضوع خود اس کے ذاتی حالات اور زندگی کے متعلق اس کا خاص زاویۂ نگاہ ہے، اُس نے اس مین کسی کی مدح نہین کی ہے، اور تغزل کے جو

اشعار اوس نے لکھے ہین، وہ صرف رسمی ہین، خود اس کے معلقہ کا اصلی موضوع نہین ہے، اس کے اشعار سے علانیہ اس کے وطن اور اس کے ماحول پر روشنی پڑتی ہے، کیونکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہین کہ وہ بحرین یعنی خلیج فارس کا باشندہ تھا، جہان کشتی رانی کا منظر ہمیشہ اس کی آنکھون کے سامنے رہتا تھا، اسی لئے اُس نے اپنے معشوقہ خولہ کی سواری کو کشتی سے اور اونٹ کی رفتار کو کشتی کے چلنے سے تشبیہ دی ہے، اوس نے اپنی معشوقہ کی اونٹنی کے وصف کو بھی نہایت طول دیکر لکھا ہے اور اس کے متعلق ۲۰ شعر لکھے ہین، جس مین نئی نئی تشبیہین پیدا کی ہین، مثلاً اس کی ہڈیون کو تابوت کے تختے سے اُس کے دُم کے بال کو گدھ کے سفیدی مائل پرون سے، اس کی رانون کو شاندار محل کے پھاٹک سے، اس کے قد و قامت کی بلندی کو رومی پل سے اور اس کی گردن کو کشتی کے پتوار سے تشبیہ دی ہے، اس کے بعد اس نے قصیدہ کے اصل مقصد کی طرف گریز کی ہے یعنی اپنی ذات پر فخر کیا ہے، اور اپنے اوصاف گنائے ہین، اور یہ دکھایا ہے کہ اوس نے زندگی کو کس نگاہ سے دیکھا ہے، اس کے ذاتی اوصاف یہ ہین کہ وہ بڑا بہادر، بڑا فیاض، صاحب رائے اور بڑا عالی نسب ہے، اس نے اپنی رندی و ہوسناکی کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ وہ اس مین اس قدر منہمک ہوا کہ اس کو اسکی قوم نے برادری سے خارج کر دیا، پھر ان لوگون پر خود لعنت ملامت کرتا ہے کہ جب زندگی چار دن کی چاندنی ہے، تو اس کو لطف و مسرت کے ساتھ کیون نہ گذارا جائے، گویا وہ پہلا عربی شاعر ہے جس نے سب سے پہلے خواجہ حافظ اور خیام کے فلسفۂ زندگی کی بنیاد قائم کی، سب سے اخیر مین اس نے حکیمانہ اشعار پر اس قصیدہ کو ختم کیا ہے، بہرحال یہ قصیدہ عرب کے بہترین قصائد مین اسلئے شمار کیا جاتا ہے کہ وہ چند جدید مضامین پر مشتمل ہے، جو الفاظ کی سلاست اور معانی کی وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہین، اور قبیلۂ ربیعہ کی تمام شاعری کا یہ امتیازی وصف ہے، اس قصیدہ کا ایک خاص امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ وہ عرب کے ایک خاص طبقہ یعنی لذت پرست لوگون کی

اجتماعی زندگی کا نہایت عمدہ خاکہ قائم کرتا ہو، جو شراب و کباب پر اپنی دولت کو قربان کر دیتا ہو اور چند روزہ زندگی کو ہیچ سمجھتا ہے، اس کے برعکس عرب مین ایک طبقہ اور بھی تھا جس کی زندگی کی شرح و تفسیر جیسا کہ آگے آئے گا زہیر کرتا ہے،

۳۔ عمرو بن کلثوم | قبیلۂ تغلب سے تعلق رکھتا ہے، جو جزیرہ اور جزیرہ کے اطراف مین رہتا تھا اور عرب کا معزز ترین قبیلہ شمار کیا جاتا تھا، اس کا باپ اپنی قوم کا سردار تھا، اور اسکی ماں عرب کے مشہور شاعر مہلہل کی بیٹی تھی، قبیلۂ تغلب اور قبیلۂ بکر مین ہمیشہ جنگ رہا کرتی تھی، اور جنگ بسوس جو عرب کی مشہور لڑائیون مین ہے، انہی دونون قبیلون مین ہوئی تھی لیکن حیرہ کے بادشاہ منذر نے ان دونون قبائل مین مصالحت کرادی، اور جب اس کا بیٹا عمرو بن ہند اس کی جگہ حیرہ کا بادشاہ ہوا، تو اس نے بھی اپنے باپ کی تقلید کی، سوء اتفاق سے ایک موقع پر پھر دونون قبیلون مین جنگ کی صورت پیدا ہوگئی جس مین قبیلۂ تغلب کے بہت سے لوگ کام آئے، قبیلۂ تغلب نے قبیلۂ بکر سے اُن کی دیت طلب کی، اور عمرو بن ہند کے سامنے اس معاملہ کو فیصلہ کے لئے پیش کیا، اور دونون قبیلون نے اس موقع پر باہم مفاخرت کی، اس وقت قبیلۂ تغلب کا سردار عمرو بن کلثوم اور قبیلۂ بکر کا شاعر حارث بن حلزہ تھا، اسی موقع پر عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ نے اپنے اپنے معلقہ کا ایک حصہ کہا جس مین دونون نے اپنے اپنے قبیلے کے مفاخر بیان کئے،

ایک روایت یہ ہو کہ حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند نے ایک بار اپنے ہمنشینون سے کہا کہ "کیا تمھارے علم مین عرب کا کوئی شخص ایسا بھی ہے، جس کی ماں میری ماں کی خدمت گذاری کو اپنے لئے عار سمجھے،" اُن سب نے کہا کہ "صرف عمرو بن کلثوم کی ماں لیلی ایک ایسی عورت ہے، کیونکہ اس کا باپ مہلہل اور اس کا چچا کلیب وائل عرب مین سب سے زیادہ معزز سمجھے جاتے ہین، اور اس کا شوہر کلثوم بن عتاب عرب کا سب سے بڑا شہسوار اور اس کا بیٹا عمرو بن کلثوم اپنے قبیلے

کا سردار ہے" یہ سُن کر عمرو بن ہند نے عمرو بن کلثوم سے ملاقات کی خواہش کی، اور ساتھ ساتھ یہ پیغام بھی دیا کہ اس کی ماں بھی اس کی ماں سے ملاقات کرے، اور عمرو بن ہند نے اس کی خواہش پوری کردی، عمرو بن ہند نے پہلے ہی سے اپنی ماں کو سمجھا دیا تھا کہ وہ خادمون کو اپنے پاس سے ہٹا دے اور جب لیلی آئے، تو اس سے خدمت گذاری کا کام لے، اس بنا پر عمرو بن ہند کی ماں نے لیلی سے کہا کہ مجھے یہ طشت اٹھا کر دیدو، لیلی نے کہا کہ صاحبِ حاجت کو اپنی حاجت خود پوری کرنی چاہئے، اس نے پھر بھی خواہش کی، اب لیلی بے اختیار پکار اٹھی کہ "ہائے قبیلۂ تغلب کی ذلت" عمرو بن کلثوم نے اپنی ماں کی یہ آواز سُنی تو غصہ سے تلملا اٹھا، اور خود عمرو بن ہند کی تلوار سے جو سامنے لٹک رہی تھی، عمرو بن ہند کا کام تمام کردیا، اور اُس نے اپنے معلقہ کے ایک حصہ مین اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے، اگرچہ عمرو بن کلثوم نے بڑی عمر پائی، لیکن اس معلقہ کے سوا اس کے بہت کم اشعار ہم تک پہونچے ہین، اس معلقہ کی ابتدا مین اس نے اپنی شراب خواری کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد چند شعر غزل کے کہے ہین، پھر قصیدہ کے اصل موضوع کی طرف رجوع کیا ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کے دو حصے ہین، اور دونون مختلف اوقات مین کہے گئے ہین، پہلا حصہ اوس وقت کہا گیا ہے، جب اس کی قوم کا معاملہ فیصلہ کے لئے عمرو بن ہند کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اور اس موقع پر قبیلہ بکر و تغلب مین مفاخرت ہوئی ہے، اور اس نے اپنی ذات، اپنی قوم اور اپنی قوم کے جنگی کارنامون پر فخر کیا ہے،

اس معلقہ کا امتیازی وصف سلاست، زور بیان اور اپنے اور اپنی قوم پر انتہائی تفاخر ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار ایک قوم کے سردار کے دل و زبان سے نکلے ہین،

قبیلۂ تغلب پر اس معلقہ کا نہایت گہرا اثر پڑا، اور انھون نے اس کو اپنا قومی ترانہ بنالیا،

۴- حارث بن حلزہ | حارث بن حلزہ قبیلہ بکر کا سردار تھا، اور جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی بیان

کیا ہی، قبیلہ بکر و تغلب مین باہم سخت دشمنی تھی، جس نے لڑائیون کا ایک طویل سلسلہ قائم کر دیا تھا، جس کے انسداد کے لئے لوگون نے مصالحت آمیز کوششین کین، لیکن یہ مصالحت بہت دنون تک قائم نہ رہ سکی،

ہم نے عمرو بن کلثوم کے تذکرے مین بیان کیا ہے کہ عمرو بن کلثوم قبیلہ تغلب کا سردار اور شاعر اور حارث بن حلزہ قبیلہ بکر کا شاعر تھا، اس لئے جب دونون قبیلون کا معاملہ تصفیہ کے لئے عمرو بن ہند کے سامنے پیش ہوا، تو اس موقع پر عمرو بن کلثوم نے اپنے فخریہ معلقہ کا ایک حصہ کہا، اور اس کے جواب مین حارث بن حلزہ نے اپنی قوم کے فخر آمیز کارنامے بیان کئے، اور عمرو ابن کلثوم کے قول کی تردید کی، اور عمرو بن ہند کے سامنے اپنا معلقہ پڑھ کر سنایا،

اگرچہ عمرو بن کلثوم نے اپنے قصیدہ مین نہایت پر زور طریقہ پر فخاری کی، لیکن عمرو بن ہند نے اس کی طرف توجہ نہین کی، اور اس کی اور اس کی قوم کی عظمت کا اعتراف نہین کیا، بلکہ اس کے اشعار مین ایک قسم کا اوچھا پن پایا جاتا ہے، لیکن حارث بن حلزہ ایک باوقار، بردبار اور مسن شخص ہی اس لئے وہ عمرو بن کلثوم کی تردید بھی باوقار طریقہ پر کرتا ہے، لیکن اس کی مٹھاس مین تلخی بھی پائی جاتی ہے، وہ اپنی قوم کے جنگی کارنامون کو گنتا ہے، تو جنگ کے ناگوار نتائج کو تغلب کے سر تھوپ دیتا ہی، اور آہستہ آہستہ عمرو بن ہند کو اپنی جانبداری کی طرف مائل کرتا ہے، اس لئے اس کی اور اُس کی قوم کی مدح کرتا ہے، یہان تک کہ اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے، اور اس سے اپنے قبیلہ کے موافق فیصلہ کرا لیتا ہے،

اس نے معلقہ کی ابتدا، غزل یعنی تشبیب سے کی ہے، اور اپنی اونٹنی کے اوصاف گنائے ہین لیکن اس سے سرسری طور پر گذر کر اپنا اصل مقصد شروع کر دیتا ہے، اور اخیر مین بہت سے ایسے اشعار لکھے ہین، جو تاریخی اور سیاسی حیثیت سے بہت اہم سمجھے جاتے ہین، بہرحال عمرو بن کلثوم نہایت

خوددار اور بلند مرتبہ شخص تھا، جس نے اپنی ذات اور اپنی قوم کو عمرو بن ہند کی ذات اور اس کی قوم کے ہم پلہ بنادیا ہے، لیکن حارث بن حلزہ ایک ہوشیار مدبر شخص ہے، جس نے اپنے سامنے ایک مقصد رکھا ہے جس کو تدبیر، اشارات اور خوشامد سے حاصل کرلیا ہے،

۵۔ عنترہ وہ قبیلہ مضر کے ایک مشہور قبیلہ عبس سے تعلق رکھتا ہے، جو نجد میں رہتا تھا، اس کی ماں جس کا نام "زبیبہ" تھا، ایک حبشی لونڈی تھی، اور اہل عرب لونڈیوں کی اولاد کو اپنا غلام سمجھتے تھے، البتہ اگر وہ کوئی بڑا کام کرتے تھے، تو اس کو اپنا لڑکا تسلیم کر لیتے تھے، اسی طریقہ کے مطابق عنترہ کو اس کا باپ اپنا غلام سمجھتا تھا، لیکن ایک بار قبیلہ طے کے کچھ لوگ قبیلہ عبس کے کچھ اونٹ لوٹ لے گئے، تو عنترہ نے ان پر حملہ کیا، اور اونٹوں کو واپس لایا، اس کارنامہ کے صلہ میں اس کے باپ نے اس کو آزاد کردیا، اور اپنا بیٹا تسلیم کرلیا،

عنترہ اپنی ماں کی طرح سیاہ فام تھا، اور اس جسمانی عیب پر اپنی بہادری اور شجاعت سے پردہ ڈالتا تھا، وہ اپنی آزادی سے پہلے اپنی چچازاد بہن "عبلہ" پر فریفتہ تھا، لیکن اس کا چچا اپنی بیٹی کو ایک غلام کے نکاح میں دینا پسند نہیں کرتا تھا، اس لئے عنترہ غلامی کے اس داغ کے مٹانے کے لئے مجد و شرف کے حاصل کرنے کی سعی بلیغ کرتا تھا، اور اس جد و جہد نے اس کی شاعرانہ قوت کو ابھار دیا، اور اس میں شاعری، غیر معمولی بہادری اور مروت کے جوہر پیدا ہو گئے، اور اس طرح جب وہ ایک آزاد سردار ہوگیا، تو اس کے چچا نے عبلہ سے اس کی شادی کردی،

اس نے داحس اور غبرا کی لڑائی میں بھی شرکت کی، اور اس میں اپنی پامردی سے اپنی قوم کے نام کو روشن کیا،

اس کے اشعار میں اس کا معلقہ سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے جس کا امتیازی وصف شجاعت اور بدویانہ اخلاق، فیاضی اور مروت کی تعریف ہے، اس معلقہ کی ابتدا اس نے عبلہ کے عشق و محبت

سے کی ہے، اور چونکہ وہ اپنے حسن و جمال اور اصل و نسب کے ذریعہ سے اس کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا تھا، اس لئے اپنے جنگی کارناموں کے ذریعہ سے اس کو اپنی طرف مائل کیا ہے، ان جنگی کارناموں کے علاوہ اس معلقہ میں اکثر مکارم اخلاق کا ذکر بھی کرتا ہے،

اس کی شجاعت نے اس قدر دلچسپی پیدا کرلی کہ لوگوں نے اس کے متعلق بہت سے من گڑھت قصے بنائے، اور اس کے دیوان میں ایسے بہت سے قصائد شامل کر دیے جو ثقات کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، بالخصوص عنترہ کے قصہ میں جو واقعات اور اشعار مذکور ہیں، وہ بالکل خیالی ہیں،

۶۔ زہیر | وہ مضر کے ایک قبیلہ مزینہ سے تعلق رکھتا ہے، جو بلاد غطفان میں آباد تھا، وہ ایک ایسے خاندان کا آدمی ہے جس میں بہ کثرت شعراء پیدا ہوئے، مثلاً اس کے باپ کا ماموں بشامہ ابن الغدیر شاعر تھا، اور شاعری کے ساتھ حکیمانہ خیالات رکھتا تھا، اور صائب الرائے تھا، اس لئے قبیلۂ غطفان کے لوگ جب جنگ کرنا چاہتے تھے، تو اس سے مشورہ لیتے تھے، اور اس کے مشوروں پر عمل کرتے تھے، اور جب جنگ کرکے واپس آتے تھے، تو مال غنیمت میں سے اس کو وہی حصہ دیتے تھے، جو اپنے بہترین شخص کو دیتے تھے، زہیر نے اس کی صحبت میں اپنے اندر یہ دونوں خصوصیتیں پیدا کیں، اسی طرح اس کی ماں کا شوہر اوس بن حجر، اس کا باپ، اس کی بہن سلمی، اور اس کے دونوں بیٹے کعب اور بجیر سب کے سب شاعر تھے،

قبیلۂ غطفان کے دو قبیلے عبس و ذبیان میں سخت عداوت تھی، اور اس عداوت نے غطفان کے ملک کو ایک میدانِ جنگ بنا دیا تھا، اور اس جنگ نے زمانۂ جاہلیت کے ادبی سرمایہ میں بڑا اضافہ کر دیا تھا، اور اس سلسلہ میں بہت سے فخریہ اشعار لکھے گئے تھے، بہت سی ہجویں لکھی گئی تھیں، بہت سے اشعار کے ذریعہ سے جنگ و انتقام پر بھڑکایا گیا تھا، اور واقعاتِ جنگ نے لذیذ داستانوں کا ایک ذخیرہ مہیا کر دیا تھا، عنترہ عبسی کے بہت سے اشعار اسی جنگ کے آخری حالات سے تعلق رکھتے ہیں،

اور زہیر نے بہت سے اشعار کے ذریعہ سے ان دونون قبیلون کو مصالحت کی طرف مائل کیا ہے، قبیلۂ ذبیان کے دو سردار ہرم بن سنان اور حارث بن عوف نے ان دونون قبیلون مین صلح کرانے کی انتہائی کوشش کی تھی، اور مقتولین کی دیت کا بار بھی اپنے سر لیا تھا، اس بنا پر زہیر نے بھی اُن کی تائید کی اور ان دونون کی مدح مین اشعار کہے، بالخصوص ہرم بن سنان کی بہت زیادہ مدح کی، اور ہرم نے بھی اس کو گران قدر صلے دیئے،

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر وفات پائی،

زہیر کی شاعرانہ خصوصیات یہ ہین کہ وہ ہرزہ گوئی سے نہایت احتراز کرتا تھا، بہت سے معنی کو تھوڑے سے الفاظ مین بیان کر دیتا تھا، غیر فصیح اور نامانوس الفاظ کو استعمال نہین کرتا تھا، اور ہر شخص کی مدح انہی اوصاف کے ساتھ کرتا تھا، جو درحقیقت اس مین موجود ہوتے تھے، وہ نہایت غور و فکر کے ساتھ شعر کہتا تھا، چنانچہ ایک مہینہ مین ایک قصیدہ لکھتا تھا، اور پورے ایک سال تک اسکی کانٹ چھانٹ مین مصروف رہتا تھا، اس بنا پر لوگ اس کے قصائد کو "حولیاتِ زہیر" کہتے تھے، لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا محو و اثبات اس کے معلقہ اور چار طویل قصائد کے ساتھ مخصوص ہے، تاہم غور و فکر کا اثر اس کے تمام اشعار سے علانیہ ظاہر ہوتا ہے، اور اس کے اس غور و فکر مین وقار اور سنجیدگی کے آثار نمایان ہوتے ہین، وہ اپنے موضوع کے مناسب مضامین کا انتخاب کرتا ہے، اور ان مضامین کو بہترین الفاظ مین بیان کرتا ہے، نرمی کے مواقع پر نرمی سے اور سختی کے مواقع پر سختی سے کام لیتا ہے،

اسی طرح اس کا میلان حکیمانہ خیالات کی طرف پایا جاتا ہے، اُس نے زمانہ کا خوب تجربہ کیا ہے، اور لوگون کی نفسیات کا بڑا ماہر ہے، اور ایسے مضامین ایجاد کئے ہین جو اس سے پہلے کسی کے خیال مین نہین آئے تھے، ابتدا سے اسلام مین مسلمانون نے اس کے حکیمانہ خیالات کو

بہت پسند کیا ہے، اور بعض مسلمانون نے اس کو تمام شعراء پر ترجیح دی ہے، کیونکہ اس کے کلام مین صداقت پائی جاتی ہے، اور اس کے بعض خیالات اسلامی اصول کے ساتھ مطابقت رکھتے ہین،

اس کا بہترین قصیدہ اس کا یہی معلقہ ہے، جس کے اشعار کی تعداد ۵۹ ہے، اس کا موضوع قبیلۂ عبس و ذبیان مین مصالحت کرانا اور ہرم بن سنان اور حارث بن عوف کی مدح کرنا ہے، جنھون نے اس مصالحت کے لئے کوششین کی ہین، اس معلقہ کے ابتدائی ۱۵ اشعار مین اُس نے ام اوفی کے ساتھ تشبیب کی ہے، جو اس کی بی بی تھی، پھر ۱۰ شعر ہرم بن سنان اور حارث ابن عوف کی مدح مین کہے ہین، اس کے بعد آٹھ شعرون مین دونون جنگجو گروہون کو مخاطب کیا ہے، اور اُن کو مصالحت کی ترغیب دی ہے، اور ان اشعار مین جنگ کے مصائب اور صلح کی فضیلت کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے، پھر حصین بن ضمضم پر چوٹ کی ہے جس نے فریقین کے آمادۂ صلح ہو جانے کے بعد دوبارہ آتش جنگ کو بھڑکانا چاہا ہے، ۴۹ شعر تک پہنچکر اس نے چند حکیمانہ اشعار پر اپنے معلقہ کو ختم کیا ہے، اور ان مین بعض اشعار اُن کے اصل موضوع یعنی دعوتِ صلح سے مناسبت رکھتے ہین،

لیکن اس کے بعض اشعار بظاہر اس موضوع کے مخالف ہین، مثلاً اس شعر مین :-

ومن لا یذد عن حوضہ بسلاحہ　　یھدم ومن لا یظلم یظلم

جو شخص اپنے حوض کی مدافعت اپنے ہتھیار سے نہین کرتا، اس کا حوض ڈھا دیا جاتا ہے، اور جو شخص ظلم نہین کرتا اوس پر ظلم کیا جاتا ہے،

اُس نے ظلم کرنے اور ہتھیار اٹھانے کی ترغیب دی ہے، اور غالباً اس نے اپنے موضوع کو چھوڑ کر اہلِ عرب کی اصلی زندگی کو نمایان کیا ہے،

۷- لبید | وہ مضری قبیلہ کا آدمی ہے، اور اس کی مان قبیلۂ بنو عبس سے تعلق رکھتی ہے،

زمانۂ جاہلیت مین وہ ایک بہادر اور فیاض شاعر تھا، اور زمانۂ اسلام مین مسلمان ہو کر مدتون زندہ رہا، یہان تک کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت مین وفات پائی، اوس نے زیادہ تر اشعار زمانۂ اسلام سے پہلے کہے ہین، اور اسلام لانے کے بعد اُس نے بہت کم شعر کہے، وہ ایک بدوی شاعر ہے، اور اپنے اشعار مین بدویانہ صحرائی زندگی کا وصف بیان کرتا ہے، اس کے معلقہ مین اسی زندگی کے خال وخط نظر آتے ہین، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوس نے اس کو اپنے عہدِ شباب مین لکھا ہے، اور اس سے قبیلۂ مضر کی شاعرانہ متانت اور قوت کا اظہار ہوتا ہے،

اس معلقہ مین اوس نے سب سے پہلے اہل عرب کے عام دستور کے مطابق معشوق کے مٹے ہوئے کھنڈر پر ٹھہر کر گریہ وزاری کی ہے، پھر اپنی اونٹنی کے اوصاف بیان کئے ہین، اور اس کی تیز رفتاری کو بہت سی تشبیہات کے ذریعہ سے نمایان کیا ہے، کبھی اس کو بادل سے جس کو دکن کی ہوا اڑائے ہوئے لئے جا رہی ہے، کبھی جنگلی گدہے سے کبھی نیل گاؤ سے جس کا بچہ گم ہو گیا ہے، اور وہ اس کی تلاش مین دوڑ دھوپ کر رہی ہے، تشبیہ دی ہے، اور ہر تشبیہ مین مشبہ بہ کے تمام اوصاف کا استقصار کیا ہے، جن سے ان تشبیہات مین نہایت زور اور مبالغہ پیدا ہو گیا ہے، اس کے بعد اپنی خودداری اور فیاضی کا ذکر کیا ہے، پھر اپنی قوم کی شجاعت ذہانت اور دیانت کی تعریف کی ہے، اپنے دورِ شباب کے بعد اُس نے ادھیڑ عمر یا بڑھاپے مین جو اشعار کہے ہین، اُن مین حکمت اور مذہبی احساسات کے آثار نمایان ہین،

اصحابِ معلقات کے علاوہ اور بھی بہت سے جاہلی شعرا ہین جو اُن سے شاعری اور شہرت مین کسی طرح کم نہین، لیکن اُن مین نابغہ ذبیانی اور اعشیٰ سب سے زیادہ مشہور ہین، اور بعض علما نے ان کو بھی اصحابِ معلقات مین داخل کیا ہے،

نابغہ اس درجہ کا شاعر ہے کہ عکاظ کے میلے مین اس کے لئے چمڑے کا ایک خیمہ نصب کیا جاتا تھا،

اور اس میں عرب کے تمام شعراء جمع ہو کر اس کو اپنے اپنے قصائد سناتے تھے، اور وہ یہ فیصلہ کرتا تھا کہ ان میں بہترین قصیدہ کس کا ہے، امرء القیس کے بعد نابغہ نے عربی شاعری کی ترقی کا ایک قدم اور آگے بڑھایا اور سلاست، جزالت اور سادگی کے ساتھ نئے نئے مضامین پیدا کئے، اور وصف نگاری میں خاص شہرت حاصل کی، اعشیٰ ایک سیاح شاعر ہے، اور اس نے تمام جزیرۂ عرب کی سیاحت کی ہے، اور اس سیاحت نے اس کے علم و تجربہ میں بڑا اضافہ کیا ہے، اور اس نے چند تاریخی واقعات نظم کئے ہیں، اوس کے اشعار میں چند فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں، اور غالباً اس نے حیرہ کی سیاحت میں یہ الفاظ سیکھے ہیں، اس نے شراب و کباب، ندیم، ساقی، رقص و سرود کے متعلق بھی بہ کثرت اشعار لکھے ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ شراب بناتا تھا، اور اس کی تجارت کرتا تھا، بہرحال خمریات کی صنف میں وہ اخطل اور ابونواس کا پیشرو ہے، (باقی)

اعلان

یہ طے پایا ہے کہ خاص خاص موضوعوں کی ہندی اور اردو مطبوعہ کتابوں پر ہندستانی اکیڈمی کے ذریعہ دیئے جانے والے سالانہ انعام پھر سے جاری کئے جائیں، ۱۹۴۹ء کے انعام اپریل ۱۹۴۵ء کے بعد کے چھپے ہوئے افسانوں (ناول اور کہانیوں) کی بہترین کتابوں پر دیئے جائیں گے،

یہ انعام پانچ پانچ سو روپیہ کے ہوں گے، ایک انعام ہندی اور ایک اردو کے لئے ہے، مصنفین، پبلشر، اور عام اصحاب سے التماس ہے کہ مطبوعہ کتابوں کے نام مع ضروری اطلاعات کے ۱۵ دسمبر ۱۹۴۹ء تک جب کہ ان کا ابتدائی انتخاب ہوگا بھیجنے کی زحمت فرمائیں، ابتدائی انتخاب کی منظور شدہ کتابوں پر ایک فیصلہ کرنے والی کمیٹی اپنی رائے کا اظہار کرے گی، اور امید کی جاتی ہے کہ انعاموں کا اعلان مارچ ۱۹۵۰ء تک ہوگا۔

دھرمیندر ورما ایم اے ڈی لٹ (پیرس) معتمد خازن ہندستانی اکیڈمی یو پی الہ آباد

ابوحنیفہ دینوری کی کتاب النبات

از

جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی،

مؤلف | دینوری نے "کتاب النبات" کے نام سے نباتیات کی جو انسائیکلوپیڈیا مرتب کی تھی وہ عربی زبان کے اُن شہکاروں میں سے ہے، جو عرصہ سے ناپید ہیں، اس کا ایک ٹکڑا ابھی ابھی برآمد ہوا ہے، اور وہی ان سطروں کے لکھنے کا محرک ہے،

اس کے مؤلف ابوحنیفہ احمد بن داؤد بن ونند کی ولادت شہر دینور میں ہوئی، جو عراق عجم میں ہے، صحیح تاریخ تو معلوم نہیں لیکن تیسری صدی ہجری کے پہلے عشرے کا قیاس ہے، وفات یاقوت (معجم الادبا) کے بیان کے مطابق ۲۶ر جمادی الاولی ۲۸۲ھ کو ہوئی، اُن کے دادا کا نام ونند ہے جس کے معنی پرانی فارسی میں "فتحیاب" کے بیان کئے گئے ہیں،

بنو امیہ کے خاتمہ کے بعد جب عباسیوں کی طویل حکومت میں مستحکم امن میسر ہوا، تو جہاں کوفے اور بصرے کی علمی خانہ جنگی ختم ہوئی، وہیں مکتب بغداد کے اصول خذ ما صفا میں پلنے والے عربی زبان کی ہر جہتی ترقی میں، اتنا حصہ لینے لگے کہ یہ دور تاریخ میں سنہرا دور سمجھا جاتا ہے، ہمارے مؤلف کے معصرون میں امام بخاری، امام احمد بن حنبل، امام قشیری، بایزید بسطامی، جاحظ، محمد بن حبیب، ابن قتیبہ، ابوزید بلخی اصمعی گویا گنتی ممتاز شخصیتیں نظر آتی ہیں، اور اپنے شعبے کی حد تک دینوری کا کارنامہ ہمعصر کاوش تحقیق بجز چند محدثین کرام کے کسی بھی بڑے سے بڑے مؤلف سے کم تو کیا کم ہی لوگ اس کی برابری کا دعویٰ

کر سکتے ہیں،

ہمارے "ہرفن مولی" مولف کو اگر تاریخ اور جغرافیہ سے دلچسپی تھی، تو ساتھ ساتھ ریاضی اور جبر و مقابلہ و ہیئت سے بھی، لسانیات اور بلاغت سے بھی، طب و نباتات سے بھی،

لسانیات اور صرف و نحو کی تعلیم السکیت اور ابن السکیت سے پانے کا ذکر تو ہمارے ماخذ کرتے ہیں، لیکن دیگر علوم کے متعلق وہ خاموش ہیں، اگر دینوری کی سب تالیفیں ملتیں تو ان میں ذکر کردہ اسناد سے ان کے دیگر علوم کے اساتذہ کا بھی پتہ چل جاتا، جہاں تک نباتیات کا تعلق ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب کی تالیف میں اپنے پیشرؤں سے بھی استفادہ کیا، اور ہمعصروں سے بھی اور خود ذاتی تحقیق اور مشاہدے سے بھی،

ابن ندیم کے بیان کے مطابق وہ ابو علی الحسن بن عبداللہ الاصفہانی کے رفیق درس تھے، اور الفراء[1] کے راوی کا فرض بھی انجام دیا، یاقوت کے بیان کے مطابق دینوری اپنی زندگی ہی میں بلند انشا پرداز کے جاحظ کے حریف تسلیم کئے جاتے تھے، علم ہیئت کے رصدی مشاہدے انھوں نے پچیس سال کی عمر میں کرکے اپنا سکہ بٹھا دیا تھا، اور دینور میں ان کی خانگی رصدگاہ اُن کے بعد بھی صدیوں کام دیتی رہی،

اصل تالیف | بعض حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ اصل کتاب النبات چھ ضخیم جلدوں میں تھی، مجھے اب اس میں کوئی شبہہ نہیں رہا، ہمیں اب جو تین باب دستیاب ہوئے ہیں، ان کے اقتباسات ابن سیدہ کی کتاب المخصص میں بھی ہیں لیکن اس تناسب سے کہ ہماری (۴۰۰) سطروں میں وہاں صرف (۱۹۰) سطریں نقل ہوئی ہیں،

---

[1] ایک غیر متعلق مگر دلچسپ اطلاع یہ عرض کرنی ہے کہ الفراء (المتوفی ۲۰۷ھ) کی تفسیر قرآن مجید مل گئی ہے، اور کتب خانۂ وحیی آفندی سی استانبول (تفسیر نمبر ۶۲) میں موجود ہے، مشتبہ تفسیر ابن عباس کو چھوڑ کر اب یہ محفوظا موجود تفسیروں میں قدیم ترین ہو جاتی ہے، حتی کہ امام زید بن علی سے بھی قدیم تر،

اور ابن سیدہ مین دینوری کی کتاب النبات کے جو اقتباسات ہین، وہ کم سے کم دو سو صفحون کی جلد مین سما سکتے ہین، یہ امر قابلِ وضاحت ہو کہ دینوری نے پودون کے نباتاتی حالات زیادہ دیئے ہین، اور متعلقہ اصطلاحات کی لسانیاتی اور صرفی ونحوی تشریح جو محض ضمنی ہے، مختصراً دی ہے، اور ابن سیدہ نے زیادہ تر صرف آخری حصہ کو نقل کرکے باقی کو ترک کر دیا ہے، ان حالات مین کتاب النبات کا چھ ضخیم جلدون مین ہونا بعید از قیاس بالکل نہین معلوم ہوتا، البتہ کشف الظنون کا یہ بیان کہ ابن اخت غانم نے کتاب النبات کی شرح ساٹھ جلدون مین لکھی تھی حسنِ ظن سے بھی کام لین، تو ساٹھ کراسون سے عبارت معلوم ہوتی ہین،

چند سال قبل ۱۹۱۰ء مین برسلاؤ (جرمنی) کے ایک طالب علم زلبربرگ نے ابن سیدہ، لسان العرب وغیرہ سے دینوری کے اقتباسات اکٹھے کرکے ایک مقالہ اپنے امتحان ڈاکٹریٹ کے لئے لکھا تھا، جو ۱۹۱۰ تا ۱۹۱۱ء مین اشٹراسبورگ کے جرمن رسالے "تسائت شریفت فیور اسور یولوگی" مین چھپا تھا، عربی زبان اور نباتیات دونون مین درک رکھنے اور بعض اچھے اساتذہ کے خانگی جمع کردہ مواد سے بھی نوازے جانے کے باعث اس کے خیالات اصل تالیف کے متعلق دلچسپی کے حامل ہین، اسے البتہ ہمارے تازہ مخطوطے کا علم نہ تھا،

اس کے پیشرو قبل اس کے کہ زلبربرگ کے کچھ اقتباس دیئے جائین، اپنا ایک ناچیز خیال پیش کرنا چاہتا ہون کہ دیگر علوم وفنون کی طرح مسلمانون مین نباتیات کا ذوق بھی قرآن مجید ہی سے پیدا ہوا ہوگا، دنیا کی مقدس اور الہامی مذہبی کتابون مین سے کسی مین بھی نباتات کا اتنا کثیر ذکر نہین ہو جتنا قرآن مجید مین ہے، ایک دو گھنٹے کی تلاش مین مجھے ایسے (۱۴۹) مقام ملے، ان کی مختصر تحلیل شاید بے محل نہ ہو،

"خدا سارے جہانون کا آقا (رب العالمین) ہے تو عالم نباتات کا بھی وہی آقا ہے بھی نہین

خدا نے اپنا وصف خود نحن الزارعون، نحن المنشئون کے الفاظ میں بیان کیا ہے، قرآن میں بہ کثرت تذکرے مردہ زمین، زندہ زمین، ایک کا دوسرے میں مبدل ہونا اور اس کے اسباب دلچسپ انداز میں بیان ہوئے ہیں، آب پاشی کے ذرائع میں سے چشموں، ندیوں، کنوؤں، بارش، شبنم کا، ریتوں، بادلوں وغیرہ کا ذکر ہے، تو باغوں، کھیتوں، چراگاہوں جنگلوں، سبزہ زاروں کا اُن کی زندگی کے مختلف اوقات میں بھی، قسم قسم اور رنگ برنگ کے میوے کھجور، انجیر، انگور، انار کا نام آتا ہے تو فلوں، ترکاریوں میں قثا، فوم، عدس، بصل، خردل، زنجبیل وغیرہ کا، نیز چھلکوں، چھالوں کا، کھجور کا تفصیلی ذکر، اس کا تنہ، اس کے گچھے، خوشے، گٹھلی، قطمیر، دغیرہ وغیرہ کا ذکر عرب ناظر و سامع کے لئے ناگزیر ہی تھا، انگور کی بیلوں، شراب، شہد، زیتون، روح و ریحان (زہرۃ الحیوٰۃ کے ذریعہ سے) پھولوں کا، فرمتی، زقوم، سدرہ بھی مذکور ہیں، لکڑی وغیرہ سے بننے والے سامان میں کرسی، تخت، دروازہ، سیڑھی، تیر کمان، تکیے، قالین، قلم، ریشم، لباس، کاغذ، پکوان کے برتن کے ساتھ ساتھ چرنے والے جانوروں میں اونٹ، بھیڑ، بکری، گائے، بیل (دودھ) گھوڑے، گدھے، خچر، بندر، سور، ہاتھی، گورخر، ہڈی، نیز مکھی، شہد کی مکھی، مکڑی بھی مذکور ہیں، غلے کے کاروان، کشتیاں، تر و خشک ایندھن، لکڑی کا چقماق، ناگر، کٹائی، قحط، طوفان، طغیانی، غرض بیسیوں اور سکے لمبے لمبے تذکرے ہیں، اگرچہ ہمارے مؤلف نے پیش نظر مخطوطے میں (جس کو جامعہ کیمبرج یا برلن اکاڈمی شاید شائع کرے گی) صرف چار ہی مرتبہ قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے لیکن اس ٹکڑے کی وارد شدہ اصطلاحات قرآن مجید میں بیسیوں ہی ہیں،

جاہلیت کا عرب شاعر باریک بینی کے لئے مشہور ہے . تو وہیں اس کی زبان اتنی متمول نظر آتی ہے، کہ وہ نباتات کے دقیق سے دقیق مسئلے کے لئے بھی کسی غیر زبان کے الفاظ کا محتاج نہیں ہوتا کے بعد علمی ترقی یافتہ دور میں بھی چاہے فلسفہ منطق طب وغیرہ میں عربوں کو بیرونی اصطلاحات و الفاظ قبول اور رائج کرنے پڑے ہوں لیکن فقہ ہی کی طرح نباتات میں بھی یونانی اور سنسکرت وغیرہ کا اثر ناپید ہے،

بجز اس کے کہ عرب یا عربون کی سفر گاہون مین پیدا ہونے والے پودون کے نام ہون، عربی زبان کا یہ کمال عجیب اور حیرت انگیز تو ہے لیکن لغو اور بے وجہ نہین بات یہ ہے کہ یونانیون کے برخلاف جو حضری اور شہر نشین ہو گئے، عرب مین بدویت اور خانہ بدوشی ہمیشہ باقی رہی، اور اس بے برگ وگیاہ صحرا مین ہر پودہ، پودے کا ہر جزو وہان کی انسانی اور حیوانی آبادی کو ہر وقت مطلوب ہوتا تھا، اس کے خوردنی یا ناخوردنی ہونے کی تحقیق آخری حد تک پہنچانی ناگزیر تھی، پھر کسی اور علمی شغلہ کی غیر موجودگی مین اندرونی لیک حساس طبیعتون کو ان مشاہدات کو نظم مین منتقل و محفوظ کرنے کی ہر ترغیب بھی موجود تھی،

دینوری اور اس کے ہم عصر نباتاتیون پر تبصرہ کرتے ہوئے جہان زنبر برگ یہ تسلیم کرتا ہے، کہ ان کی تالیفون مین "نہایت ترقی یافتہ فنی اور اصطلاحی الفاظ ہر قدم پر ملتے ہین"، وہین وہ اس پر حیرت ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح ایک جاہل بدوی ریگستان مین اونٹ کے قدم کے نشان" ہی کی طرح پودون کی ساخت کے نازک سے نازک پہلوا ور جزو کو بھی اسی صحت، وضاحت اور پر گوانداز مین منظر عام پر لا سکتا ہے"، پھر یہ پوچھتا ہے،

"بہرحال یہ کافی حیرتناک ہے کہ زمانہ قدیم کے سارے نباتیاتی ادب مین ہماری کتب کے صرف دو ہی مماثل پیشرو ملتے ہین، یہ کیسے ہو گیا کہ مسلمان اس معاملہ مین اس قدر جلد اپنے پیشرو یونانیون کے برابر ہی نہین ہو گئے، بلکہ اُن سے بڑھ ہی گئے؟.....دیگر قومون کے نباتیاتی ادب نے قوم کی ترقی کے زمانہ مین اپنی الگ فنی زبان پیدا کر لی لیکن یہان معاملہ الٹا ہے، بدویون کی زبان اس علم کے وجود مین آنے سے بھی پہلے تفصیلات تک کے لئے ایک خوب ہی پھیلے ہوئے ذخیرۂ اصطلاحات کی حامل تھی"

فنی لغتین | عام لغتون کے ساتھ ساتھ عربون مین خصوصی ایک فنی لغتون کا بھی کم از کم اصمعی کے دور سے روزافزون شوق پیدا ہو گیا تھا، کتاب الزرع والنخل، کتاب الخیل، کتاب الابل، کتاب النبات

کتاب الوحوش، کتاب الحیوان، کتاب الانوا، کتاب الارض والسماء، غرض بیسیون ہی نام اس سلسلہ مین لئے جا سکتے ہین جن مین سے بعض اب تک محفوظ بھی ہین، اُن کے متعلق زمانۂ حال کے سب سے بڑے جرمن مذاق یاکتب شناس بروکلمان نے ضمیمۂ تاریخ ادبیات عربی ج۱ ص ۲۸۰ میں لکھا ہے کہ اس طرح کی یک فنی لغتون پر لسانیات کے نقطۂ نظر سے نہایت قیمتی ہونے کے باوجود یورپ مین زبانون مین آج تک بہت ہی کم توجہ ہوئی ہے،

ابتدائی عربی تالیفین | نباتات پر جن ابتدائی عربی تالیفون کا پتہ چلتا ہے، وہ ابن ندیم وغیرہ کے مطابق یہ ہین :-

(۱) ابوعمرو بن العلاء (المتوفی ۱۵۹ھ): کتاب ؟ (بعد والون کے ہان اسکے بکثرت حوالے ہین) (۲) ابوزید المتوفی ۲۱۴ھ) کتاب الشجر والکلاء (بحوالۂ مزہر سیوطی) (۳) ابوزیاد الاعرابی (ہمعصر خلیفہ مہدی) کتاب النوادر (نباتات سے جزءاً بحث) (۴) الاصمعی (المتوفی ۲۱۶ھ) کتاب النبات والشجر (طبع بیروت) (۵) ابن الاعرابی (المتوفی ۲۳۱ھ) کتاب النبات (۶) ابونصر الباہلی (المتوفی ۲۳۵ھ) کتاب الشجر والنبات (۷) ابن السکیت (المتوفی ۲۴۳ھ) کتاب النبات والشجر (۸) ابوحاتم السجستانی (المتوفی ۲۵۰ھ) کتاب الشجر والنبات (۹) السکری (المتوفی ۲۷۵ھ) کتاب النبات (۱۰) دینوری (المتوفی ۲۸۲ھ) کتاب النبات،

ان کے علاوہ عام لغتون مین بھی نباتات کا کافی ذکر ہے، خلیل (المتوفی ۱۷۰ھ) سیبویہ (المتوفی ۱۶۱ھ) الکسائی (المتوفی ۱۸۹ھ) الفراء (المتوفی ۲۰۷ھ) ابوعبیدہ معمر (المتوفی ۲۱۰ھ) ابوعبید القاسم (المتوفی ۲۲۳ھ) ابوعمر الجرمی (المتوفی ۲۲۵ھ) کے نام خاص طور پر اس سلسلے مین لئے جا سکتے ہین، ان مین سے ہر ایک نے اپنے پیشروؤن اور اپنے ہمعصرون کی کتابون سے استفادہ کیا ہوگا، اور حسب عادتِ مالوفہ ان کی کچھ چیزین بلا حوالہ نقل کی ہونگی تو کچھ اپنی

طرف سے اضافہ بھی کیا ہوگا، اور بہ حیثیت مجموعی علم کو زندہ رکھنے اور اس کی مزید ترقی میں حصہ لینے کا سلسلہ جاری رہا ہوگا،

افسوس ہے اب صرف تالیف نمبر ۴ اصمعی کی کتاب النبات والشجر ملتی ہے، کوئی چالیس برس ہوئے جرمن مستشرق ناگلبرگ نے ابوزید کی طرف منسوب کتاب النبات والشجر شائع کی لیکن اب اندرونی شہادت کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ یا تو ابن خالویہ (المتوفی ۳۷۰ھ) کی تالیف ہے یا کسی اور کی،

خوشہ چین | ابوحنیفہ دینوری کی یادگار تالیف نے سب کے قلم توڑ ڈالے اور اس کے بعد صرف اسی کے حوالہ سے پودوں اور جڑی بوٹیوں کے ذکر ہونے لگے، یہ اقتباسات بہت سے ہیں، اور انہی سے ایک ضخیم جلد دو تین سو صفحوں کی تیار ہوسکتی ہے،

(۱) ابن سیدہ: کتاب المخصص نیز کتاب محکم (۲) ابن سمجون: الجامع فی الادویۃ المفردہ، (۳) الغافقی: شرح العقار (خلاصہ ابن میمون الاسرائیلی) (۴) الصاغانی: العباب (۵) ابن منظور: لسان العرب (۶) فیروزآبادی: القاموس، (۷) مرتضیٰ زبیدی: تاج العروس (۸) ابن البیطار: مفردات الادویہ (۹) ابن العوام: کتاب الفلاحت (۱۰) علی البصری: التنبہات علی الاغلاط (۱۱) یاقوت: معجم البلدان (۱۲) المرزوقی: الازمنۃ والامکنۃ"

میں خاص کر دینوری کے اقتباسات ملتے ہیں، اور ابن سیدہ کی کتاب المخصص میں سب سے زیادہ ہیں، جیسا کہ معلوم ہے اس کتاب میں ایک ایک عنوان لیا گیا ہے، جیسے انسان، زمین، اونٹ، پانی وغیرہ اور اُن کے تحت جملہ متعلقہ ہزاروں الفاظ مختصر توضیح کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں، اس کی بارہ پندرہ جلدوں کی ورق گردانی میں مجھے جن جن ابواب میں ابوحنیفہ دینوری کے اقتباس نظر آئے، اُن کی بنیاد پر اصل کتاب النبات کی فہرست مضامین یا کم از کم اس کی وسعت کا کچھ نہ کچھ

اندازہ ہو جائے گا، ابن سیدہ کی جلد (۱۰ تا ۱۲) میں نباتات و متعلقات کا ذکر ہے، اور شاید یہ فرض کر لیا جا سکتا ہے کہ اصل کتاب النبات کی بھی ویسی ہی ترتیب ہوگی، البتہ ابن سیدہ کا مقصد المخصص میں کتاب النبات سے مختلف ہونے کے باعث کتاب النبات کے مواد کی المخصص میں تقسیم وانتشار بھی ناگزیر ہے، بہرحال المخصص میں دینوری کے اقتباسات زیادہ تر حسب ذیل ترتیب سے ہیں،

کتاب النبات کی تحلیل | المخصص جلد (۴) میں نباتی دباغت پر بہت دلچسپ اور اہم مواد ہے،

" (۵) شہد، شہد کی مکھیاں، کھانا، قے کرنا وغیرہ،

" (۶) تیر کمان کا طویل ذکر،

" (۷) اونٹوں کا چرنا، اور ان کی بیماریاں،

" (۸) ہرن، پرندے، ٹڈی، مکھیاں وغیرہ،

" (۹) آب پاشی، اس کے "برتن" مثلاً ڈول وغیرہ، رسیاں، پانی رکھنے یا لیجانے کا سامان جیسے مشک وغیرہ،

" (۱۰تا۱۲) حسب تفصیل ذیل،

پودوں کیلئے مٹی کی ضرورت ہے، حتیٰ کہ آبی نباتات کے لئے بھی زیر آب زمین درکار ہے، اور چٹانوں پر اُگنے والے پودوں کے لئے بھی پتھر پر جمی ہوئی گرد ناگزیر ہے، اسی لئے سب سے پہلے مٹیوں اور زمینوں کا تفصیلی ذکر ہے، آباد، غیر آباد، کم آباد، وبائی علاقے اور اس کے اسباب، موسم، اور محل وقوع کا اثر زمین پر وغیرہ بیان کرنے کے بعد ہمارا مؤلف پودوں کی ایک بڑی اور بنیادی تقسیم بوئے ہوئے اور خودرو میں کرتا ہے، بونے کے سلسلے میں ناگزیر اور دیگر ذرائع سے زمین کو تیار کرنے کی تفصیل آئی ہے، پھر وادیوں طغیانیوں اور سیلابوں کا ذکر ہے، آب پاشی کا ذکر ابن سیدہ نے

جلد (۱) مین منتقل کر دیا ہے جو غالباً اصل میں یہان ہونا چاہئے تھا، بارش کی بچھترون کا بھی یہان ذکر آتا ہے،
لیکن دینوری نے اس پر کتاب الانواء کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی تھی، زمین کا ذکر دوبارہ کرتے ہوے پھر اس کا ذکر ہے کہ کہان پودے جلد اُگتے ہین، کہان دیر سے اور کہان نباتی زندگی مشکل اور کہان ناممکن ہے، پھر زرخیز زمین کی عام خصوصیتون کی تفصیل آتی ہے، اور مختلف رنگ کی مٹی کے ذکر کے بعد امساک باران، پانی کی قلت، موسم کا اچھا یا بُرا ہونا، کاشت مین غیر مطلوب جنگلی خودرو پودون کا خود بخود اگ آنا، وغیرہ بیان ہوئے ہین،

اس کے بعد گویا اصل کتاب شروع ہوتی ہے، اور نباتات مین تر و خشک گھاس کا بیان کرنے کے بعد تنے والی نباتات یعنی درختون کا ذکر شروع ہوتا ہے، اور ان کے وہ اوصاف بھی بیان ہوے ہین، جو سب خاندانون مین مشترک ہین، اور وہ بھی جو بعض بعض سے مخصوص ہین، درختون کا اُگنا، پھولنا اور اُن پھولون کی خصوصیتین بیان کرنے کے بعد درختون کی ذیلی تقسیم یہ کی گئی ہے کہ کونسے پھلتے ہین، اور کن مین پھل نہین آتا، اور اس نوبت پر درخت کی ساخت، جڑ، تنہ، وغیرہ پر بحثین کرکے تنے پر ہونے والے مضر اثرات، کیڑے اور گھن وغیرہ کا ذکر ہے، اور کم عمر اور پرانے طویل العمر درختون کی تفصیل ہے،

تنے سے لئے جانے والے کامون کی بحث مین بہت سے اُمور آتے ہین، اور تیر کمان سے بحث کا آغاز ہوتا ہے، پھر شاخون تنون کو کاٹنے اور کاٹنے پھوڑنے چیرنے کے آلات کی پوری تفصیل ہے، اور ایندھن پر گویا یہ بحث ختم ہوتی ہے، بات مین بات ایندھن مین آگ کا ذکر آتا ہے، ایک باب اس پر ہے کہ کونسی لکڑیون سے چقماق کا کام (بجائے پتھر اور لوہے کے) لیا جاتا ہے، دوسرے مین آگ کی داستان اس کی ولادت سے وفات تک ہے، یعنی چنگاری، دھوان، راکھ، اُن کے مختلف رنگ، اُن کے اسباب، گرمی کی زیادتی اور کمی، لکڑی کا جلتے مین چٹخنا، اور اس کا سبب

جنگلون مین بعض وقت خود بخود آگ کا لگ جانا، اور اس کے اسباب، آگ کو طویل عرصہ تک محفوظ رکھنا، اور اس کے طریقے جن سے بارش اور طوفان مین بھی وہ محفوظ رہے، وغیرہ وغیرہ، یہ دونون باب ہمارے مخطوطے مین ہین، اور ابن سیدہ مین بھی اسی ترتیب سے محفوظ ہین، گو جستہ جستہ جملون کی صورت مین،

پھر درختون کے جھنڈ اور جنگلون کا ذکر ہے، یہان مؤلف اہم درختون کا فرداً فرداً ذکر کرتا ہے، پھر بوئی جانے والی نباتات کا ذکر اس سلسلہ مین دوبارہ کیا ہے، بعد ازان زراعت، زرعی امراض، فصل کاٹنے، دانے اُساننے اور گوداموں مین محفوظ کرنے وغیرہ کی پوری تفصیل ہے، اس کے بعد غلون کا الگ الگ ذکر ہے، جیسے گیہون، جَو، سبزیان، ترکاریان وغیرہ،

اس کے بعد پھلون کا ذکر ہے، سب سے پہلے انگور اور اس کی کاشت اور ضمناً شراب سازی، شراب نوشی، بدمستی، اور اسکے نتائج بہت تفصیل سے آتے ہین، کوئی زاہد تو اس زندیر کفر ہی کا فتویٰ دیدے کہ دختِ رز کے عین بعد مقدس کھجور کا ذکر آتا ہے، عربی مین نخلیات اور تمریات پر مواد کی کیا کمی ہو سکتی ہے، البتہ تفصیل کی نہ مجھے ہمت ہے نہ ناظرین سے صبر و تحمل ہو سکے گا، کھجور کے بعد سیب، بادام، پستے، انار، وغیرہ بہ کثرت پھلون اور میوون کا تفصیلی ذکر ہے،

اس کے بعد گویا کتاب کا حصہ دوم شروع ہوتا ہے، اور ایسے پودون کا ذکر ہے، جو چٹانون، پتھریلی زمینون، غیر مسطح یا مسطح میدانون مین اُگتے ہین، نیز وہ جو پانی مین یا پانی کے بہت قریب ہی اُگ سکتے ہین، ضمناً اُن کا بھی ذکر آگیا ہے، جو سمندر کے کھاری پانی ہی مین اُگتے ہین، حالانکہ عام طور پر کھاری پانی پودون کے لئے زہر قاتل ہے، پھر مختلف ایسے پودون کا ذکر ہے جن کے لئے محل پیدائش کی خصوصیت نہین، نیز وہ پودے جن کے پتون کی سبزی دیر تک رہتی ہے، اور انکی پت جھڑ دھوپ کالے کے ختم پر ہوتی ہے، پھر کاٹنے والی جھاڑیون کا ذکر اور اُن کی ذیلی قسمین آتی ہین، بیلون

اور زمین پر پھیلنے والے پودوں کا بھی خصوصی ذکر ہے، مسواک اور ان درختوں کا جن سے وہ بنتی ہیں، الگ ذکر آتا ہے، اس کے بعد خوشبودار پودے آتے ہیں، اور یہ تفصیل بھی کم کو نسے عرب میں نہیں ہوتے، اس کے ساتھ عطر سازی اور خوشبوؤں کی صنعت کا ذکر ناگزیر تھا، اور ذکر آیا ہے، اس کے بعد رنگوں کا ذکر اور رنگ سازی کی صنعت نیز بالوں کے خضاب میں کام آنے والے پودوں کی تفصیل ہے، پھر ایک اہم باب اُن درختوں کے ذکر میں ہے، جن سے عرق نکلتا ہے، اور مختلف قسم کے گوند، لوبان وغیرہ کی تفصیل ہے،

اس کے بعد ایسے پودوں کا ذکر ہے جن میں زیر زمین پھل آتا ہے، یعنی جن کی جڑوں میں خوردنی و ناخوردنی گڈے نکلتے ہیں، یہ باب بھی ہمارے مخطوطے میں ہے،

حنظل اور دوسرے کڑوے پھلوں والے پودوں کے بعد کدو، کھیرے، پیاز اور دیگر طبی نباتات کا ذکر آتا ہے، اور زہریلے پودوں کے ذکر کے بعد جانوروں کی غذا اور چراگاہوں پر دینوری کے اقتباسات ختم ہو جاتے ہیں،

بعض وقت حیرت بھی ہوتی ہے، مثلاً آم کا ذکر دینوری کڑوے اور کھٹے پھلوں (حنظل وغیرہ) کے ساتھ کرتا ہے، کیا اب سے ہزار برس پہلے ہمارا تخمی آم واقعی اتنا ہی غیر ترقی یافتہ تھا، پان کا ذکر خوشبودار پودوں میں بھی ہے، اور یقطین (کدو کی جنس) کے ساتھ بھی، اور عجیب عجیب خوش فہمیاں اس سے وابستہ کیگئی ہیں،

ابن حجون، الغافقی، اور ابن البیطار کے ہاں زیادہ تر طبی مفاد کے اقتباسات ہیں، ان ممتاز طبیبوں نے دینوری کو جو وقعت دی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مختلف جڑی بوٹیوں کے متعلق اقتباسات میں دینوری کا بیان سب سے پہلے آتا ہے، غالباً ہمالیہ تلے کے بر اعظم کی طرح قدیم ایران و اندلس میں بھی ہر پڑھا لکھا مسلمان اپنے نصاب تعلیم میں طب کی کتابیں بھی پڑھتا تھا،

پادری خاص کو مشنری آج بھی اس پر عامل ہیں، مجھے اپنے سفرون مین ہمیشہ افسوس ہوتا رہا کہ کیون ہم مبادی طب سے واقف نہین کہ مریض بندگان خدا کی جنگلون صحراؤن وغیرہ مین کچھ ممکنہ خدمت کرنے اور اُن کی تکالیف کم کرنے مین حصہ لے سکتا یہ ہماری جدید تعلیم ہے، مگر دینوری طب پیشہ چاہے نہ ہو طب وان ضرور نظر آتا ہے، اور ہر پودے کے ذکر مین اس کی طبی خاصیت ضرور لکھتا ہے،

دینوری کا طریقۂ بحث | عربی تمدن اور ذوق کا عکس دینوری کی سطر سطر مین ہویدا ہے، مثلاً جب چقماق کی لکڑیون کا ذکر شروع ہوتا ہے، تو وہ یکے بعد دیگرے ایسے ہر درخت کا نام لیتا ہے، اور جن لوگون نے اس کو دیکھا ہے ان کے منثور و منظوم بیانات درج کرتا ہے، اور اگر اشعار اور ضرب الامثال مین کچھ تلمیحین ہون، یا نامانوس الفاظ غریب اللغات ہون، تو اُن کی تشریح و توضیح کرتا ہے، جابجا قصے اور لطیفے بھی آجاتے ہین، اور چونکہ ہر باب کے متعلق زبان کے جملہ متعلقہ اسماء و افعال کا یکجا کرنا مقصود ہے، اس لئے کچھ فصلین عام ناظرین کے لئے خشک مگر لسانیات یا صرف و نحو کے طالب علم کے لئے معلومات کی کان بنی ہوئی بھی نظر آتی ہین، مترادفات، اختلاف روایات، سابقہ مؤلفون کی تردید و تصحیح سب ہی کچھ آتی ہے، اور بعض دلچسپ اور اہم ترین معلومات محض ضمناً اور بظاہر غیر متوقع مقام پر ملتے ہین،

موجودہ مخطوطے کی اصلیت | مجھے یہ مخطوطہ ایک مجموعۂ رسائل مین مدینہ منورہ مین ملا، اس کی صحت کو جانچنے کا کوئی ذریعہ ڈھونڈھتا تھا، دنیا مین کہین بھی اس کے کسی اور نسخے کا تا حال پتہ نہین، چند سال قبل کہتے ہین کہ بیت المقدس مین اس کا ایک نسخہ تھا، جو ۱۹۳۹ء مین بھی لاپتہ تھا، نہ معلوم امریکا پہنچ گیا ہے یا یورپ، ابھی ابھی آکسفورڈ کے ایک استاد سے سنا کہ استانبول مین اس کے کسی نسخے کا پتہ چلا ہے لیکن وہ استانبول کے دیگر قلمی نوادر کے ساتھ صندوقون مین بند اناطولیہ مین تہ خانون مین کسی جگہ چھپا ہوا ہوگا اور جب تک مغرب مین جنگ کا خطرہ گھٹے تک اس سے استفادہ ممکن نہین ہوگا،

مین نے یہ کہا کہ ابن سیدہ، لسان العرب، ابن البیطار وغیرہ (مذکورۂ صدر خوشہ چینون) سے

دینوری کے اقتباسات، جو سیکڑون ہین، جمع کئے، اور مدینہ منورہ کے مخطوطہ مین جو مسائل ہین ان کو وہان ڈھونڈنے کی کوشش کی جو کامیاب رہی، بیسیون اقتباسات ایک یا زائد متاخر ماخذون مین دینوری کے حوالہ سے ملے، اور عبارت اتنی ہی ہو بہو اور یکسان ملی جتنی ایک ہی چیز کے متعدد ناقلون کے ہان ہو سکتی ہے، اس طرح کوئی شبہہ نہین رہتا کہ مدینہ کا مخطوطہ اصلی اور واقعی دینوری کا ہے، بعد والون کے ہان بعض جگہ حذف و خلاصہ ہے لیکن ایسی کوئی چیز نہین ملی جس سے یہ گمان ہو کہ مخطوطہ مدینہ کے ابواب بھی اصلی نہین بلکہ اصل کا خلاصہ یا اقتباس ہون،

مخطوطہ مدینہ مین صرف تین باب ہین، اور جیسا کہ اوپر بھی اشارہ ہوا، پہلا باب چقماق کی لکڑیون پر ہے، (جس مین آگ جھاڑنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے) دوسرا باب آگ اور شعلے اور دھوئین اور راکھ کے رنگون اور ان کے اختلاف کے اسباب پر ہے، اور تیسرا باب زیر زمین پھلدار پودون پر ہے، مین نہ تو نباتیات کا طالب علم رہا ہون اور نہ عربی ادب کا، محض عربی زبان کی کچھ واقفیت سے اس طرح کی فنی کتاب (جس مین بیسیون نامعلوم پودون کے نام اور دیگر اصطلاحین ہین) کو واحد مخطوطے کی مدد سے طباعت کے قابل بنانا بڑی جسارت ہے، بہر حال کسی اور اہل تر شخص کی آیندہ نظر ثانی کے بھروسہ پر خدا کا نام لے کر اسے ایڈٹ کر دیا گیا ہے، کام حسب دلخواہ نہین ہوا، حوالے کی سب کتابین نہین ملین، سفر نے الگ رکاوٹین ڈالین، جب تک اصل کتاب چھپے یہ تعارف شاید اہل علم کے لئے دلچسپی کا باعث ہو،

حیات شبلی

تاریخِ یمن کی ایک سطر

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

۱۸۳۴ء مین ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمون کو حضر موت کے حصن غراب پر چند حمیری کتبے دکھائی دیئے، جن کی نقلین اتار کر ہندوستان اور انگلستان روانہ کین، یہ کتبے ۴ ہین، جن مین سے ایک تو صرف ایک طرح کا سماتی نقش ہی، تین کتبے حمیری حروف کی تین تحریرین ہین، ۱۸۳۷ء مین جرمن پروفیسر روئیڈجر نے ۱۸۴۱ء مین پروفیسر جے سے نی اس نے اور ۱۸۵۳ء مین ریورنڈ چارلس فارسٹر نے ان کتبات کو پڑھا، فارسٹر صاحب نے اپنی کتاب تاریخی جغرافیۂ عرب مین پوری شرح و بسط کے ساتھ اپنی قرأت پیش کی ہے، افسوس ہی کہ جرمن پروفیسرون کے مقالون کا ترجمہ میری نظر سے نہین گذرا، فارسٹر نے جغرافیۂ عرب جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ مین حاشیہ پر عبرانی حروف مین دہ سطری کتبہ کی ابتدائی دو سطرین روئیڈجر کی قرأت کے مطابق نقل کی ہین، اور اُن کا ترجمہ جرمنی مین نقل کر کے لکھا ہے کہ "پہلے لفظ کے خوش قسمت استثنا کے ساتھ اس قرأت و تشریح کا لفظ تو ایک بھی اصل کتبہ مین نہین ہی، حروف بشکل ایک دو ہین"،

پروفیسر جے سے نی اس کی بابت یہ بتایا ہے کہ ان کو اس کتبہ مین "شاہ حمیران" کا لفظ ملا ہے اور یہ غلط ہے، ان دونون پروفیسرون کی قرأت کا ماحصل یہ بتایا ہے کہ اس دہ سطری کتبہ مین حبش اور حمیر کے تصادم کا ذکر ہے، خود قرأت فرما کر یہ دعوی کیا ہے کہ یہ تحریرین قوم عاد کی ہین، اور زمانۂ تحریر کا طوفان نوح سے ۵۰۰ برس بعد حضرت یوسف اور حضرت یعقوب کے عہد کو قرار دیا ہے،

پادری صاحب کی قرات کے مطابق چونکہ کتبہ کے اندر حضرت ہودؑ کا ذکر ہے، اس لئے مسلمان علمانے اُن کی قرات پر خوشی سے اعتماد کیا، ان اعتماد کرنے والون مین استاذ محترم مولانا سید سلیمان کی ارض القرآن کی وجہ سے خود مین بھی ایک عرصہ تک تھا، لیکن جب تاریخی جغرافیۂ عرب کے مطالعہ کی ضرورت پیش آئی، اور کتبہ کا عکس بچشم خود دیکھ کر پادری صاحب کی قرات کو پرکھنے کا موقع ملا، تو اُن کی ساری قرات جعل سازی نظر آئی، اُن کی قرات پر تو نہین لیکن کتبہ کے زمانۂ تحریر کی بابت اُن کے استدلال پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا، انھون نے وہ سطری کتبہ کو جن دلیلون سے عادؔ کی قرار دیا ہے، وہ دو ہین،

۱۔ جن دنون یمن پر امیر معاویہؓ کی طرف سے عبدالرحمان بن الحکم گورنری کرتے تھے، عدن کے دو قلعون پر دو تحریرین ملین جن کے منظوم ترجمے نویری نے اپنی کتاب آثار البلاد و اخبار العباد (لیڈن جلد ۱۲ ۵ ورق ۵۶ د، ۵) مین نقل کئے ہین، وہ سطری کتبہ حصن غراب کا ان مین سے ایک نظم کی اصل ہے، نویری نے ان قلعون کو جن پر یہ تحریرین منقوش تھین، عاد کا قلعہ بتایا ہے، لیکن پادری صاحب کو شاید یہ علم نہین کہ عرب کی بول چال مین کسی چیز کو عادیہ کہنے کے معنی صرف "نہایت قدیم" کہنا ہوتے ہین ہمیشہ یہ بتانا مقصود نہین ہوتا کہ یہ چیز اس قوم کے زمانہ کی ہے، جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو خدانے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، اور جسے بادِ سموم بھیج کر ہلاک کر دیا گیا،

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کتبہ نمبر ۲ کا مضمون یہ ہے کہ "حقون مین تقسیم کیا، دائین سے بائین لکھا، نقطے لگائے، اس ترانۂ فتح (یعنی کتبہ نمبر ۱) مین سرش اور ذزرعانے، بیدھا اور شکار کیا، ادلہ سیاہ رو کیا، عوص نے فرزندان ہلک کو" اور عوص بن ارم ہی کو اہلِ عرب عاد کہتے تھے،

اس ترجمہ مین ایک فقرہ ایسا ہے، جو قرات کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے، وہ ہے "دائین سے بائین لکھا، اگر دستور یہی تھا تو اسکی لکھنے کی ادا اگر یہ دستور نہ تھا تو نیا ڈھنگ اختیار کرنیکی حاجت نہ تھی"

عہد یوسف کا کتبہ قرار دینے کی بھی دو دلیلیں ہیں، ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس کتبہ میں عک بن عدنان کا ذکر ہے، جو حضرت یوسفؑ کا معاصر تھا، دوسری دلیل یہ ہے کہ نویری کے ایک کتبہ میں عہد یوسف کے قحط کا ذکر ہے، یہ دونوں دلیلیں سخت مجروح ہیں،

عک بن عدنان کو حضرت یوسفؑ کا معاصر اس دلیل سے قرار دیا ہے کہ حضرت اُم سلمہؓ سے مروی ہے کہ عدنان کی بابت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اود بن زند بن الیری بن اعراق الثریٰ کا فرزند تھا" اور حضرت اُم سلمہؓ نے فرمایا کہ زند نام تھا ہمیسع کا الیری سے مراد نبت ہے، اور اعراق الثری حضرت اسمٰعیلؑ تھے، (الروض الانف) اس روایت کو نقل کئے بغیر بادری صاحب فرماتے ہیں کہ ام سلمہؓ کی حدیث کے مطابق معد اور اسمٰعیلؑ کے درمیان صرف چار پشتیں گذریں، ان پشتوں کی عمریں معمولی اور یوسف و یعقوب علیہما السلام کی طویل عمریں فرض کر کے زمانہ ایک کر دیا حالانکہ یہ نسب مختصر ہے، حضرت مسیحؑ کے معاصرین ان کو ابن داؤد کہتے تھے، اسی طرح عرب کے لوگ بھی نسب ناموں میں صرف معروف اکابر کے اسماء محفوظ رکھتے تھے، معد بن عدنان اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان بہ پشتیں گذریں بخاب معد بخت نصر کے معاصر تھے، اس پر مورخین عرب کا تقریبًا اجماع ہے،

دوسری دلیل بھی پوچ ہے، نویری کے منظوم ترجمہ میں قحط کا ذکر تو ہے لیکن قحط یوسف کا ذکر نہیں ہے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ عہد یوسف کا قحط یمن پر بھی اثر انداز ہوا تھا، ایک اور کتبہ کی روایت نقل کی ہے جس میں یمن کے قحط کے ساتھ حضرت یوسفؑ کا بھی ذکر ہے، فرض کیا کہ یہ روایت صحیح ہے، مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ نویری کی نظم میں عہد یوسف ہی کے قحط کا ذکر ہے، نویری کے جن شعروں میں قحط کا ذکر ہے، وہ یہ ہیں کہ

فعشنا بهذا القصر صبحة احقب | با طيب عيش جل عن ذكره الوصف
فجاءت سنون مجدبات قواحل | اذا ما مضى عام اتى آخر يقتفو

اُس قصر میں، حقبوں تک ہم آرام سے رہے، ایسا آرام جس کی تعریف ضروری نہیں، پھر پے در پے کئی برس قحط و خشک سالی کے آئے "

عربی میں حقب اسی برس کی مدت کا نام ہے، جو ایک شخص کی طبعی عمر خیال کی جاتی تھی، سات حقب کے معنی ہیں ۵۶۰ برس، اگر یہ قحط حضرت یوسفؑ کے زمانہ کا تھا تو وہ قوم جس کے کاتب نے یہ تحریر لکھی حضرت یوسفؑ کے زمانہ سے ۵۶۰ برس قبل سے یہاں آباد تھی، عوص و عمک کی لڑائی اب سے تین چار سو برس قبل کا واقعہ ہو گی لیکن پادری صاحب نے حقب کا ترجمہ برسوں کرکے اپنی دشواری حل کر لی ہے،

وہ روایت جس کی بنا پر عہد یوسف کے قحط کو یمن پر بھی اثر انداز دکھایا ہے، یہ ہے کہ ابن ہشام نے کہا کہ سیلاب سے یمن میں ایک قبر کھل گئی، جس میں ایک عورت پڑی تھی، جس کے گلے میں موتیوں کے سات ہار تھے، پاؤں اور ہاتھوں میں سات سات بازو بند اور کنگن اور پازیب تھے، ہر انگلی میں قیمتی جواہر جڑے ہوئے چھلے تھے، اس کے سر کے پاس مالا مال ایک تابوت تھا، اور ایک لوح پر لکھا ہوا تھا،

باسمك اللهم اله حمير	اے میرے خدا خدائے حمیر تیرے نام سے
انا تاجة بنت ذی شفر	میں ہوں ذو شفر کی بیٹی تاجہ (یوسف
بعثت (ما يرنا الى يوسف فابطأ	کے پاس میں نے اپنا خادم بھیجا، جس نے
علينا فبعثت) لاذتی (بمد من	لوٹنے میں دیر کی تب) میں نے اپنی
ورق) لتاتينی بمد من طحين	لونڈی کو بھیجا کہ (ایک مد چاندی
(فلم تجد لا نبعثت) بمد من	دے کر) میرے لئے ایک مد آٹا لائے
ذهب فلم تجد لا فبعثت)	(مگر اسے نہیں ملا، تب میں نے ایک مد
بمد من بحری فلم	سونا دے کر بھیجا، مگر اُسے نہیں ملا،

تجدلا رفا مرت بہ	تب مین نے اسے بھیجا کہ ایک مد موتی
فطحن فلم انتفع بہ) فاقفلت	کے بدلے (خرید لائے) مگر اس کو دستیاب نہ
فمن سمع بی فلیرحمنی وایۃ	ہوا (تب مین نے حکم دیا کہ اسے پیسا جائے
امراۃ لبست حلیا من حلیی	مگر میرے لئے مفید نہ ہوا) تب مین نے
فلا ماتت الامیتتی،	پھاٹک بند کرلئے تو اب جو بھی میرا حال
	سُنے مجھ پر رحم کرے، اور جو عورت بھی
	میرا کوئی زیور پہنے اسے میری ہی"

میری قرأت کے مطابق حصن غراب کا کتبہ نمبر ۲ چونکہ اسی کتبہ کے ذو مراثد کا ہے' اور کتبہ نمبر ا مین اس کے بھتیجے ذو شرح کا نام ہے' اس لئے اس کتبہ کا زمانہ اور حصن غراب کے کتبون کا زمانہ تقریبا ایک ہے، اس لئے اس بیان کے نقائص کی طرف خاص توجہ دلانا چاہتا ہون،

پادری صاحب کی نقل کردہ روایت مین قوسین کا اضافہ مین نے کیا ہے' کیونکہ قوسین کی درمیانی عبارتین راویون کا اضافہ ہین، بار بار چاندی، پھر سونا پھر موتی بھیجنے کا ذکر محض مبالغہ در مبالغہ ہے، موتی پیسنے کے تذکرہ نے اس مبالغہ کو قطعی جھوٹ بنا دیا ہے' کسی زمانہ مین انسان روٹی پکا کر کھانے کیلئے موتی پیسنے کا تصور نہین کرسکتا تھا، روایت کے اس نقص پر پادری صاحب کی نظر نہین پڑی، البتہ ایک دوسری دشواری نظر آئی جس کا اُن کے دماغ سے باہر وجود نہین، کتبہ کی موجودہ شکل یہ بتاتی ہے کہ تاجہ کا جو آدمی حضرت یوسفؑ کے پاس گیا تھا، اس کے لوٹنے سے پہلے اس نے بازار مین بار بار اپنی لونڈی کو بھیجا تھا، لیکن پادری صاحب کے دماغ مین یہ بات آئی کہ حضرت یوسفؑ نے تاجہ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہین کیا، یہ بات اُن کے دل مین کھٹکی، مگر سیاسی اغراض پر اخلاق قربان کرنے کی یورپی عادت نے اس کھٹک کا یہ جواب تصنیف کیا، کہ

"یوسف کا حصہ اس کارروائی مین یقیناً وزیرانہ تھا، موسوی تاریخ سے ایسا نہین معلوم ہوتا کہ یوسف کے اخلاق بحیثیت خادم خدا اور اُن کے فرائض بحیثیت وزیر اعظم مصر مین کوئی تضاد تھا، ہم دیکھتے ہین کہ انھون نے ایک سیاسی کی طرح اہل مصر کی بدقسمتی سے استفادہ کیا، فرعون کے لئے پہلے اُن کے مویشی کو، پھر ان کھیتون کو، پھر خود انھین خرید لیا، بالفاظ دیگر محدود ملوکیت کو غیر محدود ملوکیت مین تبدیل کر دیا، اپنے بادشاہ کی خدمت کے لئے جو سلوک اہلِ ملک کے ساتھ روا رکھا، اہلِ یمن کے ساتھ بھی اسی قسم کا انھون نے سلوک کیا"

ہم کو پادری صاحب کی یورپ نژاد طبیعت سے اس بات کی توقع تھی کہ حضرت یوسفؑ تو کیا "خداوند" کا بھی ایسا کیرکٹر تجویز کرنے پر وہ تیار ہون گے، جو غیر اقوام کے ساتھ لا انسانیت برتنے کا روادار ہو، لیکن اس کی امید نہ تھی کہ بائبل کے ایک بڑے عالم ہونے کے باوجود حضرت یوسفؑ کو محض وزیر مصر سمجھین گے حالانکہ توراۃ مین صاف مذکور ہے،

وَیوسف هُوَ الشلیط عَلَ هَارَص (تکوین ۴۲-۶)	اور یوسف ہی اس ملک کا سلطان ہے،

حضرت سلیمانؑ کے وقت سے حساب لگائیے، تو یوسفؑ اور سلاطین کا زمانہ بالکل ایک ہوتا ہے صرف چند برسون کا فرق ہے،

اصل یہ ہے کہ پادری صاحب نے روایت کا جو ورشن نقل کیا ہے، اس مین سے صرف اسی قدر صحیح ہے جس قدر ہم نے توسین مین باہر لکھا ہے اسی کتبہ کو اصل حمیری الفاظ مین اکلیل مین ہمدانی نے نقل کیا ہے کہ ایک قبر کی لوح پر مکتوب ملا تھا کہ

انا دیماجہ بنت نوف ذی شفر بن ذو مرثد فصلات کلادی
امرت عبدی

ق نشوان نے اس کا ذکر شمس العلوم کے مادہ مین کیا ہے،

شہرلی مندذوطحین بہندذی بجری قذ وسنہ لی فاعتفلت
(اشترلی · مد · بعد · لولو · فرجہ · اقفلت)

معیری فمن سمع بی فلیھونی فایما اتیتہ لبست حتی لیکون
(الباب · امراۃ · حلی)

موتہا جنح موتی،
(مثل)

" میں ہون ذومرثد کے بیٹا، نوف ذوسفر کی بیٹی دیباجہ، مین نے اپنے بھو کر سے کہا کہ میرے لئے ایک مد موتی کے بدلے ایک مدآٹا خریدلا، مگر اُس نے اسے میرے لئے نایاب[1] پایا، پھر مین نے اپنا دروازہ مقفل کرلیا، تواب جو بھی میرا حال سُنے، مجھ پر رحم کرے، اور جو عورت میراکوئی زیور پہنے میری ہی موت مرے"

اصل حمیری الفاظ کے نیچے جو عربی الفاظ ہین وہ ہمدانی سے ماخوذ ہین، ایک لفظ فلیھونی کا ترجمہ ہمدانی نے نہین بتایا، سابق روایت مین اس کی جگہ فلیرحمنی ہے، ایسا نہ ہوتا تو مین اس کا ترجمہ "مجھ سے نفرت کرے" کرتا، کیونکہ دھو کے معنی عربی مین کینہ رکھنے کے ہین،

دیکھو اصل حمیری عبارت مین نہ تو حضرت یوسفؑ کا نام ہے، نہ بار بار چاندی سونا پھر موتی سے کرآٹا خریدنے کی کوشش کا ذکر ہے، نہ موتی پیسنے کا تذکرہ ہے، یہ تمام باتین بعد کے قصاصون کا اضافہ ہین، اور امور کے اضافے اس روایت مین کیسے مل گئے؟ اس سوال کا جواب ہمارے موضوع کے خارج ہے، حضرت یوسفؑ کے ذکر کی وجہ کتبہ کا لفظ فاعتفلت ہے، اعتفاد کے معنی ہین گھر کا دروازہ بند کرکے بھوکون مرجانا نشوانی نے لکھا ہے،

الاعتفاد بلغۃ حمیر اغلاق	حمیری بولی مین اعتفاد یہ ہے کہ آدمی
الرجل علیہ باب دارہ لایخرج	اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے پھر مرہی
منہا حتی یموت وکانوا یفعلون	کے نکلے، ایسا حضرت یوسفؑ کے برسون

---

[1] یہ ترجمہ تفسیر ہمدانی اور روایت سابق کے مطابق ہے ورنہ ٹھیک ترجمہ ہو اس نے میرے لئے بدبودار پایا،

ذلك وقت انقطاع الحب من
اليمن في سنی یوسف علیہ السلام
تکبرا عن السؤال حتى سر السبلن
اهل تان منصر (صفحہ ۳۰)

مین کیا جاتا تھا تاکہ سوال کی بے غیرتی
سرزد نہ ہو، پھر دو عورتوں نے ادعاء
یمن دین کی ریت رائج کی،

نفظا اعتفاد کی اس تشریح نے قصہ مین حضرت یوسف کا نام ڈال دیا، ورنہ جس عورت کا ذکر ہے، اس کا نسب نامہ بتاتا ہے کہ وہ حضرت یوسف کے عہد سے سیکڑا دن برس بعد گذری سنی یوسف" کہنے کا مطلب صرف" نہایت سخت قحط کے ایام ہین"، جس طرح ہندوستان کی عورتین فقر و فاقہ کے وقت کو پیغمبری وقت کہتی ہین، اسی طرح شدید قحط کے ایام کو سنی یوسف کہا جاتا تھا،" سنی یوسف" کی بجائے "ایام یوسف" ہوتا تب بھی مطلب یہی ہوتا کہ ایسا دستور عہد یوسف ہی مین تھا کبھی اور نہین تھا، نفظا اعتفاد کی اس تشریح نے حضرت یوسف کے ذکر کی طرح روایت کے الفاظ مین تو نہین مگر پڑھنے والے کے تصور مین قحط کو بھی جگہ دیدی ہے، لیکن کتبہ مین قحط کا ذکر کہین نہین ہے، جس کا ترجمہ لم تجد کیا گیا ہو، وہ ہے،

قد وسنه لي

یقیناً اس نے واسن پایا اس کو میرے لئے

"میرے لئے" کے الفاظ بتاتے ہین کہ خاص کر دیبا جہ بنت نوف کے لئے ادا، واسن" تھا سب کیلئے نہین" قد وَسنه" کا صحیح ترجمہ لم تجد کی بجاے قد وجد لا واسناً" ہے، صاحب صراح نے لکھا ہے:۔

وسن الرجل غشي عليه من
نتن البئر مثل آسن"

یعنی آدمی کنوئین کی بدبو سے بیہوش
ہوجائے تو کہا جائے گا وسن جس طرح
کہا جاتا ہو "اسن"،

اس سے معلوم ہوا کہ آسن اور وسن دونون کے معنی بدبو تھے، بدبودار پانی کو عربی میں
واسن آسن اور آجن کہا جاتا ہے، دیباجہ کے خادم کو اٹا ملا تھا، مگر بدبودار،

اس کتبہ مین جس عورت کا نام ہے وہ تاجہ نہین، تو دیباجہ ضرور تھی، یہ نام کتبہ کا عہد بتانے کے لئے
کافی ہین، دونون نام ہین فارسی، اس لئے اس کتبہ کا زمانہ وہ قرار دینا چاہئے، جب کہ ایرانی
تاجدارون کا طوطی بولتا تھا،

دیباجہ یا تاجہ کے باپ کا نام پادری صاحب کی منقولہ عبارت مین ذوشفر ہے، اکلیل
مین ذوسفر چھپا ہے شمس العلوم مین ذوشقر ہے، لیکن ایک کتبہ کا عکس میرے سامنے ہے، جسے مین نے
ابھی حل نہین کیا ہے، اس مین یہ نام ذوسقر ہے، سقر کے معنی ہین آگ قرآن پاک کی بدولت
اب تو ذوسقر کا مطلب جہنمی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنا نام جہنمی نہین رکھ سکتا تھا، یہ کتبہ ایسے
زمانہ کا ہے جب ایران کی مجوسیت نے یمن مین قدم جما رکھا تھا، اور آتش پرستی رائج ہو چکی تھی ذوسقر
آتش خانہ کا رئیس تھا،

عام طور پر مورخین کو یہی معلوم ہے کہ ایران کا اثر یمن پر ظہور اسلام سے دس بارہ برس پہلے پڑا،
لیکن کتبات یمن سے غفلت کا نتیجہ یہ خیال ہے،

دوسطری کتبہ کے بائین حاشیہ پر چھٹی اور ساتوین سطر کے ہین کے سامنے حسب ذیل
نقوش ہین، ה٢×

یہ ایک مہمل لفظ ہے، لیکن بنو سام مین نامعلوم زمانہ سے حروف کو اعداد اور برسون کے عددی
اسماء کی طرح استعمال کرنے کا رواج تھا، ה٢× کو تھک ۲۵۴ پڑھنا چاہئے، کاف کے نیچے گول
گول جو نقطے ہین، وہ عربی عقد انامل کی دسوین گرہ کی شکلین ہین، عربون نے عشراتی طریق حساب
کو ایجاد کیا، تو اسے اکائی کے دائین رکھ کر (اکائی × ۱۰) کا مرادف بنا دیا، اور لا محدود حد تک

گنتیاں لکھنے کا سہل طریقہ رائج کر دیا، فینیقی میں ٥٥ کے معنی ۴۰ ہیں، اور ٥ کے معنی ہیں، مگر عربوں کے نزدیک عشراتی طریق کے رواج سے پہلے ٥ کے معنی ۱۰ تھے، اور ٥٥ کے معنی ۲۰، اس لئے ٢×٥٥ کے معنی ہوے ۲۲۵ھ حمیری یہ کتبہ یا کتبہ کے اندر مذکور واقعہ کا سال ہے، حمیری سن کی ابتدا ۱۱۵ ق م سے ہوتی ہے، اس لئے دو سطری کتبہ کا زمانہ ۲۳۰ھ اور تین سطر والے مختصر کتبہ حصن غراب کا زمانہ اس سے کچھ پہلے اور دیباجہ یا تاجہ کا زمانہ اس کے کچھ عرصہ بعد ہونا چاہئے،

"خاندان ذو مراثد کا نسب نامہ نشوان کی شمس العلوم سے نقل کیا جاتا ہے، نشوان خود کو اسی خاندان کا بتاتا ہے،

بریل ذو سحر

حسان ذو مراثد	مرثد اینفع	شرحبیل	
نوف ذو سقر		ذو شرح (کتبہ نمبر ۱ حصن غراب)	۲۳۰ھ
دیباجہ یا تاجہ		ہدہاد	
		بلقیس	۲۲۵ھ

یمن میں بلقیس نام کی کئی خاتونیں گزری ہیں، سب کو ایک میں ملا کر قصہ گویوں نے ہر بلقیس کو عہد سلیمان کی بلقیس بنا دیا ہے، نشوان نے بھی اسے عہد سلیمان کی بلقیس قرار دیا ہے، لیکن ایک بلقیس وہ تھی جس کے باپ ہدہاد کو ۲۳۰ھ میں حبش کے نجاشی علی اسکندری نے اور ۲۲۵ھ میں علی عمیدہ نے شکست دی، جس کے بعد ایزانا س نجاشی ہوا، جس کا ایک کتبہ پڑھا جا چکا ہے، جس میں وہ خود کو حبش کے علاوہ یمن کا بھی بادشاہ بتلاتا ہے، (تاریخ العرب قبل الاسلام جرجی زیدان و ارض القرآن)

اکلیل میں دیباجہ یا تاجہ بنت ذو سقر کی پھوپھی کا بھی ایک کتبہ مذکور ہے، جس کی عبارت حسب ذیل ہے:

انا شمعه بنت ذی مراثد کنک اذا

میں شمعہ بنت ذی مراثد ہوتی تھی جب

وحمک ادل فالقشم من ارض

پیٹ سے لایا جاتا خریف کا میوہ زمین

الهند بطله ذا هدا

ہند سے مزے کا تازہ (ابیل صفحہ ۲۲۳)

مشکل الفاظ کی تشریح ہمدانی نے خود کردی ہے،

پھوپھی کا یہ حال تھا بھتیجی کا یہ حال ہوا کہ موتی کے کرلونڈی آئی اور خریدنے کو گئی مگر

خلد سنه لی

یقیناً بدبودار پایا میرے لئے

ایسا کیوں ہوا ؟ اس سوال کا جواب وہ سطری کتبہ کا مضمون دے گا،

ادبیات

درسِ حیات

از

ازجناب شفیق صدیقی جونپوری

ستم وہ نازک مزاج نکہت جو پھولوں کے گود مین پلی ہو
اسی کو موجِ ہوا چمن سے نبھا کے زنجیر لے گئی ہو

اگر صداقت کے ساتھ آئے تو نظمِ نو سے مجھے خوشی ہو
کہ میری تہذیب زندگی کے ہر ایک سانچے مین ڈھل گئی ہو

ذرا سنبھل جائے موج مغرور جس کی رفتار مین کجی ہو
کہ ایک بیباک تند آندھی میرے سفینے مین سو رہی ہو

وہی حقیقت سے باخبر ہے وہی علمدارِ زندگی ہو
جو وقت کے ساتھ ساتھ بھی ہو جو وقت پر سخت گیر بھی ہو

یہ وقت کا انتقام بھی ہو یہ زندگی کا پیام بھی ہو
کہ آج خسرو کے سر کی ٹوپی کلاہِ مزدور بن گئی ہو

نہ ہوگا طوفانِ ابر و باران سے سرد بازارِ رنگ و نکہت
کہ آتشِ گل تری حرارت چمن کے سینے مین آج بھی ہو

خودی کا اپنی جو لے سہارا تو ہو دو تنکا بھی ہم کو پیارا
ہو جس پہ یہ راز آشکارا کہ ہر تلاطم مین زندگی ہو

فضا معطر ہوئی تو کیا جب چمن کی مٹی کو بو نہ بخشی
کہ شاخِ گل تیری پتی پتی زمین کے خون سے بنی ہو

کئے جو شبنم نے جھک کے سجدے تو پائی پرواز کی بلندی
جو گرم سورج نے سر اٹھایا تو ہر کرن منہ کے بل گری ہو

ٹھہر کہ اے چاند جس نے بخشا ہے تجھ کو محبوبیت کا رتبہ
اسی پرندے کے آشیان سے دور تر تیری چاندنی ہو

بہم جو سرگوشیون مین پیہم ہین راز کی باتین چپکے چپکے
حریف کو ہو رہا ہو دھوکا کہ اپنی آواز دب گئی ہو

تری تباہی ہو موت کا خوف رنجِ ایمان کھو دیا ہے
تری دعاؤن کی جنبش لب سے موت بالین سے پھر گئی ہو

سحر کے دیوانے جو متو ہین کہ صبح کا قافلہ ہے نزدیک — مگر ستارے سکوت مین ہین کہ چاندنی رات ڈھل رہی ہے
فلک سے کہدو کہ آشیان کے قریب اب بجلیان نہ آئین — کہ ایک خوابیدہ نوجوانی چمن مین کروٹ بدل رہی ہے
چلو اگر سیر گلستان کو تو دیدۂ امتیاز بھی ہو — بہار بھی شانہ کر رہی ہے خزان بھی گیسو سنوارتی ہے

حجاز کے میر کارواں نے تخیق کو داد دی یہ کہکر
کہ اس حدی خوانی نے نہ بدلی ہزار منزل بدل گئی ہے

غزل

از

جناب سید شاہ ولی الرحمٰن صاحب ایم۔ اے۔ آرہ

قلب و نظر کو دے جلا تیغ خودی کو تیز کر — گوشۂ عافیت سے اُٹھ جرأتِ رستخیز کر
کوسِ رحیل بج چکا گرم سفر ہے قافلہ — تلوے فگار ہین تو کیا اور قدم کو تیز کر
قلبِ حقیقت آشنا فکر مجاز تا کجا — چھوڑ در بتان کو چھوڑ سوے حرم گریز کر
خطرے مین گر ہے بوستان زد پہ اگر ہے آشیان — برق و شرر سے ڈر نہ جا حوصلہ ستیز کر

زیست کا لطف کیا ولی گر نہ ہو سوز عاشقی
قلب و جگر کو کر تپان چشم کو اشک ریز کر

مطبوعات جدیدہ

تاریخ انقلاب عالم جلد اوّل مؤلفہ جناب سید ابو سعید صاحب بزمی، تقطیع بڑی ضخامت ۴۵، صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد دس روپیے، پتہ :- کتاب منزل کشمیری بازار لاہور،

انسانی تاریخ کے آغاز سے اس وقت تک دنیا میں خیر و شر تعمیر و تخریب، روحانیت و مادیت اور اخلاق و نفس پرستی کی کشمکش برابر جاری ہے، اور دنیا کے سارے مذہبی و اخلاقی، سیاسی و معاشی عمرانی و سماجی انقلابات اسی کا نتیجہ ہیں، شر کی طاقتیں اپنے جاہ و اقتدار اور ہوا و ہوس کے لئے انسانی الوہیت، طبقاتی تقسیم، بلند و پست، حاکم و محکوم، ملوکیت و بادشاہت، جمہوریت و آمریت، قومیت و وطنیت اقتصادیات و معاشیات حتی کہ غلط مذہب تک کے پھندے بناتی رہیں، اس کی اصلاح کے لئے انبیاء و رسل صلحا و اخیار اور مفکرین و مصلحین سچی خداشناسی اخلاق و روحانیت اور انسانی اخوت و مساوات کا درس دیتے رہے، دنیا کے تمام بڑے بڑے انقلابات خیر و شر کی اسی کشمکش کا نتیجہ ہیں اردو میں قوموں اور ملکوں کی تاریخوں کی کمی نہیں لیکن مذکورۂ بالا نقطۂ نظر سے دنیا کے انقلابات کے اسباب اور اثرات و نتائج پر کوئی مستقل کتاب نہیں ہے زیر نظر کتاب اسی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اس میں لائق مولف نے انسانی تاریخ کے آغاز یعنی اُس دور سے جب انسان مظاہر فطرت کی پرستش کرتا تھا، اور دنیاوی بادشاہ خدائی کے مدعی تھے، خیر و شر کی پہلی کشمکش ہابیل و قابیل کی جنگ سے اس دور کی ایلی و قابلی کشمکش گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ تک عرب، عراق، شام، فلسطین، مصر، ترکی، ایران، افغانستان، طرابلس، مراکش، تونس، فرانس، جرمنی، اٹلی، روس اور اسپین وغیرہ کے پرانے مذہبی و سیاسی نظاموں اُن کے مذموم اثرات، انبیاء علیہم السلام اور مفکرین و مصلحین کی

تعلیمات کے انقلاب انگیز نتائج، یورپ کے قرون مظلمہ کے حالات، اسلام کا ظہور اس کے عالمگیر اثرات، یورپ کی نشأۃ ثانیہ، نئے علمی افکار و تصورات، صنعتی دور کا آغاز، موجودہ دور کے سیاسی و معاشی نظریات وغیرہ کے اسباب و علل اور اُن کے اثرات و نتائج کی پوری تفصیل بیان کی ہے جس سے دنیا کے انقلابات کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے، اردو میں اس موضوع پر یہ پہلی جامع کتاب ہے، اور اپنے مفید معلومات کے لحاظ سے ہر پڑھے لکھے شخص کے مطالعہ کے لائق ہے، طرز تحریر دلکش اور انشا پردازانہ ہے، اس کی دوسری جلد میں انگلستان، امریکہ، اسٹریلیا، جاپان، چین، انڈونیشیا، فلپائن، انڈوچائنا، سیام، ملایا، وسطی و جنوبی افریقہ اور ہندوستان و پاکستان کے حالات اور جنگ عظیم کے بعد کے انقلابات کی تفصیل ہوگی،

اسلام کے عالمگیر اصول مترجمہ جناب سید احمد حسن صاحب نقوی، تقطیع اوسط، ضخامت ۲۶۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۔ پتہ کتاب منزل کشمیری بازار لاہور،

موجودہ زمانہ میں مذاہب کی صحت و صداقت کو بھی علم و سائنس کی روشنی میں جانچا جاتا ہے، اگرچہ ان دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں، اور سائنس کے بہت سے نظریات قطعی اور یقینی نہیں، اور وہ برابر بدلتے رہتے ہیں اس لئے اُن کو مذہب کی صحت کا معیار بنانا صحیح نہیں ہے لیکن زمانہ کے مذاق کو نہیں بدلا جاسکتا اس لئے اس زمانہ میں وہی مذہب قائم رہے گا، جو ہر طوفان کا مقابلہ کرسکے، اور ہر دور کی ضروریات و مشکلات کا حل پیش کرسکے، جس سے اکثر مذاہب اسلئے قاصر ہیں کہ اُن کی تعلیمات وقتی اور محدود ہیں، اور وہ بھی زمانہ کے ہاتھوں مسخ ہوچکی ہیں، صرف اسلام ایک ایسا مذہب ہی، جو دائمی اور عالمگیر ہے، اور اسکی بنیاد عالمگیر صداقتوں پر ہی، اور اسکی صحیح تعلیمات اب تک محفوظ ہیں، اس لئے وہ علم و سائنس کا بھی مقابلہ کرسکتا ہی، اور اسکے پاس نئے مسائل کا حل بھی ہی، مصر کے نامور اہل قلم فرید وجدی نے جو دینی علوم اور نئے علوم دونوں کے فاضل اور نئے مسائل کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کے اچھے شارح ہیں، اسی نقطہ نظر سے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک کتاب "الاسلام دین خالد" بھی ہے مذکورہ بالا

کتاب اسی کا ترجمہ ہے، اس مین دکھایا گیا ہے کہ اسلام کا کوئی عقیدہ اور اسلامی شریعت کا کوئی قانون نہ صرف علم و سائنس اور صحیح عقلی مطالبات کے خلاف نہین ہے، بلکہ وہ علم و سائنس اور انسانی ترقی کا معاون ہے، اس مین زمانہ کے نئے تقاضون اور مسائل کا بھی حل ہے، اس لئے وہ انسانی ترقی کے ہر مرحلہ مین اس کی رہنمائی کرسکتا ہے، آخر مین ان اعتراضون کا جواب ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی اسلام اور جنگ و خونریزی، غلامی، حقوق نسوان، طلاق، تعداد ازدواج، توکل و فقر وغیرہ کے متعلق اسلامی تعلیمات پر کئے جاتے ہین، یہ تمام مباحث عالمانہ ہین، اور اسلامی تعلیمات کی تشریح مین، ان کو مسخ نہین کیا گیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے،

پیام مشرقی از امیر ولایت علی صاحب تقطیع اوسط، ضخامت ۱۰۵ صفحے، کاغذ اور کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد:- عہ پتہ:- نمبر ۳۲۱، اعظم پورہ، ردبرو مدرسہ اعزہ حیدرآباد دکن،

مرتب کتاب خاکسار تحریک کے بانی اور امیر عنایت اللہ خان مشرقی کے عقیدتمندون مین ین، مذکورۂ بالا کتاب مین انھون نے مشرقی صاحب کی تصانیف اور اُن کے مضامین اور تقریرون سے اسلامی تعلیمات کے متعلق اُن کی تشریحات اور مسلمانون کی اصلاح و ترقی کے متعلق اُن کے یالات کے اقتباسات جمع کر دیئے ہین، کتاب کے شروع مین مشرقی صاحب کے مختصر حالات ہین، ن کے ذہین اور صاحبِ علم ہونے مین شبہہ نہین، اُن کے دل مین مسلمانون کا درد بھی ہے، لیکن مذہبی لوم مین اُن کی استعداد ناقص، اور دینی بصیرت کی ان مین بڑی کمی ہے، اُن کے خیالات مین بھی اعتدال وازن نہین ہے، اس لئے اُن کے مذہبی عقائد و خیالات مین حق و باطل اور حقیقت و خرافات دونون کی زش ہے، اور انھون نے اسلامی تعلیمات کی جو تشریحات کی ہین، اور مسلمانون کی تجدید اور اصلاح جو تدبیرین بتائی ہین، وہ اگرچہ صحت سے خالی نہین ہین، لیکن اُن کی بہت سی تشریحات خود ساختہ ہین

جن کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے، اس لئے اُن میں نفع کے ساتھ ضرر کا پہلو بھی ہے، پیام مشرق بھی اسی قسم کے متضاد اور مفید و مضر خیالات کا مجموعہ ہے، مرض کے ازالہ کے لئے طریقۂ علاج کی صحت بھی ضروری ہے، ورنہ علاج ہی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے،

قرآنی قاعدہ از جناب مولوی ابو محمد مصلح صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۱ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت فی جلد ۲ر پتہ:- ادارۂ عالمگیر تحریک قرآن، حیدرآباد دکن،

دنیا کی بیشتر زبانوں کی عبارت صحیح پڑھنے کے لئے اُن کے حروف کے مخارج، اصوات، حروف کی ترکیب کے صوتی تغیرات، حروف زائدہ وصل و فصل، وقف ابتدا رخاتمہ وغیرہ سے واقفیت ضروری ہے، عربی زبان میں اس پر اعراب کا اور اضافہ ہے، اس کے بغیر غیر عربی دان صحیح عربی عبارت نہیں پڑھ سکتا، اس لئے عربی میں اعراب سے بھی واقفیت ضروری ہے، گو قرآن مجید کی صحیح قرأت کے لئے اس کی عبارت میں اعراب کے علاوہ اور بہت سی علامتیں بھی ہوتی ہیں، اس کے باوجود اُن کی عملی مشق کے بغیر صحیح قرأت مشکل ہے، لائق مولف نے جن کی خدمتِ قرآن محتاج تعارف نہیں ہے، اس رسالہ میں ان تمام امور کو تحریر کر دیا ہے، جو قرآن مجید کی صحت قرأت کے لئے ضروری ہیں، اس کی مشق سے ایک بچہ بھی آسانی کے ساتھ قرآن مجید کی صحیح قرأت کر سکتا ہے، اس میں قرأت و تجوید کے قواعد کے علاوہ تلاوتِ قرآن کے متعلق اور مفید باتیں بھی ہیں،

نماز کی پہلی دوسری تیسری اور چوتھی کتاب | مؤلفہ جناب عبدالمنان صاحب بیدل، تقطیع چھوٹی، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، غالباً چاروں رسالوں کی قیمت ۵ر ہوگی، پتہ اقبال بک ڈپو، بانکی پور پٹنہ،

ان چاروں رسالوں میں ترتیب کے ساتھ آسان زبان میں نماز کے ضروری مسائل اور اس کے قواعد تحریر کئے گئے ہیں جو مسلمان بچوں کے پڑھانے کے لائق ہیں،